نوائے غزوۂ ہند

برِّصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

ستمبر ۲۰۲۵ء | ربیع الاول ۱۴۴۷ھ

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

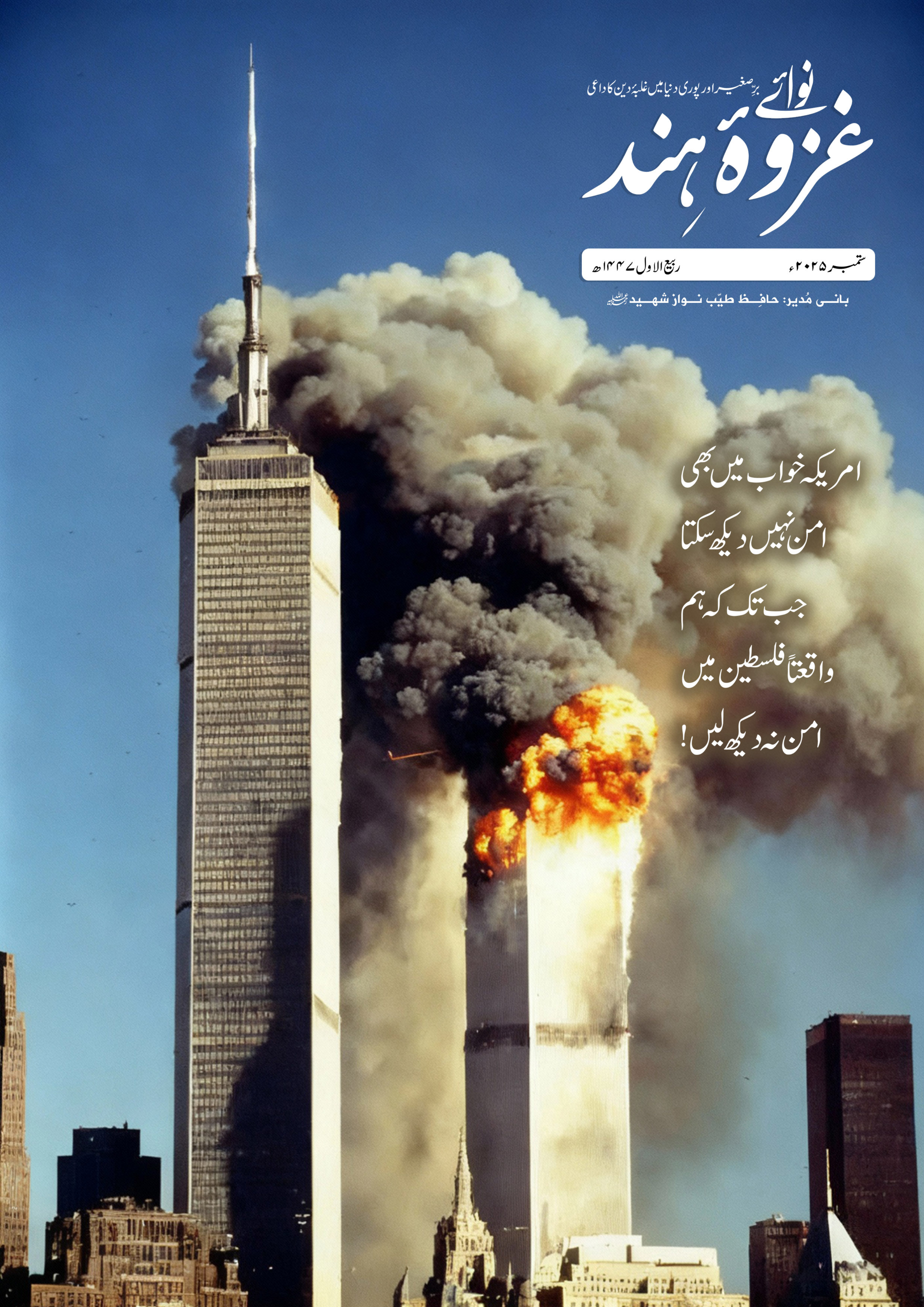

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

بُردباری، قوتِ برداشت، قدرت پا کر درگزر اور مشکلات پر صبر ایسے اوصاف تھے جن کے ذریعہ اللہ نے آپ ﷺ کی تربیت کی تھی۔ ہر حلیم و بردبار کی کوئی نہ کوئی لغزش اور کوئی نہ کوئی زبان کی بے احتیاطی جانی جاتی ہے مگر نبی ﷺ کی بلندئ کردار کا عالم یہ تھا کہ آپ ﷺ کے خلاف دشمنوں کی ایذارسانی اور بدمعاشوں کی خودسری وزیادتی جس قدر بڑھتی گئی آپ ﷺ کے صبر وحلم میں اسی قدر اضافہ ہوتا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ وہی کام اختیار فرماتے جو آسان ہوتا جب تک کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا۔ اگر گناہ کا کام ہوتا تو آپ ﷺ سب سے بڑھ کر اس سے دور رہتے۔ آپ ﷺ نے کبھی اپنے نفس کے لیے انتقام نہ لیا! البتہ اگر اللہ کی حرمت چاک کی جاتی تو آپ ﷺ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔

آپ ﷺ سب سے بڑھ کر غیظ وغضب سے دور تھے اور سب سے جلد راضی ہوجاتے تھے۔ جُودوکرم کا وصف ایسا تھا کہ اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ ﷺ اس شخص کی طرح بخشش ونوازش فرماتے تھے جسے فقر کا اندیشہ ہی نہ ہو۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا بین ہے کہ نبی ﷺ سب سے بڑھ کر پیکر جُودوسخا تھے، اور آپ ﷺ کا دریائے سخاوت رمضان میں اس وقت زیادہ جوش پر ہوتا جب حضرت جبریلؑ آپ ﷺ سے ملاقات فرماتے اور حضرت جبریلؑ رمضان میں آپ ﷺ سے ہر رات ملاقات فرماتے اور قرآن کا دور کراتے۔ پس رسول اللہ ﷺ خیر کی سعادت میں (خزائن رحمت سے مالا مال کرکے) بھیجی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ پیش پیش ہوتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ایسا کبھی نہ ہوا کہ آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ ﷺ نے نہیں کہہ دیا ہو۔

شجاعت، بہادری اور دلیری میں بھی آپ ﷺ کا مقام سب سے بلند اور معروف تھا۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ دلیر تھے۔ نہایت کٹھن اور مشکل مواقع پر جبکہ اچھے اچھے جانبازوں اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے، آپ ﷺ اپنی جگہ پر برقرار رہے اور پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھتے گئے۔ پائے ثبات میں ذرا لغزش نہ آئی۔ بڑے بڑے بہادر بھی کبھی نہ کبھی بھاگے اور پسپا ہوئے ہیں مگر آپ ﷺ میں یہ بات کبھی نہیں پائی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب زور کا رَن پڑتا اور جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھتے تو ہم رسول اللہ ﷺ کی آڑ لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص دشمن کے قریب نہ ہوتا۔

آپ ﷺ سب سے زیادہ حیادار اور پست نگاہ تھے۔ ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ پردہ نشین کنواری عورت سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ جب آپ ﷺ کو کوئی بات ناگوار گزرتی تو چہرے سے پتا لگ جاتا۔ اپنی نظریں کسی کے چہرے پر گاڑتے نہ تھے۔ نگاہ پست رکھتے تھے اور آسمان کی بہ نسبت زمین کی طرف نظر زیادہ دیر تک رہتی تھی۔ عموماً نیچی نگاہ سے تاکتے۔ حیا اور کرم نفس کا عالم تھا کہ کسی سے ناگوار بات رُودررُو نہ کہتے اور کسی کی کوئی ناگوار بات آپ ﷺ تک پہنچتی تو نام لے کر اس کا ذکر نہ کرتے بلکہ یوں فرماتے کہ کیا بات ہے کہ کچھ لوگ ایسا کر رہے ہیں۔ فرزدق کے اس شعر کے سب سے زیادہ صحیح مصداق آپ ﷺ تھے:

يغضى حياء و يغضى من مهابته
فل يكلم الاحين يبتسم

''آپ حیاء کے سبب اپنی نگاہ پست رکھتے ہیں اور آپ کی ہیبت کے سبب نگاہیں پست رکھی جاتی ہیں،
چنانچہ آپ سے اُسی وقت گفتگو کی جاتی ہے جب آپ تبسم فرما رہے ہوں۔''

(الرحیقُ المختوم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۸، شمارہ نمبر: ۷

ستمبر ۲۰۲۵ء — ربیع الاول ۱۴۴۷ھ

بحمد اللہ... مُسلسل اشاعت کا اٹھارہواں سال!

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.org

www.nawai.io/Twitter

www.nawai.io/Bot

www.nawai.io/ChirpWire

ContactNGH.313

رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’تمہارے جہاد میں سب سے افضل (عمل) رباط ہے، اور تمہارے رباط میں سب سے افضل رباط عسقلان (فلسطین کے ایک علاقے) کا ہے۔‘‘

(طبرانی)

اس شمارے میں

اداریہ
سب سے پہلے امریکہ! 5

تزکیہ و احسان
اصلاحِ معاشرہ: سورۃ الحجرات کی روشنی میں 10

آخرت
موت و مابعد الموت 13

اسوۂ حسنہ
سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے میں 16

مرا تو سب کچھ مرا نبیؐ ہے!
ہمارے محبوب کا حلیۂ مبارک [صلی اللہ علیہ وسلم] 20
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق 23
آخری نبی کے دربار میں (صلی اللہ علیہ وسلم) 26
خیر خواہی یا بد خواہی؟ 30

یومِ تفریق
معرکۂ گیارہ ستمبر کے فدائیوں کے لیے ہدایت نامہ 35
معرکۂ گیارہ ستمبر: تیاری سے حملے تک! 39
خالد شیخ محمد: امتِ مسلمہ کا بطلِ عظیم 44
اذاں تو کب کی ہو چکی نمازِ عشق ادا کب ہوگی؟ 46

دار الافتاء
پاکستان میں حاکم نظام کی شرعی حیثیت 48

فکر و منہج
القاعدہ کیوں؟ 52
مدرسہ و مبارزہ (مدارس و دینی جدوجہد کی تحریک) 56
موجودہ اداراتی ڈھانچے کے ذریعے اسلام... 63
کفار کا معاشی بائیکاٹ 66

صحبت با اہلِ دل!
مع الاستاذ فاروق 71

عالمی منظر نامہ
خیالات کا ماہنامچہ 73
اخباری کالموں کا جائزہ 76
ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق 82

طوفان الاقصیٰ
بیت المقدس اور صومالیہ کی کارروائی پر مبارک باد 84
یہ غزہ ہے: اپنوں کی خیانتوں سے چور پیکرِ صبر 85
قبلۂ اوّل سے خیانت کی داستان (مصر) 91
۱۱ ستمبر اور ۷ اکتوبر: جسدِ واحد کے مظاہر 101
اردنی شہری عبد المطلب القیسی کی وصیت 103
ہر بات بتانے کی تھوڑی ہوتی ہے 104

افغان باقی کہسار باقی...... الحکم للہ والملک للہ
عمرِ ثالث 107
حق کے سائے تلے 111

پاکستان کا مقدر...... شریعتِ اسلامی کا نفاذ!
حرمین شریفین کا دفاع: حقیقت یا فسانہ؟ 113
فوج کی تقسیم کرو اور راج کرو کی پالیسی 114
جرنیلوں کو شرمندہ کرتے پانچ پاکستانی 118

کشمیر...... غزوۂ ہند کا ایک دروازہ!
شبابِ کشمیر کے نام ایک دردبھرا پیغام 120

علیکم بالشام
شام میں جہاد کا مستقبل 122

میدانِ کارزار سے......
ایک مجاہد بھائی کا اپنے ایک مجاہد ساتھی کے نام خط 130

حلقۂ مجاہد
مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟ 132
سورۃ الانفال 134

الدراسات العسکریۃ
امنیت (سکیورٹی) 140

اوپن سورس جہاد
واٹس ایپ: پرائیویسی کا فریب 143

ناول و افسانے
الشوک والقرنفل (کانٹے اور پھول) 147

وغیرہ وغیرہ
اِک نظر اِدھر بھی 152

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں علمائے کرام کی اجازت کے بعد جانداروں کی تصاویر شامل ہوتی ہیں۔ تاہم یہ اجازت فقط مجلّے کے ’ویب ورژن (PDF وغیرہ)‘ کے لیے ہے، اگر کوئی مجلّے کو کاغذ پر چھاپنا چاہے تو براہِ کرم مذکورہ تصاویر کو دھندلا (blur) کر کے چھاپے۔ قدیم و معاصر علماء کی اکثریت بہر حال کاغذ پر چھپی تصویر کی اجازت نہیں دیتی!
- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں شائع ہونے والے ’مستعار‘ مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس/سٹیٹس/ٹویٹس) مجلّے کی اداراتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com

سب سے پہلے امریکہ!

زیادہ دور نہیں جاتے۔ تاریخ کا بہت عمیق و طویل مطالعہ کرنے کی ہر گز ضرورت نہیں۔ ابھی دو سال قبل غزّہ میں شروع ہونے والے قتلِ عام سے تاریخ دیکھنا شروع کرتے ہیں۔ کتنے لوگ قتل کیے گئے، کتنے زخمی ہوئے، کتنوں پر قحط مسلط کر کے قتل کیا گیا، کتنوں کو اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی رحمِ مادر کو سنائپر بندوقوں سے تاک کر قبل از پیدائش قتل کر دیا گیا۔ تمام عالَمِ انسانیت اس سے بخوبی واقف ہے۔ یہ قتلِ عام تاریخِ مخلوق کی بدترین قوم یہود کے ہاتھوں برپا ہے۔ یہود جو ارضِ انبیاء پر، ارضِ مقدس پر ایک یہودی ریاست 'اسرائیل' کے نام سے مسلط ہیں، یا ایک صدی پیش تر مسلط کر دیے گئے۔

اسرائیل۔ برطانیہ کی ناجائز اولاد۔ اسرائیل۔ برطانیہ کی وہ ناجائز اولاد جس کو برطانوی بربریت سے پیدا ہونے والی قوم و سلطنت 'امریکہ' نے گود لیا، پالا پوسا، ناجائز و لاڈلی اولاد کے لاڈ اٹھا کر جوان کیا، ناجائز و بگڑی اولاد کو دنیا کی تمام آسائشیں و آلائشیں اور پیسوں سے لے کر اہم ترین چیز سیاسی و سفارتی ثم عسکری امداد کے ذریعے ایک بدمعاش بلا بنا دیا۔ امریکہ کا عظیم ترین جرم اسی اسرائیل کی پشت پناہی ہے، لیکن یہ امریکہ کا واحد جرم نہیں ہے، بلکہ امریکہ کے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے۔

آیئے اس تحریر میں دو نکات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اولاً، امتِ مسلمہ ہی نہیں، بلکہ انسانیت، بلکہ انسانیت ہی نہیں محیط (atmosphere) کا سب سے بڑا دشمن کون ہے؟ اور دوئم، اس دشمن کے خلاف کیا کرنے کی ضرورت ہے!

اس دشمن کا نام 'امریکہ' ہے۔ ہم کہتے ہیں 'سب سے پہلے امریکہ'، یعنی ہماری ہر عسکری، سیاسی، سفارتی، دعوتی ضرب کا پہلا ہدف امریکہ ہونا چاہیے، جب ہم یہ بات کہتے ہیں تو اس کے کچھ دلائل ہیں:

- امریکہ نیو ورلڈ آرڈر یعنی جدید عالمی نظام کا سرغنہ ہے۔ امریکہ نے دنیا بھر کو سات عسکری کمانڈز میں تقسیم کر رکھا ہے، بلکہ صرف یہی نہیں امریکہ خلا یعنی Space کے لیے بھی ایک عسکری کمانڈ رکھتا ہے۔ امریکہ پوری دنیا کو دراصل انہی کمانڈز کے ذریعے 'کنٹرول' کرتا ہے۔
- امریکہ اس وقت دنیا میں جاری عالمی صلیبی صہیونی جنگ کا امام ہے۔ امریکہ نے ہمیشہ خفیہ و اعلانیہ صہیونی ریاستِ اسرائیل کی حمایت کی ہے۔ پھر اسی امریکہ کا صدر ہی تھا جس نے آج سے ڈھائی دہائی قبل عالمِ اسلام پر 'صلیبی' حملے کا اعلان کر کے 'وار آن ٹیرر' نامی جنگ کا آغاز کیا تھا جو تادمِ تحریر جاری ہے، بلکہ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس میں شدت ہی آئی ہے۔
- امریکہ کا سب سے بھیانک جرم اسلامی دنیا میں ایک عالم گیر تحریکِ ارتداد کا برپا کرنا ہے، جس کے اثرات پورے عالمِ اسلام میں واضح دیکھے جا سکتے ہیں۔ تعلیم، معیشت، ابلاغیات، معاشرت، قانون سازی، الغرض اسلامی دنیا کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں فساد و الحاد کے فروغ کے لیے امریکی اداروں نے شر انگیز منصوبہ بندی نہ کر رکھی ہو۔
- پوری دنیا کو سودی معیشت کے جال میں جکڑنا، سرمایہ دارانہ تہذیب کو فروغ دینا اور اسلامی معاشروں کو حرص و ہوَس کی منڈیوں میں تبدیل کرنا امریکہ کا ایک مستقل ہدف ہے۔ اس ہمہ جہتی ہدف کے حصول کے لیے امریکی ورلڈ آرڈر کے تحت سب سے مؤثر 'تنظیم' جو آئندہ کی 'عالمی' 'دجالی' حکومت کا پیش خیمہ ہے، اقوامِ متحدہ نام کا ادارہ ہے۔ وہ ادارہ جو آپ کے کھیتوں میں بوئے جانے والے گندم کے ہائبرڈ بیج سے لے کر، آپ کے بچوں کی ادویات، تعلیم اور روزگار تک کے سبھی امور کو اپنے پنجوں میں جکڑے ہوئے ہے۔
- دنیا کی تمام اسلام دشمن قوتوں کو اسلحہ بیچنا یا دیگر خدمات کے عوض اسلحہ فراہم کرنا امریکہ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔

- امریکہ ہی ہے جس نے دنیا کے اکثر قدرتی وسائل پر کہیں براہِ راست تو کہیں اپنی کٹھ پتلیوں کے ذریعے قبضہ کر رکھا ہے۔ خام تیل سے سمندروں کے پانیوں اور برفانی تودوں تک امریکہ براہِ راست یا اپنے حواریوں کے ذریعے قابض ہے۔
- امریکہ ہی ہے جو مسلم ممالک سے فوجی افسروں کو اپنے یہاں لے جاتا ہے، پھر ان کی تربیت کرتا ہے، 'قابل' افسروں کو نوازتا، کہیں فری میسن تنظیم کا حصہ بناتا، کہیں براہِ راست اپنے زیرِ نگیں رکھ کر ان کو دوبارہ عالمِ اسلام کی افواج میں بھیجتا ہے، ان کو آرمی چیف کے عہدوں تک اپنی مکروہ رشوت و شہوت کی monopoly کے ذریعے لاتا ہے۔
- ایسی ہی تربیت، امریکہ عالمِ اسلام کے سیاست دانوں، معیشت دانوں، قانون دانوں، دانش وروں اور صحافیوں کو بھی فراہم کرتا ہے۔ جہاد، نفاذِ شریعت، اقامتِ دین، اسلامی اخوت، خیرِ امت کے افکار ان کے ذہنوں سے کھرچ کر انہیں جدید ریاستوں، جمہوریت، عالمی قانون وغیرہ کی تعلیم دیتا ہے۔
- یہی عالمی امریکی نظام ہماری بیٹیوں کو جاہلی نظریۂ فیمن ازم پڑھا کر ملالہ اور باربی بنانے کے لیے صبح و شام جتا ہوا ہے۔ عورت کو گھر سے نکال کر نہیں، بلکہ عورت کو اس کے حقیقی دائرۂ کار سے نکال کر، اس کے محرم رشتہ داروں کی سرپرستی سے محروم کر کے اس کو زینتِ بازار اور شمعِ محفل بنا کر انسانی نظامِ حیات کو تباہ کرنے کی ہمہ وقت خدمت میں امریکہ ہی مصروف ہے۔ پھر حیرت کی بات یہ ہے کہ ساری دنیا کو اس فیمن ازم کا 'تحفہ' دینے کے بعد خود امریکہ میں آج اصل و قدیم 'نیو فیمن ازم' کی تحریک کو اٹھایا جا رہا ہے، جس میں عورت کو پھر سے زیادہ بچے جننے والی، گھر داری کرنے والی، ایک ملکہ کے ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرنے والی ہستی کے طور پر فروغ دینے کی کوششیں جاری ہیں۔
- امریکہ ہی ہے، جو ہمارے بچوں کا اس قدر خیر خواہ ہے کہ وہ ایک طرف ہزاروں بچوں کو آج غزہ میں اپنے بموں اور میزائلوں سے اسرائیل کے ہاتھوں ذبح کر رہا ہے، کل جس نے عراق پر پابندیاں لگا کر وہاں کے بچوں کو بخار و کھانسی تک کی ادویہ سے محروم کیا تھا جس کے نتیجے میں دس لاکھ سے زیادہ بچے اپنی جان کھو بیٹھے، افغانستان کے بچوں کو جس نے اپنے ڈیزی کٹر بموں سے معذور کیا تھا۔ وہی امریکہ جس کے ہیروشیما و ناگاساکی میں گرائے ایٹمی بموں کی تاثیر سے آج تک وہاں اپاہج بچے پیدا ہو رہے۔ جی ہاں یہی امریکہ ہمارے بچوں کا اس قدر خیر خواہ ہے کہ تعلیم سے لے کر ادویہ اور ان کے حقوق تک کی خاطر اس نے عالمی ادارے قائم کر رکھے ہیں۔ حسن، حسین کو پیٹر و جون بنانے کی خاطر!
- امریکہ کی سرپرستی میں قائم این جی اوز فحاشی و عریانی، بے حیائی کو فروغ دے رہی ہیں۔ زیادہ دور نہ جائیے، کسی ویلنٹائن ڈے پر نہیں بلکہ حال ہی میں افغانستان کے صوبہ کنڑ میں آنے والے تباہ کن زلزلے کے بعد ایسے ہی امدادی خیریہ ادارے، زلزلہ متاثرہ علاقوں میں تھوک کے حساب سے مانعِ حمل ادویات فراہم کرتے پائے گئے۔
- دنیا بھر میں فحش فلموں کی انڈسٹری کا سب سے بڑا بنانے والا دلال امریکہ ہے اور مشہور و بڑی کمپنیوں کے مالکان امریکی یہودی ہیں۔
- دنیا کا سب سے منظم نشہ آور چیزوں کا سپلائر بھی امریکہ ہی ہے۔ ہیروئن سے لے کر کوکین و آئس تک کے نشوں کو نوجوانوں میں عام کرنے اور فیشن کا انداز بتانے والا اور کوئی نہیں، امریکہ ہی ہے۔
- حرمین شریفین کو عسکری طور پر گھیرنے، حرمین کے گرد فاحشاؤں کو لا کر بٹھانے سے حرمِ اقصیٰ تک پر قبضے میں کون آنکھوں والا آج امریکی تسلط کا انکار کر سکتا ہے؟

- امریکہ ہی ہے جس نے پوری دنیا میں منظم انداز سے بعد از خدا بزرگ و برتر، صلی اللہ علیہ وسلم، کی ذاتِ اطہر و مطہر کے خلاف گستاخیوں کو فروغ ورواج دیا ہے۔ گستاخوں کو اپنے ملکوں میں پناہ دی ہے اور ان کی حفاظت کو اپنے اوّلین فرائض میں آزادیٔ اظہار رائے کے نام پر جانتا ہے۔
- گوانتاموجیسے پنجرے، امریکہ ہی نے علماء و داعیان اور مجاہدین سے بھرے ہیں۔ عافیہ صدیقی اسی امریکہ کی ظالمانہ قید میں ٹیکساس میں بند ہیں۔ باگرام سے ابو غریب تک کے قید خانے اسی امریکہ نے 'سجائے' تھے۔ اسی امریکہ کی شہ پر پاکستان میں ساہیوال تا اڈیالہ اور سعودی عرب میں سجن الحائر جیسے عقوبت خانے قائم ہیں۔

یہ ہے وہ امریکہ جس کی قوت سے پوری دنیا کے نظام ہائے باطل تقویت حاصل کرتے ہیں۔ یہ ہے وہ امریکہ جو اس کانٹے دار اور کڑوے پھل والے درخت کی جڑ اور اس درخت کا تنا ہے۔ شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کی تعبیر کے مطابق شجرِ خبیثہ کی جڑ و تنا۔ اس شجرِ خبیثہ کی شاخیں اور شاخچے وہ طاغوتی نظام ہیں جو کہیں تیونس و ترکی میں جمہوریت، پاکستان میں فوجی جمہوری ہائبرڈ نظام، مصر میں آمریت اور باقی عرب میں بادشاہتوں کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ اگر اس شجرِ خبیثہ کی جڑ پر وار کیا جائے تو یہ شاخچے کم محنت کے ساتھ جلد تلف کیے جا سکیں گے۔ ہاں ان شاخچوں کے کڑوے پھل اور کانٹوں سے انہی کے مقام پر لڑنا خود بھی کئی جگہوں پر دفاعی طور پر ضروری ہے۔

آج وقت کی اہم ترین ضرورت اس فرضِ عین جہاد کی پکار پر لبیک کہنا ہے جو اپنی تمام تر شرائط کے ساتھ غزہ میں جاری قتلِ عام کے سبب پوری دنیا کے مسلمانوں کی طرف متوجہ ہے۔ جہاد ایک اجتماعی فریضہ ہے اور اس کی ادائیگی اپنی اپنی جگہوں پر رہتے ہوئے انفرادی طور پر ممکن نہیں۔ پس میادینِ جہاد کا رخ کیا جائے، جو میادین میں براہِ راست نہ پہنچ سکے تو مجاہدین سے رابطے استوار کرے اور مجاہدین کے موجودہ لشکروں کا حصہ بن کر اس یہودی درخت، اس غرقد، اس شجرِ خبیثہ پر وار کرے جس کی جڑ امریکہ اور جس کی جان اسرائیل ہے، وہ اسرائیل جو امریکہ کے بنا ایک عضوِ معطل ہے۔ غزہ میں جاری حالیہ قتلِ عام کو رکوانے کا اصل، حقیقی، مؤثر...... اور سچ پوچھیے تو آخرت میں بھی گلو خلاصی کروانے والا واحد ذریعہ، الطریق الوحید، جہاد فی سبیل اللہ ہے! پہلے بھی کئی بار شائع کردہ، لیکن اپنے الفاظ و پیغام میں زندۂ جاوید، شہیدِ اسلام، سپاہ سالارِ مجاہدین قدس ابو خالد محمد الضیف رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ ہم یہاں پھر سے نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں:

> ”اے اردن و لبنان، مصر و الجزائر، مراکش اور پاکستان، انڈونیشیا و ملائیشیا اور کل عالمِ عرب اور عالمِ اسلام میں بسنے والے ہمارے لوگو!
>
> آج ہی نکلو اور فلسطین کی طرف چلنا شروع کر دو۔ کل نہیں! آج اور ابھی! آج ہی روانہ ہو جاؤ! ان سرحدوں، حکومتوں اور پابندیوں میں سے کوئی بھی تمہیں جہاد میں شرکت اور مسجدِ اقصیٰ کی بازیابی کا شرف حاصل کرنے سے محروم نہ کر سکے!
>
> اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝
>
> ”(جہاد کے لیے) نکل کھڑے ہو، چاہے تم ہلکے ہو یا بوجھل، اور اپنے مال و جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔“

آج ہی وہ دن ہے (کہ جب جہاد کے لیے نکل کھڑا ہوا جائے)۔ پس جس کسی کے پاس بندوق ہو تو وہ اسے لے کر نکلے، کہ یہی اس کا وقت ہے۔ اور جس کے پاس کوئی بندوق نہیں تو وہ اپنے خنجر اور چاقو، ہتھوڑے اور کلہاڑے لے کر نکلے، یا اپنے دیسی ساختہ بم، یا اپنے ٹرک اور بلڈوزر یا اپنی گاڑی...... کہ آج کا دن ہی وہ دن ہے (کہ جب جہاد کے لیے نکل کھڑا ہوا جائے)!

تاریخ نے اپنے سب سے روشن، ممتاز اور ذی عزت و شرف صفحات پھیلا دیے ہیں، تو کون ہے جو نور و سعادت کے ان صفحات میں اپنا، اپنے خاندان اور اپنے علاقے کا نام لکھوائے؟

اے ہماری ملّت کے بیٹو! اور اے پوری دنیا کے مردانِ حُر!......وہ حکومتیں جنھوں نے غاصب اسرائیل کے ساتھ اپنی حمایت و تعاون جاری رکھ کر اسرائیل کے جرائم کی پردہ پوشی کی اور خود بھی اس کے جرم میں شریک رہے، ان کا راستہ روکو!

آج کا دن عظیم انقلاب کا دن ہے۔ اس دنیا میں قائم آخری قابض اور نسلی تعصب پر مبنی آخری نظام کو ختم کرنے کے لیے اٹھنے کا دن آج ہی کا دن ہے!"

پس بڑی نادانی ہوگی کہ ہم اسرائیل و امریکہ میں ایک ایسی تفریق کریں جس تفریق کا نہ ٹرمپ قائل ہے اور نہ نیتن یاہو! پس ہم پر لازم ہے کہ ہم دامے، درمے، قدمے، سخنے اس جہاد کا حصہ بنیں جس کا دنیوی نتیجہ اہلِ اسلام کی فتح اور آخرت میں جنتیں ہیں، وہ جنتیں جہاں اللہ نے صرف مجاہدین کے لیے سو درجات تیار کر رکھے ہیں!

سب سے بڑا جو دشمن اُس سے سب سے پہلے جنگ
پوری ملتِ ایماں جس کے کرتوتوں سے تنگ
غزّہ تا کابل جب ایک ہے پانی خون کا رنگ
طاغوتِ اکبر سے لڑنے میں ہوں ہم آہنگ

سارے جھگڑے چھوڑ کے پہلے یہ نمٹائیں ہم
امریکہ کے ایوانوں میں آگ لگائیں ہم

اسرائیل کا آج تلک ہے کون بھلا رکھوالا
انگریزوں کی اس اولاد کو امریکہ نے پالا
ان کی صف میں جو ہے وہ دوزخ میں جانے والا
ملّت کے غداروں کا ہے، تن، من، دھن سب کالا

تفریقِ حق و باطل سب کو سمجھائیں ہم
امریکہ کے ایوانوں میں آگ لگائیں ہم

جاگیں خود اور کُل امت کو ساتھ ملائیں ہم
کچلیں ان کی توپیں، ان کے ٹینک اڑائیں ہم
گستاخوں کی لاشیں ان کے گھر پہنچائیں ہم
ہر مسلم خطے سے اُن کو مار بھگائیں ہم

عالَم میں اسلام کا پرچم پھر لہرائیں ہم
امریکہ کے ایوانوں میں آگ لگائیں ہم

اللهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شر ما قضيت إنك تقضي ولا يقضى عليك وإنه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت!

اللهم وفقنا لما تحب وترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وارضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

◆◆◆◆◆

مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ اہلِ دین و دانش کے نصائح، رائے اور مشورے کا محتاج ہے
اور چاہتا ہے کہ اہلِ دین و دانش کے
قیمتی نصائح، رائے اور مشورے ادارے تک پہنچیں۔

editor@nghmag.com

اصلاحِ معاشرہ

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (سورۃ الحجرات:۱۳)

”اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہارے خاندان اور برادریاں بنادیں تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بلاشبہ تم میں سے بڑا اعزت دار وہ ہے جو تم میں سب سے بڑا پرہیز گار ہو، بے شک اللہ خوب جانتا، خوب خبر رکھتا ہے۔“

وحدتِ آدمیت

اونچ نیچ کی بنیادیں

انسان میں آج جتنا بھید بھاؤ ہے، شاید ہی کبھی دنیا نے اپنے اوپر بسنے والوں میں اس کا مشاہدہ کیا ہو، کہیں رنگ و نسل کا فرق ہے، کہیں علاقائی زبان کی بنیادوں پر ایک دوسرے کا خون کیا جارہا ہے، مال دار غریبوں کا خون چوسنے میں مصروف ہیں، انسانی مساوات و ہمدردی کی چولیں ہل چکی ہیں، سگے رشتوں میں اجنبیت کی پرچھائیاں دکھائی دیتی ہیں، ایک افراتفری بلکہ نفسا نفسی کا عالم ہے، یہ نتیجہ ہے دنیا کے ان خودساختہ نظاموں کا جن کے تجربے سے آج یہ دنیا گزر رہی ہے۔

یورپین قوموں کا اگر جائزہ لیا جائے تو سفید چمڑی کے پیچھے کالے کرتوتوں کا ایک سلسلہ ہے، خاندانی بنیادوں پر ان کے یہاں جو تفریق ہے، پڑھے لکھے لوگوں میں شاید ہی اس کی مثال ملے، کالے گورے کا امتیاز ان کی گھٹی میں پڑا ہے، کالوں کا درجہ ان کے یہاں جانوروں سے زیادہ نہیں تھا، اور اب بھی اس کی بُو ان کے مزاج میں بسی ہوئی ہے، لسانی تعصب کا حال یہ ہے کہ فرانس کے باشندہ کو جرمن زبان سے بیر ہے، تو جرمن کا رہنے والا جاننے کے باوجود فرانسیسی زبان بولنے کا روادار نہیں، انگریزی زبان جس کو مشرقی ملکوں کے سر تھوپ دیا گیا ہے، آج بھی بہت سے مغربی ممالک اس کا استعمال باعثِ عار سمجھتے ہیں، قبائلی عصبیت کی بنیادیں ان کے یہاں بہت گہری ہیں، البتہ موجودہ مغربی نظام نے آزادی کے پردہ میں بے حیائی کو اس قدر فروغ دے دیا ہے کہ باپ بیٹے کے مقدس رشتے میں گہری دراڑیں پڑ گئی ہیں۔

ہمارا ملک ہندوستان تو چھوت اچھوت کا مرکز ہی ہے، یہاں انسان کو خاندانی بنیادوں پر جس طرح اونچ نیچ کا شکار بنایا گیا ہے، اس کی مثال دوسری جگہ ملنی مشکل ہے، یہ ہندوؤں کا مستقل ایک ”مذہبی فلسفہ“ ہے، جس کی انتہاء یہ ہے کہ اگر شودر کے کان میں ان کی مقدس کتاب کے اشلوک پڑ جائیں تو اس کے کانوں میں سیسہ پلا دینے کا مذہبی حکم ہے، خاندانی بنیادوں پر مذہبی مقامات کی تقسیم ہے، نچلی ذات کا آدمی اعلیٰ ذات کے مذہبی مقام پر نہیں جاسکتا، نہ ان کے ساتھ مذہبی رسوم میں شریک ہو سکتا ہے، ان کا تصور یہ ہے کہ اس ذات کے آدمی کو اعلیٰ ذات والوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اعلیٰ ذات والوں سے برابری کا وہ خیال بھی نہیں لا سکتا۔

لسانی عصبیت کا عالم یہ ہے کہ ہندی جو سرکاری زبان ہے، جنوبی ہندوستان کی ریاستوں میں اس کا ملنا مشکل ہے، وہاں کے رہنے والوں سے اگر ہندی میں کوئی ضرورت مند سوال بھی کرے تو واقفیت کے باوجود وہ انجان بن جائیں گے، اور اب تو صوبائی عصبیت کو بھی فروغ دیا جارہا ہے۔

دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی کچھ اس انداز کی عصبیتیں نظر آئیں گی، رنگ و نسل، زبان، قومیت و وطنیت، خدا جانے کتنے بت ہیں جو دنیا کے انسانوں نے اپنے دلوں پر بٹھا رکھے ہیں، کچھ یہی صورت حال آج سے چودہ سو سال پہلے جزیرۃ العرب کی بھی تھی، انسانوں کی تقسیم قبائلی بنیادوں پر تھی، اسی کو تقابل و تفاخر کا معیار سمجھا جاتا تھا، زمانۂ جاہلیت کی عربی شاعری اس سے بھری پڑی ہے، ”أنصر أخاك ظالما أو مظلوما“[۱] زمانۂ جاہلیت کا نعرہ تھا کہ اپنے بھائی کی مدد کرنی ہے، وہ حق پر ہو یا حق پر نہ ہو، ظلم کوئی کرتا تھا، پکڑا کوئی جاتا تھا، اسلامی مساوات نے آکر یہ سارے امتیازات مٹادیے اور صاف صاف اعلان کردیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ

”اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو برادریوں اور قبیلوں میں اس لیے بانٹا تاکہ تم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرو۔“

یہ سورۂ حجرات کی تیرہویں آیت ہے، جس میں انسان کی اصل بیان کی گئی ہے، اور یہ بات صاف کردی گئی ہے کہ سب کے سب انسان ایک باپ اور ایک ماں کی اولاد ہیں، گویا کہ یہ ایک ایسی انسانی برادری ہے جس سے انسانی اخوت کا رشتہ قائم ہے، ایک بھائی کو دوسرے

[۱] صحیح بخاری، باب أعن أخاك ظالما أو مظلوما، صحیح مسلم، باب نصر الاخ ظالما

بھائی پر کسی قسم کا خاندانی امتیاز حاصل نہیں ہوتا، جو کچھ بھی امتیاز ہوتا ہے وہ فضل وکمال کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اسی آیت میں خاندانوں اور قبیلوں کی تقسیم کے بارے میں بھی صاف صاف کہہ دیا گیا کہ اس کی مصلحت صرف یہ ہے کہ اتنی بڑی انسانی آبادی میں ایک دوسرے کو پہچاننا اور معاملہ کرنا آسان ہو، خاندانی بنیادوں پر کسی کو کوئی تفوق وامتیاز حاصل نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے جو لشکر تیار فرمایا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر بنایا، جبکہ حضرت عمرؓ جیسے حضرات اس لشکر میں موجود تھے[٢]، تاکہ اسلامی مزاج کی مکمل شرح وترجمانی ہو جائے۔ اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر قریشی بچوں کے بجائے ان بچوں کو بٹھایا جو خاندانی اعتبار سے وہ حیثیت نہیں رکھتے تھے[٣]، اس کی مصلحت یہی تھی، تاکہ عربوں کے ذہن سے نسلی تفاخر کا بیج نکل جائے، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خطاب کرکے فرمایا تھا:

إن الله قد أذهب عنكم عبية الجاهلية و فخرها بالآباء،
مؤمن تقى وفاجر شقى، أنتم بنو آدم وآدم من تراب۔[٤]

"اللہ تعالیٰ نے جاہلی نخوت اور باپ دادا پر فخر وغرور کو تم سے دور کر دیا، اب یا تو پرہیز گار مومن ہے یا بدبخت فاسق وفاجر، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

اولاد آدم کو بار بار یہ بتانے کی ضرورت اس لیے پڑ رہی ہے کہ اس نے اسی حقیقت کو فراموش کر دیا کہ وہ سب ایک باپ کی اولاد ہیں، ان سب کی اصل ایک ہی ہے، وہ اس بنیاد پر کس طرح اظہار فخر کر سکتے ہیں، جبکہ آدم کو مٹی سے بنایا گیا، بلال حبشیؓ، زید بن حارثہؓ، صہیب رومیؓ، سلمان فارسیؓ، سب اسی وحدت انسانی کی یادگار ہیں، جو انسانیت کے لیے اسلام کا بہت بڑا عطیہ ہے، اسلام نے ان غلاموں اور دور افتادہ کم حیثیت لوگوں کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کس طرح آغوش محبت میں لیا کہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے لیے یہ حضرات باعث فخر بن گئے، حضرت عمر فاروقؓ ایک حبشی غلام کو سیدنا بلال کہہ کر کیوں خطاب کر رہے ہیں، یہ صرف اسلام کا تحفہ ہے، اس نے عزت کے پیمانے بدل دیے، جو کمزور سمجھے جاتے تھے وہ سردار قرار پائے، جو عزت و ناموری میں ممتاز تھے، ان میں کتنوں کے نام ونشان مٹ گئے۔

جاہلیت نئے قالب میں

اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں میں آج دوبارہ وہ جاہلیت لوٹ کر آ رہی ہے، جو اہل دین سمجھے جاتے ہیں ان کے یہاں یہ بات پیدا ہو رہی ہے، مسجدوں اور مدرسوں کے نام برادریوں کے نام پر رکھے جانے لگے ہیں، یقیناً یہ اسی نخوت جاہلیت کا ایک بیج ہے، جو دماغوں میں پڑ گیا ہے، اس کو کھرچ کر پھینک دینے کی ضرورت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

من تعزى بعزاء الجاهيلة فأعضوه بهن أبيه و لا تكنوا[٥]

"جو جاہلیت کا نعرہ لگائے، اس کو اس کے باپ کی کھلی گالی دو اور اشارہ کنایہ سے کام نہ لو۔"

یہ الفاظ اس زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں جو سراپا رحمت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال جاہلیت کو مٹانے کے لیے تشریف لائے تھے، جاہلی نخوت کو کیسے برداشت فرماتے، ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

ليس منا من دعا إلى عصبية۔[٦]

"جو عصبیت کی دعوت دے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔"

نشان امتیاز

اسلام نے تفاخر وتفاضل کے سارے حدود ختم کر دیئے، صرف ایک حد باقی رکھی جو وجہ امتیاز ہے، اور نشان فخر ہے، اور وہ ہے تقویٰ اور پرہیز گاری کی حد۔

آیت شریفہ میں ایک بات اور خاص طور پر توجہ کرنے کی ہے، سورۂ شریفہ کی ابتداء سے بار بار اہل ایمان کو خطاب ہو رہا تھا، لیکن یہاں عمومی خطاب ہے، تمام انسانوں کے لیے، اس میں عالمی انسانی برادری کی طرف اشارہ ہے، تمام انسان خواہ کسی مذہب کے ماننے والے ہوں، کالے ہوں، گورے ہوں، امیر ہوں، غریب ہوں، محلات کے رہنے والے ہوں یا کاخ فقیری ان کا نشان امتیاز ہو، سب ایک باپ کی اولاد ہیں، اس حیثیت سے کسی کو کسی پر کوئی امتیاز حاصل نہیں، ارشاد نبویؐ ہے:

فليس لعربي على عجمي فضل ولا لعجمي على عربي فضل ولا لأسود على أبيض ولا لأبيض على أسود فضل إلا بالتقوى۔[٧]

"کسی عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر، کالے کو گورے پر کوئی امتیاز وفضیلت نہیں، سوائے تقویٰ کے امتیاز کے۔"

---

[٢] صحيح بخارى، كتاب المغازى، باب بعث النبى صلى الله عليه وسلم أسامة

[٣] صحيح بخارى، باب دخول النبى صلى الله عليه وسلم من أعلى مكة

[٤] ابوداؤد، كتاب الادب، باب فى التفاخر بالاحساب، ترمذى

[٥] شرح السنة، كتاب الاستئذان، باب التعزى بعزاء الجاہلية، مسند احمد

[٦] ابوداؤد، كتاب الادب، باب فى العصبية

[٧] معجم كبير للطبرانى، باب العين/١٦، بیہقی، شعب الايمان، فصل ومما يجب حفظ اللسان، شعب الایمان میں ابیض کی جگہ احمر کا لفظ مذکور ہے۔

اس میں خاص طور پر دعوت عمل ہے کہ کوئی محض خاندانی امتیاز کی بناء پر مطمئن ہو کر بیٹھ نہ رہے، اصل وجہ امتیاز خصائص و کمالات اور صفات ہیں، جن کے لیے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے، یہی خصائص و کمالات انسان کو دوسروں پر ممتاز کرتے ہیں۔

قبیلوں کی تقسیم کا مقصد

خاندانوں اور قبیلوں میں انسانوں کی تقسیم کا مقصد ایک دوسرے سے تعارف ہے، ایک خاندان آپس میں متعارف ہوتا ہے پھر اس کے دوسرے خاندانوں سے رشتے قائم ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے ضروریات وابستہ ہوتی ہیں، اور خاندانوں میں یہ چیز مزید ربط و ارتباط کا ذریعہ بنتی ہے، لیکن لوگوں نے بجائے اس کے کہ اس کو تعارف و محبت کا ذریعہ بناتے، تفرقہ، انتشار اور بھید بھاؤ کا ذریعہ سمجھ لیا تھا، آیت میں مختلف خاندانوں کے وجود میں آنے کا جو مقصد بیان کیا گیا ہے اس کو پلٹ دیا گیا تھا، اور اس خاندانی تعصب کی بنا پر حسد، غیبت، بدگمانی، بہتان طرازی، چغلی اور خدا جانے کتنے امراض اندر پیدا ہو گئے تھے، مذکورہ آیت سے پہلے والی آیت میں ان ہی باطنی امراض کے دور کرنے کا تذکرہ تھا، اب اس آیت میں خاص طور پر اس جاہلی تعصب پر بندش لگائی جا رہی ہے، جس کے نتیجہ میں خاص طور پر مذکورہ بالا امراض پیدا ہو رہے تھے۔

طبعی شرافت

گزشتہ آیات میں اہل ایمان کو یہ حکم تھا کہ وہ بھائی بھائی بن کر رہیں، اور جو چیز بھی اس شفاف رشتہ کو گندہ کر سکتی ہو، اس سے پوری طرح گریز کریں، اب یہاں یہ بات یاد دلائی جا رہی ہے کہ سب سے پہلا مرحلہ اخوت انسانی کے رشتہ کا ہے، جس کو ایمانی اخوت کا رشتہ مستحکم کرتا ہے، عقیدہ و ایمان کی وحدت سے اس میں زبردست قوت پیدا ہو جاتی ہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ تمام انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں، کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں، جو کچھ امتیاز ہے وہ ایمان کا اور ایمانی صفات و کمالات کا ہے، اب اگر کسی کے اندر خاندانی طور پر قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ ہے تو ذاتی طور پر وہ شرافت نفس رکھتا ہے، وہ خیر کو قبول کرنے میں ایک جاذبیت محسوس کرتا ہے، تو یہ حقیقت میں ماحول کا اثر ہے، جن خاندانوں میں تعلیم و تربیت کا اہتمام رہتا ہے، ان کے بچوں میں ابتداء ہی سے اس کا رنگ نظر آنے لگتا ہے، اور کبھی شخصی اور ذاتی طور پر بعض لوگوں میں طبعی شرافت ہوتی ہے، اسی کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے:

الناس معادن كمعادن الفضة والذهب، خيارهم فى الجاهلية خيارهم فى الإسلام إذا فقهوا۔[8]

”لوگ کانوں کی طرح ہیں، جیسے سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، جو جاہلیت میں بہتر ہیں وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں، اگر وہ دین کی سمجھ پیدا کر لیں۔“

کبھی کبھی خاص ماحول کی نتیجہ میں خاندانوں میں یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے، عام طور پر یہ چیز تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتی ہے، اور گہری ہوتی جاتی ہے، طبعی طور پر ان لوگوں کے لیے خیر کی صفات کا حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے، اور کم محنت سے بعض مرتبہ ان کو بہت کچھ حاصل ہو جاتا ہے، لیکن وجہ امتیاز صفات ہی ہیں، جو ان صفات ایمانیہ کو جتنا اپنے اندر پیدا کرے گا اتنا ہی وہ حقیقی عزت کا مالک ہو گا، اسی لیے صاف صاف یہ اصول بتا دیا گیا:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

”اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔“

أتقیٰ، تقویٰ سے اسم تفضیل بنایا گیا ہے، یعنی سب سے زیادہ تقویٰ والے، یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے، وہ کیسے اور کب حاصل ہوتا ہے؟ عام طور پر لوگ اس کو متقی سمجھتے ہیں جس کی ظاہری وضع قطع متقیوں کی سی ہو، لیکن یہ تنہا کافی نہیں، اس میں ظاہر و باطن دونوں کی شفافیت مطلوب ہے، وہ کب حاصل ہو گی، اور اس کے لیے کیا شرائط و اصول ہیں، اس کی وضاحت کے لیے آیات قرآنیہ کا سہارا لینا ضروری ہے۔

تقویٰ درحقیقت دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو انسان کے اندر خشیت الٰہی پیدا کرے، اور اس کو خیر پر قائم رکھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے ایک بار تین مرتبہ سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

التقویٰ ھٰھنا[9]

”تقویٰ کی جگہ یہ ہے۔“

صدق تقویٰ کا زینہ

قرآن مجید میں صفتِ صدق کو تقویٰ کی سیڑھی کہا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ○ (سورۃ الزمر: ۳۳)

”جو سچائی کے ساتھ آیا اور اس کو سچ مانا، وہی لوگ تقویٰ والے ہیں۔“

یہ صدق صرف زبان کی سچائی نہیں ہے، بلکہ اندر باہر کا توافق ہے، حقیقت شناسی اور حق رسی ہے جس کی روشنی انسان کے ظاہر و باطن کو یکساں روشن کر دیتی ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۱۹ پر)

[8] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب الارواح جنود مجندة، مسند احمد

[9] مسند احمد، مسند انس بن مالک

یوم حشر کے چند ضوابط

یوم حشر کے چند اصول یا ضابطے ہیں:

۱. عدل
۲. انفرادی احتساب
۳. اعمال کی پیشی
۴. نیکیوں کی افزائش
۵. گواہیوں کا پیش کیا جانا

ان میں سے سب سے پہلا اصول عدل ہے۔

۱. العدل

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ایک پیارا نام العدل بھی ہے اور یوم حشر عدل ہی کا دن ہے۔ اس روز اللہ رب العزت کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں فرمائیں گے اور نہ ہی کسی کا حق ماریں گے بلکہ ہر ایک کو وہ سب کچھ عطا کریں گے جو اس کا حق ہو گا اور جس کا وہ سزاوار ہو گا۔ پس یوم حشر، عدالت کا دن ہو گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۸۱)

”اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم (سب) اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو اس کا معاوضہ پورا پورا ملے گا، اور ان پر ظلم (ذرا بھی) نہ ہو گا۔“

اللہ رب العزت ہر ایک کو اس کی کمائی کے بقدر عطا فرمائیں گے، کسی کے ساتھ ناانصافی نہ فرمائیں گے۔ عدل کا یہ معیار بہت نزاکت کا حامل ہے۔ اللہ رب العزت ہر کسی کو اس کا حق عطا فرمائیں گے خواہ وہ ایک ذرے کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ (سورۃ النساء: ۴۰)

”اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔“

لقمان حکیم اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝﴾ (سورۃ لقمان: ۱۶)

”بیٹا! اگر کوئی (عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہو، پھر وہ کسی پتھر میں ہو یا آسمانوں یا زمین میں بھی ہو تو اس کو بھی اللہ لا حاضر کرے گا (قیامت کے دن)‘ بے شک اللہ باریک بین، خبر دار ہے۔“

اگر ایک دانے یا ایک ذرے کے بقدر بھی کسی کا کوئی حق کسی پتھر کے اندر بھی چھپا ہو گا تو قیامت کے دن اللہ پاک اسے اس کا حق عطا فرمائیں گے، کچھ بھی ضائع نہیں ہو گا۔ ہر وہ چیز جس پر کسی کا حق ہو گا وہ اسے مل کر رہے گی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝﴾ (سورۃ الزلزال: ۷)

”پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا۔“

اللہ دیکھ رہا ہے!

ہمیں ہر وقت اس بات کا استحضار رکھنا چاہیے۔ حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو پہلی نصیحت کیا کی تھی؟ ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ﴾، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ یہ وہ پہلی نصیحت تھی جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی۔ اور دوسری نصیحت یہ کی کہ ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ﴾، والدین کے ساتھ حسن سلوک اور اس کے معاً بعد، نماز سے متعلق بات کرنے سے بھی پہلے لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو وہ نصیحت کی جو ہم نے ابھی پڑھی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر وہ چیز جس کے تم حق دار ہو، تمہیں عطا فرما کر رہیں گے۔ کیونکہ وہ اپنے بیٹے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا مراقبہ بیدار کرنا چاہتے تھے لہٰذا انہوں نے یہ حقیقت کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر وقت تمہیں دیکھ رہے ہیں اپنے بیٹے کو ذہن نشین کروائی۔ اس حقیقت کو اپنے اور اپنی اولاد کے دلوں میں بچپن سے راسخ کرنے کی کوشش کرنا بہت اہم ہے کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے، اور تم جہاں بھی جاؤ گے اللہ رب العزت کی نگاہ میں ہو گے۔ بحیثیت والدین بعض اوقات ہم اپنے بچوں کو سیدھے راستے پر گامزن رکھنے کے لیے ان کی نگرانی میں حد سے گزر جاتے ہیں، پل پل کی خبر رکھنا کہ وہ کیا کر رہے ہیں، کہاں جا رہے ہیں، کس سے مل رہے ہیں، ان کی دوستیاں کن لوگوں سے ہیں، مگر یہ نگرانی بس اسی حد تک ہی رہ سکتی ہے کیونکہ آپ ان کی نگرانی کی جس قدر بھی کوشش کر لیں، بہر حال بہت سی باتیں ایسی رہ جائیں گی جو آپ کبھی جان نہیں پائیں گے۔ بحیثیت انسان ہمارے دیکھنے، سننے اور ہمارے علم کی ایک حد ہے۔ ان کی نگرانی کی بہترین صورت یہ ہے کہ انہیں یہ یقین ہو کہ اللہ رب العزت انہیں

دیکھ رہے ہیں وہ جہاں کہیں بھی ہیں۔ اگر آپ کے بچے کو یہ یقین ہو گا تو آپ کی غیر موجودگی میں بھی وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈرے گا۔ والدین کا خوف بچے کی حفاظت کی ضمانت نہیں دے سکتا کیونکہ وہ ہمارا لحاظ ہمارے سامنے کریں گے، لیکن جب وہ ہم سے دور، گھر سے باہر ہوں گے تو وہ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل کے مصداق کیونکر ہم سے ڈریں گے اور ہمارا لحاظ رکھیں گے؟ لیکن اگر ہم ان کے دلوں میں یہ ادراک پیدا کر سکیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے، ہم نہیں، اور تم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوگے، ہمارے سامنے نہیں، تو یہ احساس ہمارے خوف سے کہیں زیادہ قوی ہے کیونکہ پھر وہ جانتے ہوں گے کہ اللہ انہیں ہر جگہ دیکھ رہا ہے اور ان کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔

احسان

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو ایک اور نصیحت بھی کی جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود نہیں ہے مگر یہ روایات میں موجود ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے میرے بیٹے! اگر تم گناہ کرنا چاہتے ہو تو کرو، (انہوں نے اپنے بیٹے کو گناہ کی مشروط اجازت دے دی)، مگر ایسی جگہ گناہ کرو جہاں اللہ تمہیں نہ دیکھ رہا ہو۔ چنانچہ مراقبۃ اللہ عزوجل، یعنی یہ استحضار کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے بہت ہی کارگر ہتھیار ہے ہر مسلمان کے لیے اور اسی کو احسان کہا گیا ہے، یعنی تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، گر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے، یہ احسان ہے۔

۲. انفرادی احتساب

یوم حساب کا اگلا اصول انفرادی جوابدہی یا فرداً فرداً حساب دینے کا ہے۔ انسان کے اوپر صرف اس کے اپنے عمل کی ذمہ داری ہے، کسی اور کے عمل کا ذمہ دار وہ نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ آپ صرف اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہوں گے اور انہی کے بارے میں اللہ رب العزت قیامت کے دن سوال فرمائیں گے۔

اس کے برعکس عیسائیت میں جوابدہی کا جو عقیدہ ہے اس میں وہ کہتے ہیں کہ ایک ابتدائی گناہ ہے جس کا ارتکاب کسی اور نے کیا، اور وہ اس کا مرتکب حضرت آدم علیہ السلام کو ٹھہراتے ہیں، اور عیسائیت کے مطابق ہم آدم علیہ السلام کے اس عمل کے لیے جوابدہ ہیں جو کروڑوں سال پہلے ان سے سرزد ہوا تھا۔ یعنی ایک ایسے عمل کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے جو سرے سے ہم نے کیا ہی نہیں بلکہ آدم علیہ السلام نے کیا تھا۔ اور پھر اس گناہ کا تاوان کس نے ادا کیا؟ وہ گناہ جس کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے، اس کا تاوان ہم نہیں بھریں گے بلکہ اس کا تاوان ان کے عقیدے کے مطابق (نعوذ باللہ) اللہ کے بیٹے، جو معصوم ہیں، نے بھرا۔ جن پر گناہ کی ذمہ داری ڈالی جارہی ہے انہوں نے سرے سے وہ گناہ کیا ہی نہیں اور اس گناہ کی سزا اس نے بھگتی جو معصوم ہے۔ اس معاملے کو کسی بھی عدالت میں لے جائیں اور پھر دیکھیں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ ایک ایسے عمل کا ذمہ دار ٹھہرایا جانا کہ جو کسی نے کیا ہی نہ ہو اور ایسے شخص کو اس کی سزا ملنا جو معصوم ہو، ناقابل فہم ہے۔ اسلام کی رو سے ایک انسان صرف اسی عمل کا جواب دہ ہے جو اس نے کیا ہو۔ اللہ کے معصوم بیٹے (نعوذ باللہ) کا انسانوں کے کیے اعمال کا تاوان بھرنا اللہ کی صفت عدل کے بالکل خلاف ہے۔ اللہ رب العزت العدل ہے، وہ کسی بھی ایسے شخص کو ایسے عمل کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتا جو اس نے کیا ہی نہ ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝﴾ (سورۃ بنی اسرائیل: ۱۵)

”جس کسی نے ہدایت کی راہ اختیار کی تو اس نے اپنے ہی (بھلے کے) لیے ہدایت کی راہ اختیار کی اور جو کوئی گمراہ ہوا تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ اٹھانے والی نہیں بنے گی اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ کسی رسول کو نہ بھیج دیں۔“

کوئی اسلام قبول کر کے اسلام پر احسان نہیں کرتا بلکہ جو کوئی بھی ہدایت کی پیروی کرتا ہے تو وہ اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے۔ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے والے مسجد پر تو کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے آپ کو ہی نفع پہنچاتے ہیں۔ کوئی بھی اللہ رب العزت کی فرمانبرداری کر کے اللہ رب العزت پر احسان نہیں کرتا، بلکہ وہ خود ہی اس کے ثمرات سمیٹتا ہے۔ جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے وہ اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے اور اسی طرح جو گمراہ ہوتا ہے وہ خود ہی اس گمراہی کا نقصان اٹھاتا ہے۔ ہر ایک اپنا بوجھ خود ہی اٹھائے گا، نہ اس کا بوجھ کوئی اور اٹھائے گا اور نہ ہی وہ کسی اور کا بوجھ اٹھائے گا۔ اور یہ تعلیمات صرف نبیٔ خاتم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نہیں ہیں بلکہ ان سے پہلے جتنے بھی نبی آئے، بشمول عیسی علیہ السلام، سب کے سب نے اسی اصول کی تعلیم دی اور یہی تعلیم موسیٰ، ابراہیم، نوح اور آدم علیہم السلام نے بھی دی۔ انسان اپنی خطاؤں کی سزا بھگتے گا اور اپنے ہی اچھے اعمال کی جزا پائے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ۝ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَاۗءَ الْاَوْفٰى ۝ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۝﴾ (سورۃ النجم: ۳۶ تا ۴۲)

”کیا اسے خبر نہیں پہنچی اس بارے میں جو کچھ موسیٰؑ کے صحیفوں میں تھا؟ اور ابراہیمؑ، جس نے وفا کی انتہا کر دی، (کے صحیفوں میں تھا) کہ نہیں اٹھائے گی کوئی جان کسی دوسری جان کے بوجھ کو۔ اور یہ کہ انسان کے لیے نہیں ہے مگر وہی کچھ جس کی اس نے سعی کی ہوگی۔ اور یہ کہ

اس کی سعی عن قریب اسے دکھادی جائے گی۔ پھر اس کو بدلہ دیا جائے گا پورا پورا بدلہ۔ اور یہ کہ بالآخر پہنچنا تمہارے رب ہی کی طرف ہے۔"

یہ ہے انفرادی احتساب، فرد فرد کا علیحدہ محاسبہ۔ انسان کے اوپر کسی دوسرے کے عمل کی ذمہ داری نہیں اور اسے وہی ملے گا جس کی اس نے کوشش و سعی کی اور اسے اس کی مکمل جزا عطا کی جائے گی۔

اختلاف

لیکن جب ہم قرآن کی بعض دیگر آیات پڑھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا مذکورہ آیات اور دیگر آیات میں اختلاف ہے۔ مثلاً اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ...﴾ (سورۃ العنکبوت: ۱۳)

"البتہ وہ لازماً اٹھائیں گے اپنے بوجھ بھی اور ان کے ساتھ کچھ دوسرے بوجھ بھی..."۔

اس آیت میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اس کے علاوہ اضافی بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ قیامت کے دن انفرادی محاسبہ ہوگا جبکہ اس آیت میں مذکور ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے؟ ہمیں عین اسی آیت میں اپنے سوال کے جواب کی جانب اشارہ بھی ملتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝﴾ (سورۃ العنکبوت: ۱۳)

"اور ان سے لازماً باز پرس ہوگی قیامت کے دن اس کے بارے میں جو جھوٹ یہ گھڑ رہے ہیں۔"

انہوں نے جھوٹ گھڑے اور لوگوں نے ان کے گھڑے ہوئے جھوٹ کی پیروی کی۔ لہٰذا جس جس نے ان کے کذب کی پیروی کی ان سب کے عمل کا بوجھ اس افترا پرداز کو اٹھانا پڑے گا۔ پس یہ درست ہے کہ انسان صرف اپنے گناہوں کے لیے جوابدہ ہے مگر یہ بھی درست ہے کہ انسان ان گناہو ں کے لیے بھی جوابدہ ہے جن کی وجہ وہ خود بنا ہے۔ اگر انسان کسی اور کے گناہ کی وجہ بنا ہے تو پھر اس کو اس کی ذمہ داری بھی اٹھانی پڑے گی۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ گناہ کرنے والوں پر اپنے گناہ کا بوجھ باقی نہیں رہے گا، بلکہ وہ بھی اپنے گناہوں کا وبال بھگتیں گے۔ پس گناہ کرنے والا بھی اپنے گناہ کا بوجھ اٹھائے گا اور اس گناہ کی وجہ بننے والا بھی اس گناہ کا بوجھ اٹھائے گا۔ مثلاً اگر آپ نے پانچ برائیاں ایجاد کی ہیں تو جو لوگ ان برائیوں میں مبتلا ہوں گے وہ بھی ان پانچ برائیوں کی سزا بھگتیں گے اور آپ بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئٌ" (صحيح مسلم)

"جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا تو اس کے لیے اس کا (اپنا بھی) اجر ہے اور ان کے جیسا اجر بھی جنہوں نے اس کے بعد اس (طریقے) پر عمل کیا، اس کے بغیر کہ ان کے اجر میں کوئی کمی ہو، اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقے کی ابتدا کی، اس کا بوجھ اسی پر ہے اور ان کا بوجھ بھی جنہوں نے اس کے بعد اس پر عمل کیا، اس کے بغیر کہ ان کے بوجھ میں کوئی کمی ہو۔"

اسی وجہ سے علما نے فرمایا کہ انسان کا علانیہ گناہ کرنا، پوشیدہ گناہ کرنے سے کہیں زیادہ برا ہے۔ اگر انسان کوئی گناہ کرے یا کوئی بدعت ایجاد کرے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دے تو یہ کہیں زیادہ برا اور شدید ہے اس سے کہ وہ تنہائی میں گناہ کرے یا کسی بدعت میں مبتلا ہو اور کسی کو اس کی خبر نہ ہونے دے۔

حدیث میں آتا ہے جو کہ ایک آیت کی تفسیر بھی ہے کہ قیامت تک جو قتل بھی زمین پر ہوگا اس کا گناہ پہلا قتل کرنے والے ابن آدم کو بھی ہوگا۔ معروف واقعہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں قابیل اور ہابیل کے مابین تنازع ہوا اور اس کے نتیجے میں قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ چونکہ قابیل قتل کے عمل کا موجد ہے لہٰذا قیامت کے دن تک زمین پر جو بھی قتل ہوگا اس کے گناہ میں قابیل بھی حصہ دار ہوگا۔

۳. اعمال کی پیشی

یہ تیسرا اصول ہے۔ انسان کے تمام کے تمام اعمال اس کے سامنے پیش کر دیے جائیں گے۔ جو جو کچھ انسان نے کیا ہوگا وہ اسے اپنے اعمال نامے میں پالے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝﴾ (سورۃ المائدۃ: ۱۰۵)

"اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، اس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے ہو۔"

ہماری آخری منزل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہاں ہمارے اعمال ایک کتاب کی شکل میں ہمارے سامنے پیش کر دیے جائیں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۹ پر)

گیارہویں قسط

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سائے میں

معاصرِ جہاد کے لیے سیرتِ رسول ﷺ سے مستفاد فوائد و حِکَم!

شیخ منصور شامی رحمۃ اللہ علیہ / استفادہ: مفتی محمد متین مغل

غزوہ حمراء الاسد (۲)

بیٹا جلیل القدر باپ کے نقشِ قدم پر

اس غزوے کا مطالعہ کرنے والے کو اپنی طرف متوجہ کرنے والے حسین و دلکش مناظر میں سے ایک منظر حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کا طرزِ عمل ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کروا کر لوگوں کو دشمن کا پیچھا کر کے اس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: ''ہمارے ساتھ صرف وہی نکلے جو جنگ میں شرکت کر چکا ہو''، تو اس موقع پر حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے شرکت کی اجازت چاہی اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تو یہی پسند تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ ہر جنگ میں حاضری دوں، لیکن میرے والد نے اپنے پیچھے مجھے اپنی بہنوں کی ذمے داری سونپی تھی [اس لیے میں غزوۂ احد میں شریک نہ ہو سکا] سو اب آپ مجھے دشمن کے تعاقب میں نکلنے کی اجازت مرحمت فرمائیں، رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اجازت دے دی۔

[انہیں جہاد میں 'جانے' کا بہانہ چاہیے ہوتا تھا]

عام لوگوں کی ذہنیت سے دیکھا جائے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا گھر پر رہنا اب زیادہ ضروری تھا، کیونکہ والد صاحب شہید ہو چکے ہیں [پہلے تو صرف عارضی طور پر غیر حاضر تھے]، گھر میں سے ایک کی قربانی کافی ہے، جس وجہ سے پہلے گھر سے نہ نکل سکے، وہ نہ صرف قائم تھی، بلکہ بڑھ چکی تھی، مزید برآں جب رسول اللہ ﷺ خود فرما چکے کہ صرف وہی نکلے جو غزوۂ احد میں شریک ہو چکا ہو، یہ سب باتیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حق میں جہاد کے لیے نہ نکلنے کا قوی عذر بن سکتی تھیں، لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کا شوق ان سب [معقول و شرعی] اعذار پر غالب آ کر رہا۔ یوں بیٹا اپنے جلیل القدر باپ کے نقشِ قدم پر گامزن ہوا۔

[اجازت مرحمت ہونے کی حکمتیں]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی گئی اس کی ایک حکمت تو یہ ممکن ہے کہ ان کا عذر حقیقی تھا، اور چونکہ بیٹا باپ کے جسم کا ایک حصہ شمار ہوتا ہے اس لیے ان کا اس راہ میں نکلنا اپنے والد کی نیابت میں تھا کہ اگر ان کے والد شہید نہ ہوئے ہوتے تو وہ خود نکلتے، [سو ان کی شہادت کے بعد ان کی جگہ ان کا بیٹا نکلا]۔

ایک حکمت یہ بھی ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چاہا ہو کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ہر اس مسلمان بیٹے کے لیے مشعلِ راہ بنائیں جس کے والد نے دین کی خاطر جان دی ہو کہ وہ بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طرح اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلے، سچ تو یہ ہے کہ نیکی و قربانی کی ہر صورت کے لیے سیرتِ رسول ﷺ میں ایک مثال و نمونہ موجود ہے۔ اور یہ سب مثالیں اسلام کی حقیقت اور ایمان کے رسوخ پر شاہدِ عدل ہیں اور اس دینِ حق کی عظمت اور اس کے سچے پیروکاروں کے بلند مرتبے کی عکاس ہیں۔

کہنے کو مسلماں ہم بھی ہیں!

جب رسول اللہ ﷺ حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے تو معبد بن ابو معبد خزاعی [جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے] کا وہاں سے گزر ہوا، قبیلہ خزاعہ کے کیا مسلمان اور کیا مشرک، سبھی تہامہ میں رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ اور راز کے امین تھے، ان کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ تھا کہ وہاں ہونے والے کسی کام کو آپ ﷺ سے نہیں چھپائیں گے، معبد اس وقت مشرک تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد (ﷺ)! آپ کے ساتھیوں کی بابت آپ جس آزمائش کا شکار بنے بخدا! اس سے ہمیں رنج ہوا اور ہم چاہتے ہیں کہ ان کی بابت اللہ آپ کو عافیت سے نوازے۔ معبد نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کفار کے تعاقب میں حمراء الاسد تک پہنچ چکے ہیں، تو جب روحاء نامی مقام پر ابوسفیان [جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے اور لشکرِ کفار کے سردار تھے] اور کفارِ قریش سے اس کا سامنا ہوا تو انہیں بتایا کہ مسلمان ان کے تعاقب میں آ رہے ہیں، اس خبر سے کفار کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کے ارادے سے دستبردار ہو گئے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ معبد مسلمان ہو گئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ ابوسفیان کے پاس جا کر ان کے حوصلے پست کریں۔

ذرا ان الفاظ پر غور کریں ''قبیلہ خزاعہ کے کیا مسلمان اور کیا مشرک، سبھی تہامہ میں رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ اور راز کے امین تھے''، اور یہ بھی دیکھیے کہ معبد نے (بعض روایات کے مطابق) مشرک ہونے کے باوجود اپنے مسلمان حلیفوں کے ساتھ عہد کی پاسداری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور خواہ زبان سے ہی سہی لیکن ان سے شر کو ٹالنے کی [کامیاب] کوشش کی۔

پھر بعض ان حضرات کے افعال کو بھی دیکھیے جو خود کو نہ صرف مسلمان کہتے ہیں بلکہ ان کی نسبت علم اور دعوت کی طرف بھی کی جاتی ہے کہ اہلِ جہاد کے ساتھ ان کا طرزِ عمل کیا ہے!

حالانکہ انہی اہلِ جہاد پر آج بھی حمراء الاسد جیسے سخت حالات گزر رہے ہیں، ہر دم موت سے روبرو اور تکلیفیں سہہ رہے ہیں۔

خزاعہ کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، اس کی کیا شرائط تھیں اور انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیسی خیر خواہی کی!

دوسری طرف اسلامی اخوت کے معاہدے اور اس کی شرائط کو دیکھا جائے اور مسلمانوں کے ایک طبقے کی اپنے مسلمان بھائیوں سے لاتعلقی کو دیکھا جائے، تو ان دو انتہاؤں کا سرسری موازنہ بھی انسان کو حیرت [اور افسوس] سے دوچار کر دیتا ہے۔

خزاعہ کا معاہدہ تو ایک انسانی معاہدہ تھا، جسے ختم بھی کیا جا سکتا تھا اور خزاعہ کو اس کا حق بھی حاصل تھا، کیونکہ یہ معاہدہ تو دراصل اس معاہدے کا تسلسل تھا جو زمانہ جاہلیت میں بنو ہاشم نے خزاعہ کے ساتھ کیا تھا، اور بظاہر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ خزاعہ کے کفار اپنے مشرک بھائیوں کا ساتھ دیتے کیونکہ مسلمان تو ان کے دین کے مخالف تھے، لیکن اس سب کے باوجود خزاعہ نے اپنے عہد کا پاس رکھا، مسلمانوں سے کفار کے شر کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، بے شک یہ قوم اپنے شرک کے باوجود بڑی باوفا تھی۔

دوسری طرف اہلِ اسلام کے مابین اسلامی اخوت کا معاہدہ انسانی نہیں، الٰہی ہے، ربانی ہے، اسے اللہ نے مسلمانوں پر عائد کیا ہے، سو مسلمان رہتے ہوئے اس معاہدے کی پاسداری کے سوا کوئی چارہ نہیں اور اسے توڑنے کی کوئی سبیل نہیں، بالکل ایسے ہی جیسے کوئی انسان اپنے ماں جائے سگے بھائی کی بابت [تمام اختلافات کے باوجود] یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرا نسبی بھائی نہیں، اللہ جل جلالہ کا فرمان و فیصلہ ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (سورۃ الحجرات: ۱۰)

”بے شک تمام اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں۔“

حدیث میں آتا ہے:

المسلم اخو المسلم لایظلمه و لایسلمه

”ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ کسی ظالم کے حوالے ہی کرتا ہے۔“

بلکہ مسلمانوں کا تعلق تو خونی رشتوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے، کیونکہ تمام ایک جسم کی مانند ہیں، جیسے حدیث میں آیا ہے:

”باہمی محبت، رحم دلی اور یگانگت میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے، جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے سارا جسم بے خوابی اور بخار کا شکار ہو جاتا ہے۔“

مصائبِ دہر اور گردشِ زمانہ سے یہ اسلامی رشتہ کمزور نہیں پڑتا، بلکہ موت اور حشر کی ہولناکیوں سے بھی یہ متاثر نہیں ہوتا۔

تو اتنے پختہ عہد (اخوتِ اسلامی) کا تقاضا تو یہ تھا کہ زبانی مدد سے آگے بڑھ کر جانوں کے ساتھ اسلام اور اہلِ اسلام کی نصرت کی جاتی، لیکن افسوس ایک گروہ نے پہلے قدم پر ہی ساتھ چھوڑ دیا، اور ساتھ چھوڑنے پر ہی بس نہیں کی، بلکہ مخالفین کی صف میں جا کھڑے ہوئے، اور ان کی زبانی مخالفت ہمارے لیے اصل دشمن کی توپ و تفنگ کی گھن گرج سے زیادہ تکلیف دہ ہے، اخوتِ ایمانی کے عہد سے وفا نبھانے کی جگہ انہوں نے ہمارے اور اپنے دشمن کی طرف دستِ تعاون دراز کیا اور کفار و مرتدین کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ہمیں ان سے سوائے دغا و دشنام کچھ حاصل نہیں ہوا، بجائے اس کے کہ وہ ہمیں تسلی دیتے اور کہتے کہ آپ کی تکلیف کا ہمیں بھی دکھ ہے، الٹا ہماری آزمائش پر خوشیاں منانے لگے اور طرح طرح کے الزامات دھرنے لگے۔ ان سے ہمارا خیر کی توقع رکھنا بعینہٖ اس کہاوت کی طرح ثابت ہوا جس میں ایک شخص کی مثال دی گئی ہے جو بارش سے بچنے کے لیے پرنالے کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ اور ہم یہ تمنا کرنے لگے کہ کاش! یہ لوگ کم از کم خاموش رہتے اور ہمیں تنہا (ان کی مدد کے بغیر) ہی کفار سے لڑنے کے لیے چھوڑ دیتے، اگر ہم غالب آجاتے تو یہ غلبہ انہی کا (یعنی ان کے دین کا) ہوتا اور اگر برعکس معاملہ ہوتا تو ہم شہادت پا کر کامیاب ٹھہرتے اور انہیں بھی ہم پر رد کرنے کی ضرورت نہ رہتی۔ لیکن افسوس صد افسوس اس گروہ نے اپنے لیے یہی پسند کیا کہ طاغوتوں کا دفاع کرے اور اہلِ ہمت مجاہدین کی مخالفت کرے۔ بلکہ آج کے دور میں یہ بات بھی حقیقت سے بعید نہیں کہ جو عالم مجاہدین کی مخالفت سے خاموش رہے وہ مجاہدین کا حامی ہے، کیونکہ مخالفین کا زور اتنا زیادہ ہے کہ خاموش کی خاموشی اور مخالفت نہ کرنا بھی نصرت ہے، وحسبنا الله ونعم الوکیل!

ہر حال میں ہر وقت صبر واستقامت

ابو سفیان رضی اللہ عنہ جب اپنے لشکر کو لے کر واپس مکہ جا رہے تھے تو راستے میں مدینہ جانے والے عبد القیس قبیلے کے ایک قافلے سے ان کا آمنا سامنا ہوا، ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کیا تم محمد (ﷺ) کو میرا ایک پیغام پہنچاؤ گے؟ بدلے میں جب تم مکہ آؤ گے تو ایک اونٹنی کے بوجھ کے بقدر تمہیں کشمش معاوضے میں دوں گا۔

انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔

ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: محمد ﷺ کو پیغام دو کہ ہم نے آپ اور آپ کے صحابہ کی بیخ کنی کے لیے دوبارہ حملے کا پختہ ارادہ کر رکھا ہے۔

یہ قافلہ مسلمانوں کے پاس سے اس وقت گزرا جب وہ حمراء الاسد میں تھے اور انہیں ابو سفیان کا پیغام دیا، اس سارے واقعے کو اللہ رب العزت نے قرآن میں یوں بیان کیا ہے:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ○ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ○

(سورۃ آل عمران: ۱۷۳، ۱۷۴)

”(اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار) وہ لوگ ہیں جن سے کہنے والوں نے کہا تھا: یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لیے (پھر سے) جمع ہوگئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرتے رہنا، تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اٹھے کہ: ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ نتیجہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انہیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے۔ اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔“

صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباس نے مروی ہے کہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا جب انہیں آگ میں ڈالا گیا اور محمد ﷺ نے اس وقت کہا جب لوگوں نے ان سے کہا: یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لیے (پھر سے) جمع ہوگئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرتے رہنا، تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اٹھے کہ: ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

لوگ اہلِ حق کو دشمن کی تعداد اور سازوسامان سے جتنا زیادہ ڈراتے ہیں اتنا ہی ان کے ایمان وتوکل میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور جتنی زیادہ ان پر آزمائشیں اور مشکلیں آتی ہیں ان کے حوصلے اور ثابت قدمی اور زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے صحابہ کی اس صفت کو سراہا ہے، ارشادِ باری ہے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ○ (سورۃ آل عمران: ۱۴۶)

”اور کتنے ہی نبی ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، نتیجتاً انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیفیں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ انہوں نے ہمت ہاری، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو جھکایا، اللہ ایسے صابر (وثابت قدم) لوگوں کو پسند کرتا ہے۔“

ان مجاہدین فی سبیل اللہ سے جن مذموم اوصاف کی نفی کی گئی ہے ان کو ذکر کرنے کی ترتیب بھی بڑی دقیق ہے، وہن یعنی ارادے کی کمزوری پہلا مرحلہ ہے، جس کی وجہ سے انسان جہاد میں ضعف یعنی عمل کی کمزوری دکھاتا ہے اور یہ ضعف بھی ایک طرح سے ناکامی اور شکست ہے، تیسرا مرحلہ استکانت یعنی بے بسی کے ساتھ دشمن کے مطالبات مان لینا جو کہ کسی کو آقا مان کر اس کی غلامی اپنانے کا انتہائی پست درجہ ہے، اور ایسی صورت میں زمین کی پشت سے اس کا پیٹ بہتر ہے، ایسی ذلت کی زندگی سے موت کا تلخ گھونٹ بدرجہا اچھا ہے۔

آزمائشوں سے اہلِ حق کا اللہ کے وعدوں پر ایمان بڑھتا ہے، ان کے نزدیک آزمائشیں اس بات کی علامت ہیں نصرت قریب آن لگی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ○ (سورۃ الاحزاب: ۲۲)

”اور جب اہلِ ایمان نے لشکروں کو دیکھا تو کہا: یہ وہی (آزمائش) ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا، اس (بظاہر ہیبت ناک نظارے) سے ان کی ایمان واطاعت ہی میں اضافہ ہوا۔“

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہاں اہلِ ایمان نے اللہ کے جس وعدے کا ذکر کیا ہے اس سے مراد سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ○ (سورۃ البقرۃ: ۲۱۴)

’کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تمہیں اس جیسے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے لوگوں کو پیش آئے تھے، ان پر سختیاں اور تکلیفیں آئیں اور انہیں ہلا ڈالا گیا، یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھ ایمان والے بول اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ یاد رکھو! اللہ کی مدد نزدیک ہے۔‘

یعنی اللہ نے جس امتحان کا بتایا تھا جس کے بعد نصرت قریب آجاتی ہے وہ یہی آزمائش ہے۔“

اہلِ ایمان کے پاس صبر کرنے اور غالب آنے کے سارے اسباب موجود ہیں، اور اہلِ کفر کے پاس سوائے شکست وہزیمت کے اسباب کے کچھ نہیں۔

مسلمان حق پر ہیں، اللہ کی خاطر لڑتے ہیں، ان کے مقتول جنتی ہیں، انہیں اللہ سے جن انعامات کی امید ہے کافروں کو ان کی کوئی امید نہیں [امید ہو بھی کیسے! جب اس کا یقین ہی نہیں]، اللہ ان کے ساتھ ہے، ان کا حامی وناصر ہے، اور جس کے ساتھ اللہ ہو اسے کس کا خوف؟ تو یہ ممکن ہی نہیں وہ کمزور پڑیں۔

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُھَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۝﴾ (سورۃ آل عمران:۱۳۹،۱۴۰)

”اور تم کمزور نہ پڑو اور نہ غمگین ہو تمہی غالب ہوا گر تم (حقیقی) مومن ہو، اگر تمہیں زخم لگا ہے (غزوہ اُحد کی شہادتوں کا) تو دوسرے لوگوں (کافروں) کو بھی ویسا زخم لگ چکا ہے (غزوہ بدر میں سرداروں کے قتل کا) اور ان (کامیابی وناکامی کے) دنوں کو ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں، اور (یہ زخم) اس لیے (بھی لگا) کہ اللہ تم میں سے ایمان والوں کو جانے (یعنی جانچے) اور تم میں سے کچھ کو شہید بنائے اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔“

کفار باطل پر کھڑے ہیں، ان کے مقتول جہنمی ہیں، اللہ سے ان کی دشمنی ہے اور جس کی دشمنی اللہ سے ہو وہ کس سے یاوری کی امید رکھے؟ وہ طاغوت کی خاطر لڑتے ہیں، جو کہ شیطان ہے، تو جس کا مددگار شیطان ہو وہ کس قدر خسارے کا شکار اور کمزور ہے!

ارشادِ باری ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَاۗءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا۝﴾ (سورۃ النسآء:۷۶)

”جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں، تو تم لڑو ان شیطان کے دوستوں سے، بے شک شیطان کی چال (اور اس کا لاؤ لشکر تمام ظاہری چکاچوند اور ٹھاٹھ بھاٹھ کے باوجود) کمزور ہے۔“

اہل حق میخ کی مانند ہیں جو ضرب لگنے سے مزید پختگی سے اندر دھنستی اور مضبوط ہو جاتی ہے، یہ سختیوں سے مضبوط ہوتے ہیں، مصائب اور بلائیں ان کے لیے دوائیں [بلکہ شفائیں] ہیں، امتحانات ان کے لیے انعامات ہیں۔

اللهم اجعلنا منهم ومثلهم آمين

☆☆☆☆☆

بقیہ: موت وبعد الموت

﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۝﴾ (سورۃ بنی اسرائیل:۱۳،۱۴)

”اور ہر شخص (کے عمل) کا انجام ہم نے اس کے اپنے گلے سے چمٹا دیا ہے۔ اور قیامت کے دن ہم (اس کا) اعمال نامہ ایک تحریر کی شکل میں نکال کر اس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ (کہا جائے گا کہ) لو پڑھ لو اپنا اعمال نامہ! آج تم خود اپنا حساب لینے کے لیے کافی ہو۔“

ہر عمل جو انسان نے کیا ہو گا وہ اس اعمال نامے میں درج ہو گا۔ یہ کتاب جامع ہو گی اور انسان کا ذرا ذرا سا عمل بھی بالتفصیل اس میں درج ہو گا۔ شاید قیامت کے دن کے پچاس ہزار برس طویل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ ایک ایک فرد اپنے ایک ایک عمل اور اس کی جزئیات کے لیے جوابدہ ہو گا۔ کوئی اگر ساٹھ برس جیا تو ان ساٹھ برسوں میں بتائے لمحے لمحے کی تفصیل بارے اللہ رب العزت سوال فرمائیں گے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا۝﴾ (سورۃ الکہف:۴۹)

”اور (اعمال کی) کتاب سامنے رکھ دی جائے گی۔ چنانچہ تم مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ اس کے مندرجات سے خوف زدہ ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ ہائے ہماری بربادی! یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہمارا کوئی چھوٹا بڑا عمل ایسا نہیں چھوڑا جس کا پورا احاطہ نہ کر لیا ہو۔ اور وہ اپنا سارا کیا دھرا اپنے سامنے موجود پائیں گے۔ اور تمہارا پروردگار کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔“

ہر چیز خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اس کتاب میں لکھی ہو گی اور انسان کے سامنے پیش کر دی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس روز گناہ گار جب اس عظیم کتاب کو دیکھیں گے جس میں ان کے ایک ایک گناہ کی تفصیل درج ہو گی تو نہایت مضطرب ہوں گے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: کانٹے اور پھول

میری بہن تہانی نے اس دوران معلمات کے انسٹیٹیوٹ سے گریجویشن کیا اور کچھ وقت کے بعد ایک پناہ گزین کیمپ میں اقوام متحدہ کی امدادی اسکول میں بطور معلمہ ملازمت اختیار کی، کچھ وقت کے بعد ایک نیک نوجوان نے اس سے شادی کی، اور وہ اپنی شادی میں بہت خوش اور مطمئن تھی۔

☆☆☆☆☆

مرا تو سب کچھ مرا نبیؐ ہے!

ہمارے محبوب کا حلیۂ مبارک [صلی اللہ علیہ وسلم]

ماخذ: شمائل ترمذی و دیگر کتبِ حدیث و تفسیر

ہماری اولادیں، والدین، مال و اسباب اور یہ روح و بدن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہزار ہزار بار قربان۔ یہ آپؐ کی محبت ہے جو صدیوں سے آپؐ کا حلیہ مبارک مختلف شکلوں میں اہلِ علم و اہلِ عشق میں بیان کرواتی رہی ہے اور اصل شئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک شریعت اور آپؐ کی مبارک سنتوں کا اتباع ہے۔ رنگ کالا ہو، ہونٹ موٹے موٹے، نسل کا حبشی ہو اور ذات کا غلام، لیکن اتباع میں کامل ہو تو ماہِ نبوت کا ہالہ 'سیّدنا بلالؓ' ہو جاتا ہے۔ حضورِ پر نور کا حلیہ بھی حفظ کرتے ہیں اور آپؐ کی شریعت کی اتباع کا عزم بھی! (ادارہ)

شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرتِ حسانِ ابنِ ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وأحسن منك لم ترقط عيني
وأجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبرأً من كل عيبٍ
كأنك قد خلقت كما تشاء

''تیرے جیسا حسین، میری آنکھ نے نہیں دیکھا۔ تیرے جیسے جمال والا کسی ماں نے نہیں جنا۔ آپ ہر عیب سے پاک پیدا ہوئے۔ آپ ایسے پیدا ہوئے جیسے آپ نے خود اپنے آپ کو چاہا۔''

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن و جمال میں سے بہت تھوڑا سا ظاہر فرمایا، اگر سارا ظاہر فرماتے تو آنکھیں اس کو برداشت نہ کر سکتیں۔ یوسُف علیہ السلام کا سارا حُسن ظاہر کیا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن کی چند جھلکیاں دکھلائی گئیں، باقی سب مستور رہیں۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اس جمال کی تاب لا سکتی۔''

ام معبد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے ایک نوجوان دیکھا، بڑا صاف ستھرا۔ حسین سفید چمکتا چہرہ گویا نوخیز کلی ہو (کلیوں میں جو رونق ہوتی ہے، وہ پھول میں نہیں ہوتی)۔ نہ ایسے موٹے تھے کہ نظروں میں جچیں نہیں اور نہ ایسے کمزور اور دُبلے تھے کہ بے رُعب ہو جائیں۔ وسیمٌ قسیمٌ تھے...... (وسیم یعنی وہ حسین جس کو جتنا دیکھیں، اس کا حُسن اتنا بڑھتا چلا جائے، جسے دیکھتے ہوئے آنکھ نہ بھرے اور قسیم یعنی جس حسین کا ہر عضو الگ الگ حُسن کی ترجمانی کرتا ہو، جس کا ہر عضو حسن میں کامل اور اکمل ہو)۔ اُس کی پلکیں بڑی دراز۔ اُس کی آنکھیں بڑی حسین، موٹی، سیاہ۔ اس کی داڑھی بڑی خوبصورت اور گھنی۔ اس کی گردن صراحی دار اور لمبی۔ آواز میں کشش اور رعب۔''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''حضور ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے، نہ کوتاہ قد، ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پُر گوشت تھے (یہ صفات مردوں کے لیے محمود ہیں اس لیے کہ قوت اور شجاعت کی علامت ہیں۔ عورتوں کے لیے مذموم ہیں) حضور ﷺ کا سر مبارک بھی بڑا تھا اور اعضاء کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں۔ سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔ جب حضور ﷺ چلتے تھے تو گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں۔ میں نے حضور ﷺ جیسا نہ پہلے دیکھا اور نہ بعد میں دیکھا۔''

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ:

''میں نے کسی کو سرخ جوڑے میں حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، آپ ﷺ کے بال مونڈھوں تک رہے ہیں، اور آپ ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے نہ پست قد۔''

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''حضور اقدس ﷺ نہ بہت لمبے قد کے تھے نہ پستہ قد بلکہ آپ ﷺ کا قد مبارک درمیانہ تھا نیز رنگ کے اعتبار سے نہ بالکل سفید تھے چونے کی طرح، نہ بالکل گندمی کہ سانولا بن جائے (بلکہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن، پُرنور اور کچھ ملاحت لیے ہوئے تھے) حضور اقدس ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ بالکل پیچ دار (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگریالا پن تھا) چالیس برس کی عمر ہو جانے پر حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ ﷺ کو نبی بنایا اور پھر دس برس مکہ مکرمہ میں رہے (اس میں کلام ہے جیسا کہ فوائد میں آتا ہے)۔ ''

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہے کہ:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد تھے، نہ زیادہ طویل نہ پست، نہایت خوب صورت معتدل بدن والے، حضور ﷺ کے بال نہ بالکل پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے (بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھونگریالا پن تھا) نیز آپ ﷺ گندمی رنگ کے تھے۔ جب حضور ﷺ راستہ چلتے تو آگے کو جھکے ہوئے چلتے۔''

نواسۂ رسولؐ حضرت حسن ابنِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضورِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا اور وہ حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کو بہت ہی کثرت سے اور وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے۔ مجھے خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصافِ جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں ان کے بیان کو اپنے لیے حجت اور سند بناؤں۔ (اور ان اوصافِ جمیلہ کو ذہن نشین کرنے اور ممکن ہوسکے تو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر حضور ﷺ کے وصال کے وقت سات سال کی تھی۔ اس لیے حضور ﷺ کے اوصافِ جمیلہ میں اپنی کم سنی کی وجہ سے تامل اور کمال تحفظ کا موقع نہیں ملا تھا) ماموں جان نے حضور ﷺ کے حلیہ شریف کے متعلق یہ فرمایا کہ:

’آپ ﷺ خود اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی رتبہ والے تھے، آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ماہِ بدر (چودھویں کے چاند) کی طرح چمکتا تھا۔ آپ ﷺ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا لیکن لمبے قد والے سے پست تھا، سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا، بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ اگر سر مبارک میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے، ورنہ آپ ﷺ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے۔‘

(یہ مشہور ترجمہ ہے اس بنا پر یہ اشکال پیش آتا ہے کہ حضور ﷺ کا قصداً مانگ نکالنا روایات سے ثابت ہے۔ اس اشکال کے جواب میں علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس کو ابتدائے زمانہ پر محمول کیا جائے کہ اول حضور ﷺ کو اہتمام نہیں تھا، لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک یہ جواب اس لیے مشکل ہے کہ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ مشرکین کے مخالف اور اہل کتاب کی موافقت کی وجہ سے مانگ نہ نکالنے کی تھی، اس کے بعد پھر مانگ نکالنی شروع فرمادی، اس لیے اچھا ترجمہ جس کو بعض علماء نے ترجیح دی ہے وہ یہ کہ اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے اور اگر کسی وجہ سے بسہولت نہ نکلتی اور کنگھی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو اس وقت نہ نکالتے، کسی دوسرے وقت جب کنگھی وغیرہ موجود ہوتی نکال لیتے)۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”حضور اکرم ﷺ فراخ دہن تھے، آپ ﷺ کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے، ایڑی مبارک پر بہت کم گوشت تھا“۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

”میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضورِ اقدس ﷺ کو دیکھ رہا تھا۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ ﷺ کو، بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ حضور ﷺ چاند سے کہیں زیادہ جمیل و حسین اور منور ہیں۔“

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ:

کسی شخص نے حضرت براء سے پوچھا کہ کیا حضور اقدس ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح شفاف تھا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ بدر کی طرح روشن گولائی لیے ہوئے تھا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”حضور اقدس ﷺ اس قدر صاف شفاف، حسین و خوب صورت تھے کہ گویا کہ چاندی سے آپ ﷺ کا بدن مبارک ڈھالا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے بال مبارک قدرے خم دار گھونگریالے تھے۔“

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ

”مجھ پر سب انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام پیش کیے گئے یعنی مجھے دکھائے گئے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا تو ذرا پتلے دبلے بدن کے آدمی تھے گویا کہ قبیلہ شنوئیہ کے لوگوں میں سے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو ان سب لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں عروہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) ان سے زیادہ ملتے جلتے معلوم ہوئے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے میں خود ہی ان کے ساتھ مشابہ ہوں، ایسے ہی اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ان لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں وہ دحیہ کلبی ہیں۔“

سعید جریری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

”حضور اقدس ﷺ کو دیکھنے والوں میں اب روئے زمین پر میرے سوا کوئی نہیں رہا۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھ سے حضور ﷺ کا کچھ حلیہ بیان کیجیے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ سفید رنگ تھے ملاحت کے ساتھ یعنی سرخی مائل اور معتدل جسم والے تھے۔“

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”حضور اقدس ﷺ کے اگلے دانت مبارک کچھ کشادہ تھے، گنجان نہ تھے جب حضور اقدس ﷺ تکلم فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا۔“

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”حضور ﷺ میانہ قد تھے۔ آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان اوروں سے قدرے زیادہ فاصلہ تھا (جس سے سینہ مبارک چوڑا ہونا بھی معلوم ہو گیا) گنجان بالوں والے، جو کان کی لو تک ہوتے تھے، آپ ﷺ پر ایک سرخ دھاری کا جوڑا یعنی لنگی اور چادر تھی۔ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ حسین کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی۔“

ابراہیم بن محمد جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں (یعنی پوتے ہیں) وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کا بیان فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ:

”حضور ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے، نہ زیادہ پستہ قد بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے۔ حضور ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل پیچ دار تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لیے ہوئے تھے۔ نہ آپ ﷺ موٹے بدن کے تھے نہ گول چہرہ کے البتہ تھوڑی سی گولائی آپ ﷺ کے چہرہ مبارک میں تھی (یعنی چہرہ انور نہ بالکل گول تھا نہ بالکل لانبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور ﷺ کا رنگ سرخی مائل سفید تھا۔ حضور ﷺ کی مبارک آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز، بدن کے جوڑوں کی ہڈیاں موٹی تھیں (مثلاً کہنیاں اور گھٹنے اور ایسے ہی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی، آپ ﷺ کے بدن مبارک پر (معمولی طور سے زائد) بال نہیں تھے (یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بدن پر بال زیادہ ہوتے ہیں حضور ﷺ کے بدن مبارک پر خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازو پنڈلیاں وغیرہ ان کے علاوہ اور کہیں بال نہ تھے) آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی آپ ﷺ کے ہاتھ اور قدم مبارک پُر گوشت تھے۔

جب آپ ﷺ تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوت سے اُٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں، جب آپ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن مبارک کے ساتھ توجہ فرماتے تھے (یعنی یہ کہ صرف گردن پھیر کر کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے کہ اس طرح دوسروں کے ساتھ لاپرواہی ظاہر ہوتی ہے اور بعض اوقات متکبرانہ حالت ہو جاتی ہے، بلکہ سینہ مبارک سمیت اس طرف رخ فرماتے۔ بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بھی فرمایا ہے کہ جب آپ ﷺ توجہ فرماتے تو تمام چہرہ مبارک سے فرماتے، کن انکھیوں سے نہیں ملاحظہ فرماتے تھے۔) آپ ﷺ کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی دل والے تھے۔ اور سب سے زیادہ سچی زبان والے تھے۔ سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے۔ اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے۔ (غرض آپ ﷺ دل و زبان، طبیعت، خاندان، ذاتی اور نسبتی اوصاف ہر چیز میں سب سے زیادہ افضل تھے) آپ ﷺ کو جو شخص یکایک دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا (یعنی آپ ﷺ کا وقار اس قدر زیادہ تھا کہ اول میں دیکھنے والا رعب کی وجہ سے ہیبت میں آجاتا تھا) اول تو جمال اور خوبصورتی کی وجہ سے بھی رعب ہوتا ہے، اس کے علاوہ جب کمالات کا اضافہ ہو تو پھر رعب کا کیا پوچھنا۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کو جو مخصوص چیزیں عطا ہوئیں، ان میں رعب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا۔ اور جو شخص پہچان کر میل جول کرتا تھا وہ (آپ ﷺ کے اخلاق کریمہ و اوصاف جمیلہ کا گھائل ہو کر) آپ ﷺ کو محبوب بنالیتا تھا۔ آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضور ﷺ جیسا با جمال و باکمال نہ حضور ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔“

اللھم صلِّ وسلّم علیٰ نبیّنا محمد و علیٰ آلِ محمد

☆☆☆☆☆

صحابہ کرام کا ایمان

”صحابہ کے ایمان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے دارالحکومت میں تشریف رکھتے ہیں، بڑے بڑے رئیس اہل فارس دربار میں حاضر ہیں، کھانے کا وقت آگیا، کھانا شروع فرمایا۔ ایک لقمہ ہاتھ سے زمین پر گر گیا، آپ نے اس کو اٹھا کر اور صاف کر کے کھالیا، بعض خادموں نے کان میں کہا کہ یہ متکبر کفار ایسی بات کو تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ آپ نے بآواز بلند جواب دیا کہ کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی سنت چھوڑ دوں گا۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ اگر زمین پر کھانے کی کوئی چیز گر جائے اس کو اٹھا کر کھالینا سنت ہے جس کو آج کل معیوب سمجھا جاتا ہے۔ سبحان اللہ صحابہ نے عشق اور حکومت کو جمع کر کے دکھلا دیا۔“

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (نور اللہ مرقدہ)

(بحوالہ ملفوظاتِ حکیم الامت، ج۳)

مرا تو سب کچھ مرا نبی ہے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ[1]

آپ ﷺ کے حقوق میں جو امت کے ذمہ ہیں جن میں ام الحقوق[2] محبت و متابعت فی الاصول والفروع[3] ہے۔ جاننا چاہیے کہ کسی سے محبت ہونا اور اس محبت کا مقتضا متابعت ہونا تین سبب سے ہوتا ہے۔ ایک کمال محبوب کا، جیسے عالم سے محبت ہوتی ہے، شجاع سے محبت ہوتی ہے اور دوسرا اجمال، جیسے کسی حسین سے محبت ہوتی ہے۔ تیسرا نوال یعنی عطاواحسان، جیسے اپنے منعم و مربی سے محبت ہوتی ہے۔ جناب رسول ﷺ کی ذاتِ مقدسہ میں تینوں وصف علی سبیل الکمال مجتمع ہیں۔ وصف اول سے یہ تمام رسالہ مشحون[4] ہے۔ دوسرا وصف فصل اکیسویں میں مخزون[5] ہے اور چوتسویں فصل لانے سے مقصود خاص تیسرے وصف کا مضمون ہے۔ جب تینوں وصف جو علت و محبت ہیں آپ ﷺ میں جمع ہیں تو خود اس کا طبعی مقتضا ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ امت کو اعلیٰ درجہ کی محبت ہونی چاہیے اگر نص شرعی[6] بھی نہ ہوتی۔ اور جبکہ نصوصِ شریعہ بھی اس کے ایجاب میں موجود ہیں تو داعی عقل و طبع کے ساتھ داعی شرعی بھی مل کر آپ ﷺ کے وجوبِ محبت کو پختہ کرتا ہے اور درحقیقت اعظم غایت[7] اس رسالہ کی اسی امر کی طرف اہلِ ایمان کو متوجہ کرنا ہے اور یقینی امر ہے کہ ان اسبابِ دواعی کے ہوتے ہوئے محبت کے اتباع کا انفکاک[8] عادۃً محال ہے۔ جس درجہ کی محبت ہوگی اسی درجہ کا اتباع ہوگا اور ظاہر ہے کہ محبت علیٰ سبیل الکمال[9] واجب ہے۔ پس متابعت بھی علیٰ سبیل الکمال واجب ہوگی اور اس میں گو کسی کو بھی کلام نہیں ہو سکتا محض تجدید استحضار کے لیے مختصر طور تنبیہ کر دی گئی اور اسی کی تقویت کے لیے چند روایات بھی ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی روایت: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اولاد اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم کذا فی المشکوٰۃ۔ یعنی اگر میری مرضیات میں تزاحم[10] ہو تو جس کو ترجیح دی جاوے اسی کے محبوب ہونے کی یہ علامت ہوگی۔

دوسری روایت: امام بخاریؒ نے ایمان و نذور میں عبداللہ بن ہشام سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں بجز میرے نفس کے جو میرے پہلو میں ہے (یعنی وہ تو بہت ہی محبوب ہے)۔ جناب رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک خود اس کے نفس سے بھی زیادہ اس کو میں محبوب نہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی کہ آپ میرے نزدیک میرے اس نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں جو میرے پہلو میں ہے۔ جناب رسول ﷺ نے فرمایا کہ بس اب بات ٹھیک ہوئی۔ کذا فی المواہب۔ حضرت عمرؓ نے اول محبت بلا اسباب کو محبت بالاسباب سے اقویٰ سمجھ کر نفس کو مستثنیٰ کیا پھر آپ کے ارشاد سے کہ نفس سے بھی زیادہ محبوب رکھنا ضروری ہے، یہ سمجھ گئے کہ اقویٰ ہونے کا مدار کوئی ایسا امر ہے کہ اس کے اعتبار سے کوئی چیز نفس سے بھی زیادہ محبوب ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ کی خوشی کو نفس کی خوشی پر طبعاً مقدم و راجح پایا سو اس حقیقت کے انکشاف کے بعد آپ کی اجیت من النفس[11] کا مشاہدہ کیا اور خبر دی۔ اور مواہب کے مقصد سابع میں دوسرے صحابہؓ کی بھی حکایتیں محبت کی عجیب و غریب ذکر کی ہیں۔

تیسری روایت: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی، مگر جس نے میرا کہنا قبول نہ کیا۔ عرض کیا گیا کہ قبول کس نے نہیں کیا۔ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے قبول نہیں کیا۔ روایت کیا اس کو بخاری نے کذا فی المشکوٰۃ۔ صحابہؓ کے اس سوال سے معلوم ہوا کہ یہ اباء[12] مخصوص بہ کفر[13] نہیں ہے ورنہ اس میں کون سا خفا تھا۔ پس آپ ﷺ کا اتباع نہ کرنے کو اباء سے تعبیر فرمایا گیا۔ اس سے متابعت کا وجوب ثابت ہوا۔

چوتھی روایت: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے کذا فی المشکوٰۃ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علامت آپ ﷺ کی محبت کی آپ ﷺ کی سنت کی محبت ہے اور آپ ﷺ کی محبت کی فضیلت بھی ثابت ہوئی کہ مفتاحِ جنت ہے اور جنت کے ساتھ حضور ﷺ کی معیت کا بھی موجب ہے۔

---

[1] جمع و انتخاب: مولانا جمیل احمد تھانوی از نشر الطیب: حضرت تھانویؒ

[2] حقوق کی اصل

[3] اصول اور فروع کا اتباع

[4] بھرا ہوا

[5] خزانہ میں رکھی ہوئی

[6] شرعی حکم

[7] بڑا مقصود

[8] جدا ہونا

[9] کامل درجہ کی

[10] اولاد ماں باپ کی محبت ایک بات کا تقاضا کرتی ہے اور حضور ﷺ کی محبت دوسری بات میں ہے تو ایسے وقت میں آپ ﷺ کی مرضیات پر عمل کرنا آپ ﷺ کی محبت کی دلیل ہے۔

[11] نفس سے زیادہ محبوب ہونا

[12] انکار

[13] کفر کے ساتھ خاص نہیں

پانچویں روایت: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو جناب رسول ﷺ نے شراب پینے کے جرم میں سزا دی پھر وہ ایک دن حاضر کیا گیا پھر آپ ﷺ نے حکم سزا کا دیا۔ ایک شخص نے مجمع میں سے کہا کہ اے اللہ! اس پر لعنت کر، کس قدر کثرت سے اس کو (اس مقدمہ میں) لایا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت مت کرو، واللہ میرے علم میں یہ اللہ سے محبت رکھتا ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ اس حدیث سے چند امور ثابت ہوئے۔ ایک بشارت مذنبین [14] کو کہ ان سے اللہ ورسول کی محبت کی نفی نہیں کی گئی۔ دوسری تنبیہ مذنبین کو کہ نری محبت سزا سے بچنے میں کام نہ آئی تو کوئی اس ناز میں نہ رہے کہ بس خالی محبت بدون اطاعت کے سزائے جہنم سے بچالے گی۔ البتہ بعد بعید من الرحمۃ [15] سے بچا سکتی ہے کہ نہی عن اللعنۃ سے معلوم ہوا۔ پس جو سزا آخرت کی اس ملعونیت پر مرتب ہے یعنی خلود [16] اس سے یہ محبت بچالے گی، بعد سزا کے مغفرت ہو جائے گی۔ تیسری فضیلت محبت کی جیسا کہ ظاہر ہے۔ چوتھا، تفاوت مراتب محبت کا کہ باوجود ایک عصیان [17] کے اثبات محبت کا حکم فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ متابعت کامل نہ ہونے سے گو کمال محبت کا حکم نہ ہوگا مگر نفس متابعت سے کہ ادنیٰ درجہ اس کا کفر سے نکلتا ہے کوئی درجہ محبت کا ثابت کیا جاوے گا۔ پانچویں، مومن خواہ کتنا ہی گناہ گار ہو مگر اس پر لعنت نہ کرنا چاہیے۔ اس سے عظمت ثابت ہوتی ہے اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کی کہ اس کا ایک شمہ [18] بھی گو مقرون بالمعاصی [19] ہو مانع عن اللعنۃ [20] ہے۔ تو اس کا کامل اور خالص درجہ کیسا کچھ موثر ہوگا۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنون کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند [21]

يا سائرا نحو الحمى بالله قف في بانه
واقرأ طوا مير الجوى منى على سكانه

اے جانے والے بجانب گیاہ زار کے اللہ کے لیے اس کے باغ درخت بان میں ذرا ٹھہرنا اور میری طرف دفاترِ غم اس کے رہنے والوں میں پڑھ کر سنانا۔

اي تسئلو عن حالتي في السقم منذ فقدتهم
فالقلب في خفقانه والرأس في دورانه

اگر وہ میری حالت بیماری کے بارے میں دریافت کریں جب سے میں ان سے غائب ہوا ہوں پس قلب اپنے خفقان میں ہے اور سر اپنے دوران میں ہے۔

ان فتشوا عن دمع عيني بعدهم قل حاكيا
كالغيث في تهتانه والبحر في هيجانه

اگر وہ میرے اشکِ چشم کے متعلق اپنے بعد کے زمانہ میں تحقیق کریں تو بطور حکایت کے کہنا کہ مثلِ ابر کے ہے اس کے برسنے میں اور مثلِ بحر کے ہے اس جوش میں۔

لكنه مع ماجري مشغوف حب المصطفى
فخياله في قلبه وحديثه بلسانه

لیکن وہ محب باوجود اس تمام ترماجرے کے فریفتہ ہے عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا پس آپ کا خیال اس کے قلب میں ہے آپ کا تذکرہ اس کی زبان پر ہے۔

ولطالا يدعو لحاحا في الدعاء مبالغاً
ليطوف في بستانه ويشم في ريحانه

اور بہت زمانۂ طویل سے دعا کر رہا ہے اور دعا میں الحاح ومبالغہ کر رہا ہے تاکہ وہ آپ کے باغ میں طواف کرے اور آپ کے ریحان سے خوشبو سونگھے۔

يا من تفوق أمره فوق الخلائق في العلا
حتى لقد أثنى عليک الله في قرآنه

اے وہ ذات پاک جن کا رتبہ تمام خلائق پر بلندی میں فائق ہو گیا یہاں تک کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں ثنا فرمائی۔

صلى عليک الله أخر دهره متفضلا
مترحما وحيالک الموعود من أحسانه

اللہ تعالیٰ آپ پر درود نازل فرماوے زمانہ کے اخیر تک تفضل کرتا ہوا اور ترحم فرماتا ہوا اور آپ کو اپنے احسانات موعودہ عطا فرماوے۔

بعض حکم درود شریف

بعد بیانِ فضیلت کے بمقتضائے وارو قلبی اس کی بعض حکمتیں لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حکمت اول: جناب رسول ﷺ کے احسانات امت پر بے شمار ہیں، کہ صرف تبلیغ ماموریہ ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ان کی اصلاح کے لیے تدبیریں سوچیں، ان کے لیے رات رات بھر کھڑے ہو کر دعائیں کیں، ان کی احتمال مضرت سے دلگیر ہوئے اور تبلیغ گو ماموریہ [22] تھی لیکن تاہم اس میں واسطۂ نعمت تو ہوئے بہرحال آپ محسن بھی ہیں اور واسطۂ احسان بھی۔ پس اس حالت میں مقتضا فطرتِ سلیمہ کا یہ ہوتا ہے کہ ایسی ذات کے واسطے دعائیں نکلتی ہیں خصوصاً جبکہ مکافاتِ بالمثل نہ ہو سکے اور ہمارا عاجز ہونا اس مکافات سے ظاہر ہے

---

[14] گناہ گاروں

[15] رحمت سے بہت دوری

[16] ہمیشہ رہنے

[17] گناہ

[18] قطرہ

[19] گناہوں سے ملا ہوا

[20] لعنت سے روکنے والا

[21] ایک خاک آمیز گھونٹ نے جب مجنوں بنا دیا ہے
اگر خالص محبت کی شراب میسر آجاتی تو نہ معلوم کیا کرتی

[22] حکم کیے ہوئے

کیونکہ ان نعماء[۲۳] کا اضافہ غیر نبی سے نبی پر محالات سے ہے اور دعائے رحمت سے بڑھ کر کوئی دعا نہیں اور اس میں بھی رحمتِ خاصہ کاملہ کی دعا جو کہ مفہوم ہے درود کا۔ اس لیے شریعت نے اسے فطرتِ سلیمہ کے مطابق درود شریف کا امر کہیں وجوباً کہیں استحباباً فرمایا۔ ونحوہ فی المواہب۔

حکمت دوم: چونکہ آپ ﷺ حق تعالیٰ کے محبوب ہیں اور محبوب کے لیے کسی خیر کی درخواست کرنا گو محبوب کو بوجہ اس کے کہ جس سے درخواست کی جاوے وہ خود بوجہ محبت کے وہ خیر اس محبوب کو پہنچاوے گا۔ اس خیر کے ملنے میں اس درخواست کی حاجت ہی نہ ہو لیکن ایسی درخواست کرنا خود سبب ہوتا ہے اس درخواست کرنے والے کے تقرب کا، پس درود شریف میں چونکہ درخواستِ رحمت ہے محبوبِ حق کے لیے، اس لیے یہ ذریعہ ہو جاوے گا خود اس شخص کو حق تعالیٰ کی رضا و قرب میسر ہونے کا۔ ونحوہ فی المواہب۔

حکمت سوم: نیز اس درخواست میں اظہار ہے آپ ﷺ کے شرفِ خاص عبدیت کاملہ کا کہ رحمتِ الٰہی کی آپ ﷺ کو بھی ضرورت ہے۔ وہذا من سوانح الوقت۔

حکمت چہارم: چونکہ آپ ﷺ بھی بشریت[۲۴] میں، مادیت[۲۵] میں، عنصریت[۲۶] میں امت کے ساتھ شریک ہیں اور بعض امور زائدہ مثل کثرتِ مال وغیرہ میں اوروں کے ساتھ ساتھ مساوی بھی نہیں اور یہ اشتراک اور عدم مساوات بسا اوقات منجر[۲۷] ہو جاتا ہے استنکاف[۲۸] کی طرف اعتقاد و عظمت و اتباعِ ملت سے، جیسا امم ضالہ[۲۹] کو پیش آیا کہ بعض نے یوں کہا فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ[۳۰] اور بعض نے کہا: فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ[۳۱] کسی نے کہا: وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰي رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ[۳۲]۔ اس لیے درود شریف میں اس کا پورا علاج ہے کیونکہ اس میں دعا ہے رحمتِ خاصہ کی تو استحضار ہوا اس کا کہ آپ ﷺ رحمتِ خاصہ کے مستحق ہونے میں سب سے ممتاز ہیں۔ تو اس اشتراک کے ساتھ اس امتیاز کو بھی تو دیکھو جس کے سامنے دوسروں کا امتیازِ مالی وغیرہ گرد ہے اور نیز اس میں حکمت اول کے لحاظ سے استحضار ہے اس کا کہ ہم لوگ آپ کے ممنون ہیں اور عظمت و سنت کا استحضار رافع[۳۳] ہوتا ہے استنکاف[۳۴] کا بالخصوص جب نامِ مبارک کے قبل لفظ سیدنا و مولانا وغیرہ بھی بڑھایا جاوے اور نامِ مبارک کے بعد ایسے صفات بڑھائے جاویں جن میں صریح ہو آپ ﷺ کے جد و جہد کی اشاعتِ دین کے لیے جو اعظم احسانات ہے ہم پر اور اس رفع استنکاف سے افتقار[۳۵] و انکسار[۳۶] حادث[۳۷] ہو گا جو کہ اعظم مقامات مقصود سے ہے۔ خصوص اس محل میں جس کے معظم ہونے کا نصوص میں اہتمام کیا گیا ہو جیسے مقبولانِ الٰہی بالخصوص حضراتِ انبیاء علیہم السلام پھر خصوص سردارِ انبیاء کہ آپؐ کی طرف افتقار کا استحضار عین مرضیٔ حق اور آپ سے اباء[۳۸] استغنا بغایت نامرضی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۤ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سورۃ الجمعہ: ۲)

”وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں انہی کی قوم میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو عقائدِ باطلہ اور اخلاقِ ذمیمہ سے پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانش مندی کی باتیں سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ آپ کی بعثت سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“

حکمت پنجم: بعض طبائع[۳۹] میں غلبہ مذاق توحید کے وسائط[۴۰] کے ساتھ کہ ان وسائط میں انبیاء بھی ہیں دل زیادہ آویختہ[۴۱] نہیں ہوتا، گو بعد حصول قدر[۴۲] واجب اعتقاد و انقیاد رسول اللہ ﷺ کی اس زیادۃ کا انتفاء[۴۳] مضر نہیں جیسا کہ مواہب کے مقصد سابع میں امام قشیری سے ابو سعیف خراز کی حکایت نقل کی ہے کہ انہوں نے خواب میں جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو معذور رکھیے کہ خدائے تعالیٰ کی محبت مجھ کو آپ کی محبت میں مشغول نہیں ہونے دیتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے مبارک! جو شخص حق تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ مجھی سے محبت کرتا ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۷۵ پر)

[۲۳] نعمتوں

[۲۴] آدمیت

[۲۵] مادہ ہونے

[۲۶] عنصر ہونے

[۲۷] کھینچ لینا

[۲۸] برا سمجھنے کی طرف

[۲۹] گمراہ امتوں

[۳۰] ”چنانچہ وہ باہم کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے دو اشخاص پر جو ہماری طرح کے آدمی ہیں ایمان لے آئیں اور ان کے مطیع بن جائیں حالانکہ ان کی قوم کے لوگ تو خود ہمارے زیرِ حکم ہیں۔“ (سورۃ المومنون: ۴۷)

[۳۱] ”اور کہنے لگے ایسے شخص کا اتباع کریں گے جو ہماری جنس کا آدمی ہے اور اکیلا ہے تو اسی صورت ہم بڑی غلطی اور بلکہ جنون میں پڑ جائیں گے۔“ (سورۃ القمر: ۲۴)

[۳۲] ”یہ قرآن اگر کلام الٰہی ہے تو ان دو بستیوں (مکہ اور طائف) کے رہنے والوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا۔“ (سورۃ الزخرف: ۳۱)

[۳۳] اٹھانے

[۳۴] برا سمجھنے

[۳۵] محتاجگی

[۳۶] عاجزی

[۳۷] پیدا ہوئی

[۳۸] انکار

[۳۹] طبیعتوں

[۴۰] واسطوں

[۴۱] لگتا

[۴۲] واجب کی مقدار حاصل ہو جانے کے

[۴۳] اٹھ جانا

آخری نبی کے دربار میں (صلی اللہ علیہ وسلم)

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مورخین اور مصنفین کو خدا معاف کرے، مقدس سے مقدس مقامات اور افضل سے افضل اوقات میں بھی یہ تاریخی ذوق اور طرزِ فکر ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور وہ چند لمحات کے لیے بھی اس سے آزاد نہیں ہو پاتے۔ وہ جہاں بھی ہوتے ہیں اپنے علم اور مطالعے کی فضا میں سانس لیتے ہیں اور حال کا رشتہ ہمیشہ ماضی سے جوڑنا چاہتے ہیں۔ مناظر کو دیکھ کر ان کا ذہن بہت جلد اس تاریخی منظر کی تلاش میں نکل جاتا ہے جس کے نتیجے میں ان مناظر کا وجود اور نمود ہے۔

میں کل مسجد نبوی میں روضۂ جنت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے مراد وہ مقام ہے جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔ میرے چاروں طرف نمازیوں اور عبادت گزاروں کا کثیر مجمع تھا۔ ان میں کچھ لوگ سجدے میں تھے اور کچھ رکوع میں۔ تلاوتِ قرآن کی آواز فضا میں اس طرح گونج رہی تھی جس طرح شہد کی مکھیاں اپنے چھتے میں بھنبھنا رہی ہوں۔ اس وقت کا سماں کچھ ایسا تھا کہ مجھے تاریخ اور تاریخی شخصیات کو تھوڑی دیر کے لیے فراموش کر دینا چاہیے تھا لیکن تاریخ کی قدیم یادیں بادلوں کی طرح میرے دل و دماغ پر چھا گئیں اور میرا ان پر کوئی زور نہ چل سکا۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس کی بعض نامور شخصیتوں اور رہنماؤں کو ایک نئی زندگی عطا کی گئی ہے اور وہ وفد کی شکل میں یکے بعد دیگرے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو رہے ہیں اور اسی عظیم مسجد میں فریضۂ نماز ادا کرنے کے بعد اسی عظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیۂ سلام اور خراجِ محبت و عقیدت پیش کر رہے ہیں اور اس کے احسانات کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ وہ مختلف زبانوں، مقامات اور طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں، سب یک زبان ہو کر اس کی گواہی دے رہے ہیں کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جنھوں نے اللہ کے حکم سے ان کو ظلمت سے روشنی کی طرف، تیرہ بختی سے خوش بختی کی طرف، مخلوق کی عبادت سے خدائے واحد کی عبادت کی طرف اور مذاہب کے ظلم و استبداد سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف اور دنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی کی طرف منتقل کیا۔

وہ اعتراف کر رہے ہیں کہ وہ اسلام ہی کی پیداوار ہیں اور ان کا سارا وجود اور زندگی نبوت کی مرہونِ منت ہے۔ اگر خدانخواستہ ان سے وہ سب واپس لے لیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس نبی محترم کے ذریعے عطا کیا تھا اور نبوت کے وہ عطیے ان سے چھین لیے جائیں جنہوں نے دنیا میں ان کو عزت و سرفرازی بخشی تھی تو ان کی حیثیت ایک بے روح اور بے جان ڈھانچے اور چند مبہم اور بے مقصد خطوط و اشکال سے زیادہ نہ رہ جائے گی اور وہ تاریخ کے اس تاریک ترین عہد کی طرف واپس چلے جائیں گے جہاں جنگل کے قانون اور ظلم و استبداد کا دور دورہ تھا اور موجودہ تہذیب و تمدن کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔

اچانک میری نگاہ ایک طرف اٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ بابِ جبریل سے (جو مجھ سے زیادہ قریب تھا) ایک جماعت داخل ہو رہی ہے۔ سکون و وقار میں ڈوبے ہوئے لوگ، ان کی پیشانی سے علم کا نور اور ذہانت کا وفور صاف عیاں تھا۔ وہ باب الرحمۃ اور بابِ جبریل کے درمیانی حصے میں پھیل گئے۔ وہ اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ ان کے شمار کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

میں نے دربان سے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ اس نے کہا اس امت کے امام اور رہنما، انسانیت کے محسن اور نوعِ انسانی کے ممتاز اور قابلِ فخر نمونے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پوری پوری قوم کا امام، پورے کتب خانے اور مکتبِ فکر کا بانی اور موسّس، پوری نسل کا مربّی اور مستقل علوم و فنون کا موجد ہے۔ ان کے لازوال شاہکار اور لافانی آثار اور نمونے آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کے علوم و اجتہاد اور تحقیق کی روشنی میں کئی کئی نسلوں نے سفرِ زندگی طے کیا ہے۔ اس نے عجلت کے ساتھ ان چند ہستیوں کے نام بھی مجھے بتا دیے، امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، لیث بن سعد مصری، امام اوزاعی، امام بخاری، امام مسلم، تقی الدین ابن تیمیہ، ابن قدامہ، ابو اسحاق الشاطبی، کمال ابن ہمام، شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہم۔

اگرچہ ان شخصیتوں میں اپنے زمانے اور اپنے ملک، وطن اور اپنی علمی و دینی حیثیتوں اور مراتب کا بڑا فرق تھا لیکن ان سب نے اس موقع پر بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خراجِ عقیدت پیش کیا اور اشکِ ندامت نذر کیے۔

میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے انہوں نے تحیۃ المسجد کا دوگانہ بہت خشوع و خضوع اور حضوریٔ قلب کے ساتھ ادا کیا۔ پھر بہت ادب اور تواضع کے ساتھ مرقد مبارک کی طرف بڑھے اور بہت جچے تلے، مختصر، معانی سے لبریز، گہرے اور پرمغز کلمات کے ساتھ سلام پیش کیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی آواز اس وقت بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز میں رقّت۔ وہ کہہ رہے تھے:

> ”یا رسول اللہ! اگر آپ کی لازوال، وسیع، جامع، عادلانہ اور کشادہ شریعت نہ ہوتی اور اس کے وہ اصول نہ ہوتے جن سے انسانی ذہن اور صلاحیت نے نئے نئے گل بوٹے پیدا کیے اور دنیا کا دامن بیش قیمت اور عطر بیز پھولوں سے بھر دیا۔ اور اس کا وہ حکیمانہ اور معجزانہ نظام نہ ہوتا جس نے انسانی فکر و تدبر اور اخذ و استنباط کی صلاحیت کو پیدا کر دیا۔ اور

اگر وہ انسانیت کی ایک اہم ضرورت نہ ہوتی تو اس عظیم فقہ کا کوئی وجود نہ ہوتا۔ نہ یہ عظیم اسلامی قانون وجود میں آتا جس سے اس وقت تک ہر قوم کا دامن خالی ہے نہ اتنا بڑا اسلامی کتب خانہ پیدا ہوتا جس کے سامنے دنیا کا سارا مذہبی لٹریچر ہیچ ہے۔ اگر علم کی اشاعت، خدا کی نشانیوں اور اس کی قدرتِ کاملہ میں غور و فکر اور عقل سے کام لینے کی آپ نے اتنی پرزور دعوت نہ دی ہوتی تو یہ شجرِ علم زیادہ دنوں تک برگ و بار نہ لاسکتا اور نہ اس کا سایہ تمام دنیا پر ایسا محیط ہوتا جیسا آج نظر آرہا ہے، عقلِ انسانی پہلے کی طرح پابہ زنجیر ہوتی۔“

میں اس جماعت کو جی بھر کے دیکھ بھی نہ سکا تھا کہ میری نظر ایک اور گروہ پر پڑی جو باب الرحمت سے ہو کر اندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ صلاح و تقویٰ اور زہد و عبادت کے آثار ان کے چہروں سے صاف ظاہر تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ اس جماعت میں حسن بصری، عمر بن عبد العزیز، حضرت سفیان ثوری، فضیل بن عیاض، داؤد الطائی، ابن السّماک، شیخ عبد القادر جیلانی، نظام الدین اولیاء اور عبد الوہاب المتقی رحمہم اللہ جیسے حضرات بھی رونق بخش ہیں جنھوں نے اپنے قابلِ رشک پیشروؤں کی یاد تازہ کر دی۔

نماز کے بعد یہ لوگ بھی قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور اپنے نبی و پیشوا اور سب سے بڑے معلم اور رہنما کی خدمت میں درود و سلام کا تحفہ پیش کرنے لگے، وہ کہہ رہے تھے:

”یا رسول اللہ! اگر ہمارے سامنے وہ عملی مثال نہ ہوتی جو آپ نے پیش فرمائی تھی اور وہ مینارۂ نور نہ ہوتا جس کو آپ نے بعد کے آنے والوں کے لیے قائم فرمایا تھا، اگر آپ کا یہ قول نہ ہوتا کہ ’اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے‘ اگر آپ کی یہ وصیت نہ ہوتی کہ دنیا میں اس طرح زندگی گزارو جس طرح کوئی مسافر یا راہی گزارتا ہے، اگر زندگی کا وہ طرز نہ ہوتا جس کا ذکر حضرت عائشہؓ نے اس طرح کیا ہے کہ ’ایک چاند کے بعد دوسرا چاند دوسرے کے بعد تیسرا چاند نکل آتا تھا اور آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی تھی، نہ چولھے پر دیگچی چڑھانے کی نوبت آتی تھی‘ تو ہم دنیا پر اس طرح آخرت کو ترجیح نہ دے سکتے اور نہ ہم محض گزارہ پر بسر کرسکتے اور نہ قناعت کو اپنی زندگی کا شعار بنا سکتے نہ ہم نفس کی ترغیبات پر قابو پاسکتے اور نہ دنیا کے حسن و جمال اور اس کی رعنائی و زیبائی اور عہدہ و منصب کی طاقت اور کشش کا اس طرح مقابلہ کرسکتے۔“

ان کے حکیمانہ الفاظ ابھی پوری طرح میرے دل و دماغ میں پیوست بھی نہ ہوئے تھے کہ میری نظر ایک اور گروہ پر پڑی جو ”باب النساء“ سے بہت لحاظ اور ادب کے ساتھ گزر رہا تھا۔ ظاہری آرائش اور آزادی کے ان مناظر سے جو اسلامی اصول و آداب کے منافی ہیں، یہ گروہ بالکل محفوظ اور خالی تھا۔ یہ مختلف قوموں اور دور دراز ملکوں کی صالح، عبادت گزار اور عفیف خواتین تھیں جو عرب و عجم اور مشرق و مغرب کے مختلف خطوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ بہت دبی زبان میں اور پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنے جذباتِ تشکر و عقیدت کا اظہار اس طرح کر رہی تھیں:

”ہم آپ پر درود و سلام بھیجتی ہیں یا رسول اللہ! ایسے طبقے کا درود و سلام جس پر آپ کا بہت بڑا احسان ہے۔ آپ نے ہم کو خدا کی مدد سے جاہلیت کی بیڑیوں اور بندشوں، جاہلی عادات و روایات، سوسائٹی کے ظلم اور مردوں کی زور دستی اور زیادتی سے نجات بخشی۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے رواج کو ختم کیا، ماؤں کی نافرمانی پر وعید سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ آپ نے وراثت میں ہم کو شریک اور اس میں ماں بیٹی بہن اور بیوی کی حیثیت سے ہم کو حصہ دلایا۔ یوم عرفہ کے مشہور تاریخی خطبہ میں آپ نے ہمیں فراموش نہیں کیا اور کہا کہ ’عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو، اس لیے کہ تم نے ان کو اللہ کے نام سے حاصل کیا ہے‘۔ اسی طرح مختلف مواقع پر مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک، ادائے حقوق اور بہتر معاشرت کی ترغیب دی تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے طبقے کی طرف سے وہ بہتر سے بہتر جزا دے جو انبیا و مرسلین علیہم السلام اور اللہ کے نیک و صالح بندوں کو دی جاسکتی ہے۔“

یہ نرم آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں کہ ایک اور جماعت نظر آئی جو ”باب السلام“ کی طرف سے آرہی تھی۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ علوم و فنون کے موجد اور مرتب ائمۂ نحو و لغت و بلاغت کی جماعت تھی۔ اس میں ابو الاسود الدکلی، خلیل بن احمد، سیبویہ، کسائی، ابو علی الفارسی، عبد القاہر الجرجانی، السکاکی، مجد الدین فیروز آبادی، سید مرتضی الزبیدی بھی تھے جو اپنے علوم کا سلام پیش کر رہے تھے اور اپنی شہرت اور مرتبۂ علمی کا خراج ادا کرنے آئے تھے۔ میں نے دیکھا وہ بہت بلیغ اور ادبی الفاظ میں اس طرح گویا ہیں:

”یا رسول اللہ! اگر آپ نہ ہوتے اور یہ مقدس کتاب نہ ہوتی جو آپ پر نازل ہوئی، اگر آپ کی احادیث نہ ہوتیں اور یہ شریعت نہ ہوتی جس کے سامنے ساری دنیا نے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے اور وہ اس وجہ سے عربی زبان سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے پر مجبور تھی تو پھر یہ علوم بھی نہ ہوتے جن میں آج ہم کو امامت و قیادت کا شرف حاصل ہے، نحو، بیان، بلاغت ان میں سے کسی چیز کا وجود نہ ہوتا، نہ یہ بڑی بڑی معاجم اور لغات نظر آتیں، نہ عربی زبان کے مفادات میں یہ نکتہ آفرینیاں اور دقیقہ سنجیاں ہوتیں اور نہ ہم اس راستے میں طویل جد و جہد کے لیے

تیار ہوتے (جس کے یہاں زبانوں اور بولیوں کی کوئی کمی نہ تھی) عربی سیکھنے اور اس پر عبور حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہ ہوتی اور نہ ان میں وہ مصنفین اور اہلِ قلم پیدا ہوتے جن کی ادبیت و زبان دانی کا اہلِ زبان نے بھی لوہا مان لیا اور ان کی ادبی ذہانت کا اعتراف کیا۔ یا رسول اللہ! آپ ہی ہمارے درمیان اور اسلام میں پیدا ہونے والے ان علوم کے درمیان واسطہ اور رابطہ تھے جو آپ کی بعثت کے بعد وجود میں آئے۔ درحقیقت صرف آپ ہی عرب و عجم میں رابطہ کا ذریعہ ہیں، آپ ہی کی ذات ہے جس نے اس درمیانی خلا کو پُر کیا اور عرب و عجم اور مشرق و مغرب کو گلے ملا دیا اور شیر و شکر بنا دیا۔ آپ کا کتنا احسان ہے ہماری اس ذہانت، طبّاعی اور تبحّرِ علمی پر اور آپ کا کتنا کرم ہے علم کی اس دولت پر، انسانی عقل کی زرخیزی پر اور قلم کی گل کاری پر۔ یا رسول اللہ! اگر آپ نہ ہوتے تو یہ عربی زبان دوسری بہت سی زبانوں کی طرح صفحۂ ہستی سے ناپید ہو جاتی۔ اگر قرآن مجید کا غیر فانی صحیفہ اس کا پاسبان نہ ہوتا تو اس میں اتنا تغیّر و تبدّل ہو جاتا کہ اس کی صورت ہی مسخ ہو جاتی اور وہ ایک نئی زبان بن جاتی جیسا کہ بکثرت دوسری زبانوں کے ساتھ ہوا ہے۔ عجمی الفاظ اور مقامی زبانیں اس کو جذب کر لیتیں یا نگل لیتیں اور اس کی صحت و اصلیت یکسر ختم ہو جاتی۔ یہ آپ کے وجودِ مبارک، شریعتِ اسلامی اور اس کتابِ مقدس کا فیض ہے جس نے اس زبان کو فنا کی دست و برد سے محفوظ رکھا ہے اور عالمِ اسلام کے لیے اس کی عزت و محبت واجب کر دی ہے اور ہر مسلمان کے دل کو اس کا اسیرِ محبت بنا دیا ہے۔ آپ ہی کی توجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو دوام بخشا اور اس کی بقا و ترقی کی ضمانت دی۔ اس لیے ہر اس شخص پر جو اس زبان میں بات کرتا ہے یا لکھتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے یا اس کی دعوت دیتا ہے آپ کا احسان ہے اور وہ اس احسان کا کبھی منکر یا اس سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔‘‘

میں ان کے اس تشکر و اعتراف اور اظہارِ حقیقت کو غور سے سن رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ ’’باب عبد العزیز‘‘ پر جا کر ٹھہر گئی۔ اس دروازے سے ایک ایسا گروہ داخل ہو رہا تھا جس پر مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے رنگ نمایاں تھے۔ اس میں دنیا کے بڑے بڑے سلاطین اور تاریخ کے ممتاز ترین بادشاہ اور فرماں روا شامل تھے۔ ہارون الرشید، ولید بن عبد الملک، ملک شاہ سلجوقی، صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، ظاہر بیبرس، سلیمان اعظم اور اورنگ زیب عالمگیر بھی اس گروہ میں شامل تھے۔ انھوں نے اردلیوں اور چوب داروں کو دروازے کے باہر ہی چھوڑ دیا تھا اور نظریں جھکائے ہوئے تواضع و انکسار کا مجسمہ بنے ہوئے بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہوئے چل رہے تھے۔ میری نظر کے سامنے ان سب کی شخصیتیں اور کارنامے ابھرنے لگے۔ میری آنکھوں میں اس طویل و عریض دنیا کا نقشہ پھر گیا جس پر ان کا سکہ چلتا اور ان کا ڈنکا بجتا تھا۔ ان کی بادشاہی اور فرماں روائی کی تصویر یکا یک میرے سامنے آ گئی جو ان کی دنیا کو بڑی بڑی قوموں، طاقت ور سلطنتوں اور جابر بادشاہوں پر حاصل تھی۔ ان میں وہ ہستی بھی تھی جس نے بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر یہ جملہ کہا تھا:

’’تو جہاں چاہے جا کے برس، تیرا خراج آخر کار میرے ہی خزانے میں آئے گا۔‘‘

وہ شخص بھی تھا جس کی سلطنت کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ اگر سب سے تیز رفتار سانڈنی سوار سلطنت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانا چاہتا تو یہ پندرہ ماہ سے کم میں ناممکن تھا۔ ان میں وہ فرماں روا بھی تھے جو نصف کرۂ ارض پر حکومت کرتے تھے۔ اور بڑے بڑے بادشاہ ان کو خراج پیش کرنے پر مجبور تھے۔ ایسے فرماں روا بھی تھے جن کی ہیبت سے سارا یورپ لرزہ براندام تھا اور جن کے زمانے میں مسلمانوں کو عزت کا یہ مقام حاصل تھا کہ جب وہ یورپ کے ملکوں میں جاتے تھے تو ان کے دین کے احترام اور ان کے غلبہ و سطوت سے گرجا گھروں کے گھنٹے نہ بجتے۔ غرض اسی طرح کے نجانے کتنے بادشاہ اور فرماں روا اس مجمع میں موجود تھے۔ وہ مسجدِ نبوی میں نماز ادا کرنے کے لیے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ حضور کی خدمت میں درود و سلام کا ہدیہ پیش کرنا چاہتے تھے اور اس کو اپنے لیے سب سے بڑا اشرف و اعزاز اور سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش ان کی یہ نماز اور یہ ہدیۂ درود و سلام قبول فرمایا جائے۔

میں نے دیکھا کہ وہ لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ آگے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے دلوں پر ہیبت طاری تھی یہاں تک کہ وہ ’صُفّہ‘ کے نزدیک پہنچ گئے جو فقرا صحابہ کا مسکن اور جائے قیام تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے وہاں رک گئے اور عزت و احترام اور شرم و حیا کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس جگہ کو دیکھنے لگے جو کبھی ان فقرا و مساکین کا ٹھکانہ تھا جن کے قدموں کی خاک کو یہ اپنی آنکھ کا سرمہ بنانے کو تیار ہیں۔

اس کے قریب ہی انھوں نے تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعتیں پڑھیں اور قبر مبارک کی طرف بڑھے اور پھر ان کی محبت و عقیدت، جذبات و احساسات اور علم و ایمان نے جو کچھ کہلوایا وہ انھوں نے اس بارگاہِ نبوی میں عرض کیا۔ لیکن شریعت کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے اور توحیدِ خالص کو پیش نظر رکھ کر۔ میں نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے:

’’اے خدا کے رسول! اگر آپ نہ ہوتے اور آپ کا یہ جہاد اور یہ دعوت نہ ہوتی جو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئی اور جس نے بڑے بڑے ملکوں کو فتح کر لیا، اور اگر آپ کا یہ دین نہ ہوتا جس پر ایمان لانے کے بعد ہمارے آبا و اجداد گوشۂ عزلت اور قعرِ مذلّت سے نکل کر عزت و سربلندی، بلند ہمتی و حوصلہ مندی کی وسیع زندگی میں داخل ہوئے، پھر اس کے نتیجے میں انھوں نے بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں اور دور دراز ملکوں کو فتح کیا اور ان قوموں سے خراج وصول کیا جو کسی زمانے میں ان

کو اپنی لاٹھی سے ہانکتی تھیں اور بھیڑ بکری کے گلّے کی طرح ان کی پاسبانی اور حفاظت کرتی تھیں۔ اگر جاہلیت سے اسلام کی طرف اور گوشۂ گمنامی اور تنگ و محدود قبائلی زندگی سے تسخیرِ عالم کی طرف یہ مبارک سفر نہ ہوتا جو آپ کی برکت سے انجام پذیر ہوا تو دنیا میں کسی جگہ بھی ہمارا جھنڈا سربلند نہ ہوتا اور نہ ہماری کہانی کسی جگہ سنائی جاتی۔ ہم اسی طرح بے آب و گیاہ خشک و ویران صحراؤں میں اور حقیر وادیوں میں دست و گریبان رہتے، جو طاقت ور ہوتا وہ کمزور پر ظلم کرتا، بڑا چھوٹے پر زیادتی کرتا؛ ہماری غذا بہت ہی حقیر اور معیارِ زندگی اتنا پست تھا کہ اس سے زیادہ پست کا تصور مشکل ہے۔ ہم اس گاؤں یا محدود قبیلے سے آگے بڑھ کر کچھ سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے جس میں ہماری ساری زندگی اور ساری جدوجہد محصور تھی۔ ہماری مثال تالاب کی مچھلیوں اور کنویں کے مینڈکوں کی سی تھی۔ ہم اپنے محدود تجربوں کے جال میں گرفتار تھے اور اپنے جاہل اور بے عقل آباو اجداد کے گن گاتے تھے۔

یارسول اللہ! آپ نے ہم کو اپنے دین کی ایسی روشنی عطا فرمائی کہ ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ خیال میں وسعت پیدا ہوئی، نظر کو جِلا ہوئی۔ اس کے بعد ہم اس وسیع اور جامع دین اور اس کے روحانی رشتہ و رابطہ کو لے کر خدا کی وسیع اور کشادہ زمین میں پھیل گئے۔ ہماری مردہ و خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوئیں اور ہم نے ان صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے شرک وبت پرستی اور ظلم وجہالت کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا اور ایسی عظیم الشان حکومتیں قائم کیں جن کے سائے میں ہم اور ہماری اولاد اور ہمارے بھائی صدیوں تک آرام اور فائدہ اٹھاتے رہے۔

آج ہم آپ کی خدمت میں غلامانہ نذرِ عقیدت پیش کرنے آئے ہیں اور اپنے جذبۂ محبت اور عزت و احترام کا خراج یا ٹیکس اپنی خوشی و مرضی سے ادا کر رہے ہیں اور اس کو اپنے لیے باعثِ فخر اور وسیلۂ نجات سمجھتے ہیں۔ ہمیں پورا اعتراف ہے کہ اس دین کے احکام و قوانین کے نفاذ کے سلسلہ میں (جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو سرفراز کیا تھا) ہم سے یقیناً بڑی کوتاہی ہوئی۔ ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔“

میں ان بادشاہوں کی طرف متوجہ تھا، میری نظریں ان کے خاموش اور باادب چہروں پر مرکوز تھیں، میرے کان ان کے ان پرخلوص نیاز مندانہ الفاظ پر لگے ہوئے تھے جو اس سے قبل میں نے ان سے کسی موقع پر نہیں سنے تھے کہ ایک اور جماعت داخل ہوئی اور ان بادشاہوں اور فرماں رواؤں کی پروا کیے بغیر ان کی صفوں سے ہوتی ہوئی سامنے آگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان بادشاہوں کے رعب و دبدبہ اور قوت و اقتدار کا ان پر کوئی اثر نہیں ہے ۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یا تو یہ شاعر ہیں یا انقلابی۔ یہ اندازہ غلط نہ تھا۔ اس لیے کہ یہ جماعت ان دونوں گروہوں پر مشتمل تھی۔ انھوں نے ایک کو اپنا ترجمان بنایا اور لائق ترجمان نے ان الفاظ میں اپنے جذباتِ عقیدت کا اظہار کیا:

”خواجۂ کونین، سالارِ بدر وحنین، یارسول اللہ! میں آپ سے اس قوم کی شکایت کرنے آیا ہوں جو آج بھی آپ کے خوانِ نعمت کی ریزہ چیں ہے اور آپ کے سایۂ رحمت کے سوا اس کو کہیں پناہ نہیں ملتی اور آپ ہی کے لگائے ہوئے باغ کے پھل کھا رہی ہے۔ وہ ان ملکوں میں، جن کو آپ نے قفسِ استبداد سے آزاد کرایا تھا اور سورج کی روشنی اور کھلی ہوا عطا کی تھی، آج آزادی کے ساتھ اور اپنی حیثیت کے مطابق حکومت کر رہی ہے۔ لیکن یہی قوم آج اسی بنیاد کو اکھاڑ رہی ہے جس پر اس عظیم امت کے وجود اور عظمت کا دارو مدار ہے۔ اس کے رہنما و لیڈر آج یہ کوشش کر رہے ہیں کہ امتِ واحدہ کو کثیر التعداد قومیتوں میں تقسیم کر دیں۔ وہ اسی چیز کو زندہ کرنا چاہتے ہیں جس کو آپ نے ختم کیا تھا، اسی چیز کو بگاڑ رہے ہیں جس کو آپ نے بنایا تھا اور اس امت کو عہدِ جاہلیت کی طرف لے جا رہے ہیں جس سے آپ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکالا تھا۔ اور اس معاملہ میں یورپ کی تقلید کر رہے ہیں جو خود زبردست ذہنی افلاس اور انتشار و بے یقینی کا شکار ہے۔ وہ اللہ کی نعمت کو ناشکری سے تبدیل کر کے اپنی قوم کو تباہی کے گھر کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ آپ نے جن بتوں سے کعبہ کو پاک کیا تھا وہ آج مسلمانوں کے سروں پر نئے ناموں اور نئے لباسوں میں پھر مسلط کیے جا رہے ہیں۔ مجھے عالمِ عربی کے بعض حصوں میں، جن کو آپ کا مرکز اور قلعہ ہونا چاہیے تھا، ایک عام بغاوت نظر آ رہی ہے لیکن کوئی فاروقؓ نہیں۔ فکری و ذہنی ارتداد کی آگ تیزی سے پھیل رہی ہے اور کوئی ابوبکرؓ نہیں جو اس کے لیے مردانہ وار میدان میں آئے اور اس آگ کو بجھائے۔“

یہ بلیغ اور یقین و ایمان سے لبریز الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ مسجدِ نبوی کے میناروں سے اذان کی دل نواز صدا بلند ہوئی۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ میں یک بارگی ہوشیار ہو گیا اور تخیلات کا یہ حسین سلسلہ جو تاریخ کے سہارے قائم ہو گیا تھا، ٹوٹ گیا اور میں پھر اسی دنیا میں واپس آ گیا جہاں سے چلا تھا۔ کچھ لوگ نماز میں مشغول تھے اور کچھ تلاوت کر رہے تھے۔ عالمِ اسلام کے مختلف وفود اور جماعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کر رہی تھیں۔ زبانوں اور لہجوں کے اختلاف کے ساتھ جذبات و تاثرات کے اتحاد نے ایک عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

خیر خواہی یا بد خواہی؟

استاد اسامہ محمود (امیر جماعت القاعدہ برّصغیر)

اصل خیر خواہی کیا ہے اور ہم خیر خواہی کس کو سمجھتے ہیں، اپنی اولاد، بھائی، دوستوں اور نسلِ نو کے حق میں ہماری کیا چیز بھلائی ہے، ہمدردی ہے، ان کے اوپر شفقت ہے اور کیا چیز ان کے حق میں فی الحقیقت زیادتی ہے، یہ جانچنے کے لیے آیئے سیرتِ رسول ﷺ کے ایک اہم پہلو پر غور کرتے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی کتابِ عظیم میں گواہی دی ہے، اعلان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت پر بہت زیادہ شفیق اور مہربان ہیں۔ ملاحظہ ہو کہ اس تعبیر کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے کس شدت کے ساتھ اور کتنے مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے، اللہ کا فرمان ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ

فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ﴾ تمہارے پاس اللہ کے رسول ﷺ آئے ہیں، جو تم ہی میں سے ہیں، تمہاری ہی طرح گوشت پوست کے ہیں، جس طرح تمہیں دکھ درد ہوتا ہے، اسی طرح آپ ﷺ بھی اسے محسوس کرتے ہیں، لہٰذا یہ نہ سمجھو کہ وہ تمہارا درد محسوس نہیں کرتے۔ پھر فرمایا: ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ جو چیز تمہیں تکلیف دے، وہ آپ ﷺ پر بہت شاق ہوتی ہے، آگے فرمایا: ﴿حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ﴾ تمہیں فائدہ پہنچانے کے لیے بہت حریص ہیں۔ آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ سبحان اللہ! یہ فرمانے کے بعد، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مزید تاکید کرتے ہیں: ﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ مومنین پر آپ بے حد مہربان اور انتہائی شفیق ہیں۔ ﷺ!

اب آیئے! ذرا قرآن میں اس آیت کریمہ کے موقع محل اور پھر آپ ﷺ کی سیرت پر غور کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے جس آیت میں یہ بلیغ اور انتہائی عظیم گواہی دی ہے، یہ سورۂ توبہ کی آخری آیات میں سے ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ التوبہ اور الانفال، دونوں ساتھ جڑی سورتیں ہیں، جو ایک دوسرے کا حصہ سمجھی جاتی ہیں اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ مضمون کے لحاظ سے دونوں کا ایک ہی موضوع ہے، 'جہاد وقتال'۔ نبی ﷺ کا صحابۂ کرام کو جہاد پر نکالنے، جن صحابہ نے قتال میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا ان کی تعریف کرنے، جن افراد نے بلا عذر شرعی پیچھے بیٹھنے کو ترجیح دی، ان کی مذمت کرنے، انہیں وعید سنانے اور جہاد و قتال ہی سے متعلق دیگر اہم امور کا اس میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس پورے مضمون کا خاتمہ پھر اس اعلان پر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ صحابہ پر بہت زیادہ مہربان اور شفیق ہیں۔ گویا جس عمل جہاد کی ان آیات میں تحریض دی گئی ہے اور آپ ﷺ نے جو تمہیں اس کے کٹھن راستوں پر ڈالا، یہ سب تمہارے ساتھ خیر خواہی ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ ﷺ تم پر بہت زیادہ شفیق ہیں۔ آپ ﷺ نے صحابۂ کرام پر کس انداز میں یہ شفقت فرمائی، چند مناظر یہاں ملاحظہ ہوں:

یہ میدان بدر ہے، آپ ﷺ نے مشرکین کے ہزار، کیل کانٹے سے لیس جنگجوؤں کے مقابل اپنے محض تین سو تیرہ صحابہ کو لا کھڑا کر دیا ہے۔ صحابہ کی تعداد بھی انتہائی کم ہے اور ان کے پاس ہتھیار بھی برائے نام ہیں۔ سورۃ توبہ کی آیت بتاتی ہے کہ آپ ﷺ کا اپنے صحابہ کو مدینہ کی راحت چھڑوا کر دشمن کی تلواروں اور نیزوں کے سامنے لا کھڑا کرنا اور بظاہر موت کے منہ میں انہیں لے جانا، یہ آپ ﷺ کی صحابہ کے ساتھ خیر خواہی ہے بدخواہی نہیں۔

بدر کے صرف ایک سال بعد، غزوۂ احد میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو جب میدان کارزار میں اتارا تو اُس وقت پوری امت ہی کی تعداد کل کتنی تھی؟ بہت کم، مگر اس کے باوجود آپ ﷺ سات سو صحابہ کرام کے ساتھ مشرکین مکہ کے تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل لشکرِ جرار کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ نتیجے میں فقط ایک دن کے اندر، بلکہ چند لمحوں میں ستر صحابہ شہید ہو گئے اور اس سے کہیں زیادہ تعداد ان کی زخمی ہو گئی۔ شہداء میں آپ ﷺ کے انتہائی محبوب چچا سیدنا حمزہ، مصعب بن عمیر، عبد اللہ بن جحش اور سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہم جیسے عظیم صحابہ شامل ہیں، دیگر شہداء میں بھی ہر ایک اپنی جگہ انتہائی قیمتی ہیرا تھے۔

اُحد کے اس میدان میں دل کے یہ ستر ٹکڑے دفن کرنے کے بعد جب یہ قافلہ مدینہ منورہ لوٹا، تو آپ ﷺ نے پہنچتے ہی اعلان کروایا کہ ہتھیار نہیں اتارنے، آرام نہیں کرنا، بلکہ دشمن کے خلاف ایک دفعہ پھر میدان میں نکلنا ہے۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ صرف وہ صحابہ ہی ساتھ چلیں جو ابھی جنگ سے واپس لوٹے ہیں، گویا جو اُحد میں ساتھ نہیں تھے، وہ ابھی ساتھ نہ نکلیں!

سبحان اللہ! اس اعلان کے بعد کیا ہوا؟ وہ جو بری طرح تھکے ہوئے تھے، جن کے زخم خوردہ جسموں کو ابھی آرام کی ضرورت تھی، انہوں نے یہ پکار جب سنی تو درد والم کا خیال نہیں رہا۔ جسم بوجھل، قوت مضمحل، ایک اور جنگ کے لیے جانا۔ مگر انہیں کوئی چیز بھی بیٹھنے پر مجبور نہ کر سکی، وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ مرہم جو ابھی زخموں پر لگ بھی نہیں سکا تھا، پھینکا گیا اور یوں دکھوں اور زخموں سے چُور یہ قافلہ دوبارہ جنگ پر آمادہ، انتہائی کٹھن سفر کے لیے چل پڑا۔

اس لشکر میں دو انصاری بھائیوں کا واقعہ بھی سیرت کی کتابوں نے نقل کیا ہے[1]، یہ دونوں شدید زخمی ہیں۔ ان کے پاس پہلے ایک سواری تھی مگر وہ بھی احد میں کام آگئی، اب سواری بھی نہیں، اور دونوں کے زخم بھی معمولی نہیں، بہت گہرے ہیں۔ اعلان سن کر یہ دونوں بھی کھڑے ہوگئے، جس بھائی کے زخم زیادہ گہرے ہیں، وہ گرنے لگتا ہے تو دوسرا بھائی، اسے پیٹھ پر اٹھا کر آگے بڑھتا ہے، یہ اٹھانے والا خود بھی ضعیف، زخمی اور تھکا ہوا ہے، مگر بھائی کو اٹھا کر تھوڑا آگے لے جاتا ہے۔ جب اُس کی طبیعت چلنے کے قابل ہو جاتی ہے تو وہ خود چلنا شروع کرتا ہے، مگر آگے جب پھر سے وہ گرنے لگتا ہے تو زخمی بھائی دوبارہ اپنی پیٹھ پیش کرتا ہے۔ اس حال میں یہ آٹھ میل کا سفر طے کرکے حمراء الاسد پہنچتے ہیں۔ تصور کریں، اس قافلے کو اس حالت میں لے جانا، جنگ کے ایک میدان سے نکال کر اسی وقت دوسرے میدان میں اسے اتارنا۔ یہ عمل بھی آپ ﷺ کا رحم تھا، یہ شفقت تھی اور اس کا سبب امتیوں کے ساتھ آپ ﷺ کی خیر خواہی ہی تھا۔

حمراء الاسد ہی کا ایک اور واقعہ، ایک دوسرا منظر ملاحظہ ہو۔[2] جب یہ لشکر مدینہ سے نکلنے لگا تو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ میں بھی ساتھ چلوں؟ میرے والد اُحد میں شہید ہوگئے ہیں، جاتے وقت انہوں نے مجھے میری بہنوں کے ساتھ چھوڑا تھا، کہا تھا عورتوں کو اکیلے چھوڑنا مناسب نہیں، ابا جی شہید ہوگئے، اب میں اکیلا ہوں، مگر میں نہیں چاہتا کہ آپ ﷺ تو جنگ پر نکلیں اور پیچھے میں گھر بیٹھا رہوں! سبحان اللہ! ذرا رکیے، سوچیے! احد میں جابر رضی اللہ عنہ شریک نہیں تھے، اب اصولاً آپؓ کو نکلنا نہیں چاہیے تھا، خود آپ ﷺ نے اعلان کروایا تھا کہ جو احد میں شریک نہیں ہوئے، وہ اب ساتھ نہ نکلیں، دوسرا یہ کہ اُحد جاتے وقت والد نے انہیں بہنوں کے ساتھ جب چھوڑا تھا، تو اب تو والد شہید ہوگئے، اب تو گھر میں ان کی پہلے سے زیادہ ضرورت تھی، مگر اس کے باوجود جابر رضی اللہ عنہ کو دیکھیے کہ وہ نکلنے کی اجازت مانگ رہے ہیں! اور اس کے بعد آپ ﷺ کی طرف بھی نظریں اٹھایے کہ آپ ﷺ نے کیا جواب دیا؟ آپ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کی طرف التفات کیا اور فرمایا 'آؤ جابر! ساتھ چلو!' اجازت دے دی گئی!

عمرو ابن الجموح رضی اللہ عنہ معذور تھے، آپؓ کی ٹانگ میں لنگڑاہٹ تھی اور یہ لنگڑاہٹ بھی کم نہیں، بہت زیادہ تھی، آپ کے چار ایسے خوش نصیب جوان بیٹے بھی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک رہتے تھے، اُحد کی طرف نکلنے کا وقت آیا تو عمرو ابن الجموح رضی اللہ عنہ نے پیچھے رہنا گوارا نہیں کیا، بیٹوں نے سمجھایا بجھایا، منع کیا، کہا کہ 'ہم کافی ہیں، ہم آپ ﷺ کے ساتھ جارہے ہیں، آپ معذور ہیں، آپ کو نہیں نکلنا چاہیے'۔ حضرت عمرو نہیں مانے اور اپنی بات، مطالبے پر مُصر رہے، قضیہ آپ ﷺ کے پاس لایا گیا، آپ ﷺ نے حضرت عمرو سے فرمایا: ''آپ کا تو عذر ہے، اللہ نے آپ سے جہاد کی فرضیت ساقط کردی ہے۔''، جبکہ ان کے بیٹوں کی طرف رُخ کرکے فرمایا: ''آپ کو انہیں روکنا نہیں چاہیے، کیا پتہ اللہ انہیں شہادت سے سرفراز کردیں''، یوں حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ جیسے معذور شخص کو بھی آپ ﷺ نے اپنے ساتھ شامل جنگ کیا اور وہیں پر آپ رضی اللہ عنہ لیلائے شہادت سے جاملے۔ آپ ﷺ نے ان کی شہادت کے بعد فرمایا ''میں دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی لنگڑی ٹانگ کے ساتھ جنت میں چل پھر رہے ہیں!''

غزوہ موتہ میں دیگر صحابہ کے ساتھ جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے، آپ ﷺ جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر اطلاع دینے آئے، ان کے بچوں کو سینے سے لگایا، رخسارِ مبارک پر آنسو بہہ رہے ہیں، جعفرؓ کا فراق چھوٹا غم نہیں تھا، ابھی تھوڑا ہی عرصہ پہلے تو آپؓ حبشہ سے لوٹے تھے جہاں آپؓ نے دس سال گزارے تھے۔ خیبر کی فتح کے دن جب آپ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا، مجھے نہیں معلوم کہ خیبر کی فتح پر مجھے زیادہ خوشی ہے یا جعفرؓ کی واپسی پر۔ مگر جیسے ہی جہاد کا موقع آیا، دس سال بعد آئے ہوئے اس جگر کے ٹکڑے کو آپ ﷺ نے اپنے پاس نہیں رکھا، بلکہ رومیوں کے ایک عظیم لشکر کے خلاف روانہ کردیا، کیوں؟ اس لیے کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کو فائدہ پہنچانے کے لیے بہت حریص تھے۔

سورۃ التوبۃ میں اُن تین صحابہ کا بھی ذکر ہے جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ جلیل القدر صحابہ اس سے پہلے کسی اہم غزوے سے پیچھے نہیں رہے تھے۔ رسول کریم ﷺ کو ان کے ایمان واخلاص پر کوئی شک نہیں تھا۔ مگر یہ کیا کہ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ قطع تعلق کردیا، صحابہ کو بھی امر ہوا 'ان کے ساتھ بات نہ کریں'، چالیس دن تک مکمل سوشل بائیکاٹ رہا! صحابہ کے بیچ رہتے ہوئے بھی یہ تین صحابہ بالکل تنہا ہوگئے تھے، حضرت کعبؓ مسجد نبوی آتے ہیں، نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے ہیں تو آپ ﷺ کی نظریں ان پر جمی رہتی ہیں، آپ ﷺ انہیں دیکھتے ہیں، مگر سلام پھیرتے ہی آپ ﷺ منہ دوسری طرف پھیر لیتے ہیں، بیویوں تک کے متعلق بھی حکم دیا گیا کہ ان سے جدا ہوجائیں۔ زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان کے لیے تنگ ہوگئی تھی۔ کیوں؟ کیا غلطی سرزد ہوئی تھی ان سے؟ میدانِ جہاد سے پیچھے رہ جانا کوئی کم بڑی غلطی نہیں تھی!

یہ چند واقعات نہیں! رسول کریم ﷺ کی پوری سیرت گواہی دیتی ہے کہ آپ ﷺ نے امت کو جہاد و قتال کا کٹھن راستہ اپنانے کا حکم دیا، اسے فرض قرار دیا، اس کی محبت کو دنیا و مافیہا کی محبت پر ترجیح دینے کا درس دیا، اور خود عملی نمونہ بن کر انہیں اس انتہائی مشقت بھری راہ پر چلایا اور ان کی قیادت کی۔ ایک طرف سیرت کا یہ پہلو ہے، یہ پیغام ہے، جو واضح اور اظہر من الشمس ہے۔ دوسری طرف قرآن کی یہ آیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ امت پر شفیق و رحیم ہیں اور اہل ایمان کے لیے بہت زیادہ حریص ہیں، یہ دو پہلو کیسے ایک دوسرے کی تشریح کرتے ہیں؟

مفسر قرآن امام رازی رحمہ اللہ اس متعلق لکھتے ہیں:

[1] سیرۃ ابن ہشام

[2] ایضاً

”(سورۂ توبہ کی اس آیت میں) اللہ فرماتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت پر شفیق ورحیم ہیں جبکہ دوسری طرف یہی سورۃ بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو (جہاد و قتال کے) ایسے کٹھن اعمال پر ڈال دیا جو صرف وہ لوگ ہی کر سکتے ہیں جنہیں اللہ توفیق عطا فرمائیں، (اب اس کا کیا معنی ہے؟) یہ معنی سمجھنے کے لیے ہم ایک ماہر طبیب اور شفیق والد ہی کی مثال سامنے رکھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ان کٹھن راہوں پر ڈالا ہی اس لیے کہ انہیں ہیشگی کے عذاب سے نجات مل جائے اور دائمی اجر وثواب والی کامیابی انہیں نصیب ہو۔“[۳]

اہل ایمان کو جہاد فی سبیل اللہ جیسی مشقت میں ڈالنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عین خیر خواہی ہے، یہ فردِ مسلم پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت واحسان ہے اور پوری امت پر بھی۔ ظاہر ہے کہ کسی کام کی مشقت و راحت دیکھ کر اس کے فائدہ ونقصان کا فیصلہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ نتائج ہوا کرتے ہیں جو اس کے مفید و مضر کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ﴿وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ﴾[۴] دنیا میں بھی کیا کوئی ایک بھی ایسی اعلیٰ خیر وکامیابی ہے جو بغیر محنت ومشقت کے مل جاتی ہو؟

ہمارے لیے آج سیرت کا یہ پہلو سمجھنا اس لیے مشکل ہے کہ ہم نے دنیاوی سود وزیاں کو ہی اصل خیر وشر سمجھا ہوا ہے، حالانکہ دنیا کی زندگی کل کتنی ہے؟ یہ دنیا تو دار الامتحان ہے، اس چار دن کی زندگی کی خیر یا اس کا شر موت کے بعد معلوم ہوگا اور اگر ہم نے دنیا کی راحت، اس کے عارضی فائدے اور اس کی ترقی کو اپنا اصل مطمح نظر سمجھ لیا تو یہ ہماری آخری حد تک کوتاہ نظری ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لامحدود احسانوں میں سے ایک عظیم احسان یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو کوتاہ نظری کی ذلت میں گرنے سے بچایا اور نظر کی ایک ایسی بلندی اس کو عطا کر دی جو اس کو حیوانات کی سطح سے اٹھا کر اشرف المخلوقات کے مقامِ عظیم پر پہنچاتی ہے، دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مقابل حب الٰہی اور فکر آخرت دلوں میں بٹھائی اور یہ عظیم درس بھی پھر امت کو دیا کہ دین کی محبت، اللہ، رسول اور جہاد فی سبیل اللہ کی محبت ہر دوسری محبت سے اگر زیادہ نہ ہو تو یہ وہ بدترین سودا ہے جو بدترین اور ناقابل تلافی تباہی اپنے پیچھے لاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

مَنْ خَافَ أَدْلَجَ، وَمَنْ أَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللَّهِ غَالِيَةٌ أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللَّهِ الْجَنَّةُ (الترمذی و صحیح ابن حبان)

”جس کو (نقصان کا) ڈر ہو، وہ رات (کے آغاز میں ہی) سفر شروع کر دیتا ہے، اور جو آغازِ شب میں روانہ ہوتا ہے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے، سن لو! اللہ کا سودا قیمتی ہے، سن لو! اللہ کا سودا جنت ہے۔“

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت، اللہ کی رضا اور اس کی دائمی جنتیں، کیا یہ سب کچھ ان کی قیمت ادا کیے بغیر مل جائیں گی؟ ان کی قیمت کیا ہے؟ یہ قیمت اپنا تن من دھن، اللہ کے حوالے کرنا اور اس کے راستے میں قتل کرنا اور قتل ہونا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ (سورۃ التوبۃ: ۱۱۱)

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔“

جس وقت دین وامت کی حالت گھر سے نکلنے کا تقاضا کرتی ہو، راہ جہاد پر جب نکلنے کی بار بار نفیر (پکار) دی جاتی ہو، ایسے حال میں بھی جب پیچھے بیٹھنا گوارا کیا جاتا ہے تو اللہ رب العزت نے ایسے بیٹھ جانے والوں کو ہی تنبیہ دی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ○ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (سورۃ التوبۃ: ۳۸، ۳۹)

”اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلو تو تم زمین پر گرے جاتے ہو؟ (یعنی گھروں سے نکلنا نہیں چاہتے) کیا تم آخرت کی نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو؟ دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابل بہت ہی کم ہیں۔ اگر تم نہ نکلو گے تو خدا تم کو بڑی تکلیف کا عذاب دے گا۔ اور تمہاری جگہ اور لوگ پیدا کر دے گا (جو خدا کے پورے فرمانبردار ہوں گے) اور تم اسکو کچھ نقصان نہ پہنچا سکو گے۔ اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“

کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں راہ جہاد کی اہمیت اس حقیقت کو بالکل واضح کر کے چھوڑتی ہے کہ اسلام وکفر میں فرق کلمہ طیبہ کرتا ہے جبکہ ایمان ونفاق کے بیچ فرق جہاد فی سبیل اللہ سے ہوتا ہے، سورۃ توبہ ہی میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

---

[۳] تفسیر: مفاتیح الغیب

[۴] سورۃ البقرۃ: ۲۱۶؛ ترجمہ: ”ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور دراصل وہی تمہارے لیے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھا سمجھو، حالانکہ وہ تمہارے لیے بری ہو“۔

﴿لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ○ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ﴾ (سورة التوبة: ۴۴، ۴۵)

”جو لوگ خدا پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تم سے اجازت نہیں مانگتے (کہ جہاد سے پیچھے رہ جائیں بلکہ چاہتے ہیں کہ) اپنے مال اور جان سے جہاد کریں۔ اور خدا پرہیز گاروں سے واقف ہے۔ یہ اجازت تو تجھ سے وہی طلب کرتے ہیں جنہیں نہ اللہ پر ایمان ہے نہ آخرت کے دن کا یقین ہے، جن کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے شک میں ہی سرگرداں ہیں“۔

آج اس راستے پر نہ نکلنے اور دنیا کے ساتھ چمٹ جانے کی قیمت پوری کی پوری امت چکا رہی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ﴾ اگر تم اہل ایمان ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ہو، جہاد وہجرت کی راہوں پر اگر قدم نہیں رکھتے ہو، تو پھر جان لو! زمین پر فتنہ اور فساد کا غلبہ ہو گا، شرک، ظلم اور گمراہی پوری کی پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ آج کا فتنہ وفساد کوئی معمولی نہیں، جس بھرپور انداز میں یہ پوری دنیا پر مسلط ہو رہا ہے، تاریخ انسانی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ غزہ کو جہنم بنا دیا گیا، اس کا تو نام لیتے اب دل کانپ جاتا ہے، کیوں؟ امت کی یہ بدترین حالت آخر کیوں بن گئی؟ یہ اللہ کا نام لینا، دین وشریعت کی بات کرنا جرم عظیم کیوں بن گیا؟ یہ شر اور اہل شر ہر جگہ غالب جبکہ خیر مغلوب کیوں ہو گئی ہے؟ سبب ایک ہے، اور وہ یہی کہ ہم نے خود اپنے ساتھ پہلے اور پھر ایک دوسرے کے ساتھ، خیر خواہی کو بدخواہی اور شفقت وہمدردی کو زیادتی و بے دردی کا نام دیا ہوا ہے۔

جہاد کی فرضیت کے متعلق آج کسی کو کوئی ابہام نہیں ہے، یہ حکم مزید کسی فتویٰ کا آج محتاج نہیں رہا، شرق وغرب کے معروف علمائے کرام تک بھی اب اس کی فرضیت کا اعلان کر چکے ہیں، اور جن وجوہات کے باعث یہ آج فرض ہے، غزہ وقدس کی حالتِ زار ہو یا پوری امت کی صورتِ حال، یہ بہانگ دُہل ہر سننے والے کو پکارتی ہے، جھنجھوڑتی ہے کہ اللہ کے دین کی خاطر لڑنا آج فرد فرد پر فرض ہو گیا ہے اور اگر یہ آج فرض نہیں تو پھر کب ہو گا؟ ایسے حالات میں پھر کیسے کوئی شک کر سکتا ہے کہ اللہ کے ہاں کامیابی اور سرخروئی اس راہِ پُرخطر پر قدم رکھے بغیر بھی مل سکتی ہے؟ جہاد کی یہ فرضیت ایسی حقیقت کا روپ دھار چکی ہے کہ کوئی ایک بھی صاحبِ علم وتقویٰ آج اس کا رد نہیں کر سکتا۔ اور جب یہ حال ہے تو پھر ذرا ٹھہر کر سوچیے! آج کے اس دور میں، پھر وہ فرد، یا وہ قائد، ہمارا خیر خواہ ہو گا یا بہت ہی بڑا بدخواہ جو ہمیں اس راہِ ناگزیر سے دور کرتا ہو، لیت ولعل کر کے اس کی راہ میں روڑے اٹکاتا ہو اور اس کے برعکس ایسے راستوں پر ہمیں ڈالتا ہو جس پر چلنا دین کا تقاضا نہ ہو؟

آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

"أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ "

ہم میں سے ہر فرد پہلے اپنے متعلق اللہ کو جواب دہ ہے اور پھر اس کے متعلقین اور حلقۂ اثر کے بارے میں بھی اس سے بازپرس ہو گی، ایسے میں ہم میں سے ہر ایک پہلے خود اپنے گریبان میں جھانکے، پھر اپنے گھر، جماعت اور اُس حلقۂ اثر پر نظر ڈالے جہاں اس کی بات سنی جاتی ہے۔ اگر تو ہم نے امت کی اس نازک ترین حالت میں بھی جہاد وقتال سے اپنا آپ الگ رکھا، اپنی اولاد اور ساتھیوں کو اس کی جگہ دیگر ایسی سرگرمیوں اور تحریکوں پر ڈالا ہو جن کی اس وقت دین وامت مطالبہ نہیں کرتی ہو، تو ہم اپنے اس طرز عمل کے لیے چاہے ہزار تاویلیں پیش کریں، لاکھ توجیہات بیان کریں، حقیقت یہی ہے کہ ہم اپنے ساتھ بھی مخلص نہیں اور اپنے متعلقین کے ساتھ بھی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ امت کا کوئی خیر خواہ نہیں! آپ ﷺ نے جب غلبہ دین کی خاطر اپنے محبوب ترین صحابہ کو موت کی وادیوں میں اتارا اور اس میں ان کی مشقت کی پروا نہیں کی، اپنے ہاتھوں سے ان کے جسم کے ٹکڑے تک جمع کیے، تو ہم جہاد وقتال سے لوگوں کو دور رکھ کر کس منہ سے اپنے آپ کو ان کا خیر خواہ اور ہمدرد کہتے ہیں؟ اگر جہاد وقتال آسان نہیں، یہ خطرات اور تکالیف سے بھرا راستہ ہے تو کیا یہ حقیقت ہم بھول گئے ہیں کہ جنت کو مشکلات نے گھیرا ہے جبکہ جہنم کو شہوات نے؟ آج اگر ہم نے محض اپنی راحت وخواہش کی پروا کی، ظلم وکفر کی ان بے رحم آندھیوں کے آگے کھڑے نہیں ہوئے، تو سچ یہ ہے کہ اپنے آپ، اپنے پیاروں اور اپنی امت کے معاملے میں ہم سے زیادہ کوتاہ نظر، زیادہ خود فریب اور زیادہ بدخواہ کوئی نہیں۔

یہ وقت دین وامت کے ساتھ سرد مہری، بے وفائی اور لاتعلقی کا متحمل نہیں۔ امتحان یہود و ہنود کا نہیں، ہم اہل اسلام کا ہے۔ اللہ کی وحدانیت اور اس کے دین کی نصرت کا دعویٰ ہم نے کیا ہے ان ظالموں نے نہیں کیا، دین اسلام کی خاطر قربانی دینے کا مطالبہ ہم سے ہے شیطان کے پجاریوں سے نہیں۔ آسمانوں سے ہماری کامیابی یا ناکامی دیکھی جا رہی ہے، ان مغضوب علیہم اور ضالین سے بھی کیا کسی کو خیر کی امید ہے؟ اہل ایمان کے خلاف کفر کی جو ایک عالمی جنگ چھڑ چکی ہے اور جس نے آگے مزید سے مزید شدت اب اختیار کرنی ہے، اس سب کا فقط ایک ہی مقصد ہے، اور وہ یہ کہ ہم میں سے کون اللہ کی جنتوں کی قیمت ادا کر رہا ہے اور کون نہیں؟ کون ایمان کے دعویٰ میں مخلص ہے اور کون جھوٹا، فریبی اور دغاباز ہے؟ یہ سب فقط اس لیے ہو رہا ہے کہ ہم میں سے طیب اور خبیث، مومن اور منافق کو جدا جدا کیا جائے، دو الگ الگ خیموں میں بانٹا جائے، یہاں تک کہ پھر کسی کے پاس بھی اللہ کے ہاں پیش کرنے کو کوئی عذر باقی نہ رہے۔

آخر میں یہاں ایک عملی گزارش آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں:

اس وقت نظری طور پر جہاد کی تائید وحمایت کافی نہیں ہے، آج ایک ہی طرز عمل مطلوب ہے اور وہ یہ کہ قافلۂ جہاد کو اپنا آپ سپرد کیا جائے، جس جہادی جماعت پر بھی اعتماد ہو، جس کے بھی مقصد اور طرز عمل پر آپ کو اطمینان ہو، اسے اپنا آپ حوالے کیجیے، اپنی قوت، صلاحیت، ہنر اور وقت اس کے سپرد کیجیے، یہ بات کسی طور پر درست نہیں کہ ہم خیر کے کسی

ایک کام میں اپنی مصروفیت دیکھ کر قافلۂ جہاد میں شامل ہونے سے اپنا آپ معاف سمجھ لیں۔ خیر و ثواب کا جو بھی کام ہو، تعلیم و تعلم ہو، دعوت و تزکیہ، خدمت خلق یا کوئی اور مطلوبِ شریعت کام ہو، ان سب کا جہادی عمل کے ساتھ کوئی ٹکراؤ نہیں، بلکہ تحریکِ جہاد کو ان تمام افعالِ خیر کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔ کسی کارِ خیر کے لیے خود سے اپنا آپ وقف کر دینا ایک صورت ہے اور اپنا آپ اُس کارِ خیر سمیت جہاد کے لئے پیش کرنا اور نظمِ جہاد کو اپنے متعلق فیصلے کا اختیار دے دینا، یہ دوسری صورت ہے، پہلی صورت کیسے صحیح ہوسکتی ہے جبکہ اہل جہاد مستقل دُہائی دے رہے ہیں کہ تحریک جہاد کو آپ کی ضرورت ہے؟

تحریک جہاد کا بنیادی اور اہم کام دشمنانِ امت کے خلاف جنگ و قتال ہے، اس کے بغیر جہادی تحریک، جہادی نہیں رہتی، مؤثر و کامیاب نہیں ہوتی مگر اس کو فقط جنگی عمل ہی کی تحریک بھی نہ سمجھی جائے، اس لئے کہ یہ ایک ہمہ جہت و ہمہ گیر معاشرتی عمل کا بھی نام ہے۔ جس قدر یہ معاشرے میں جڑیں گھسائے، عوام و خواص کے قلوب واذہان میں جگہ بنا لے، اُسی قدر یہ باطل قوتوں کے خلاف مؤثر قوت بن کر ابھرتی ہے اور اُس نسبت سے یہ خیر و حق کی نصرت کا اچھا وسیلہ پھر ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا ہماری آپ کی خواہش جنگ و قتال میں صفِ اول پر لڑنا ہی ضروری ہے، یہ خواہش اور اس کی پر خلوص کوشش ہو گی تو ہم یہ فرض ادا کرپائیں گے اور اللہ کو راضی کر سکیں گے۔ لیکن یہ بہر حال حقیقت ہے کہ تحریک جہاد عملِ قتال سے کہیں زیادہ وسیع عمل و میدان کا تقاضا بھی کرتی ہے اور اس انتہائی وسیع کام کے لیے امت کے ہر ہر فرد کی اس میں شمولیت ضروری ہے۔

اللہ ہم سے دین و جہاد کی خدمت و نصرت کا کام لے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی ذات، اولاد، ساتھیوں اور سب احباب و متعلقین کے لیے حقیقی خیر خواہ اور ہمدرد بن جائیں اور سیرت رسول ﷺ کے اصل پیغام کو اپنا حرزِ جاں بنائیں۔ اللہ ہماری نگاہیں دنیا کی آلائشوں سے اٹھا کر اپنی رضا اور جنتوں پر مرکوز کرلے اور اپنے محبوب بندوں سے جو کام لیتا ہے، اس میں ہمیں قبول فرمائے، آمین ثم آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

بقیہ: القاعدہ کیوں؟

چنانچہ مصالح و مفاسد کے نام پر حرام امور کیے گئے۔ جہاد کے ترک کی دعوت دی گئی، جمہوری عمل میں شمولیت اختیار کی گئی۔ مصالح و مفاسد کے نام پر مجاہدین کو مطعون کیا گیا۔ مصالح و مفاسد کے نام پر شرعی دلائل کی ہیبت ختم کی گئی۔ مصالح و مفاسد کے نام پر عقل کو نقل (یعنی وحی) پر مقدم کیا گیا۔ بدعتیں پھیلیں اور مسلمان بے سہارا رہ گئے۔ ضروری ہے کہ معتبر شرعی مصالح و مفاسد اور ذاتی و شخصی مفاسد و مصالح میں فرق رکھا جائے وہ ذاتی و شخصی مفاسد و مصالح جن کی قربانی دین کی ضرورت کے لیے دینا واجب ہے۔

پس ابلیس کے دھوکے سے خبر دار رہیے! مصالح و مفاسد کے نام پر بعض اسلامی جماعتیں امریکی سفارت خانوں کے چکر لگاتی رہیں، انہی مصالح و مفاسد کے نام پر دوسرے مذاہب کے ساتھ کانفرنسیں ہوئیں تاکہ مسئلۂ ولاء و براء کو مدھم کیا جائے۔ اسی مصلحت و مفسدے کی بنیاد پر جزیرۃ العرب میں امریکی فوجوں کو داخل ہونے اور مکہ مکرمہ سے چند کلو میٹر دور فوجی اڈے بنانے کی اجازت دے دی گئی۔ انہی کے نام پر ہماری ماں حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گستاخوں رافضیوں کے ساتھ کانفرنسیں ہوئیں، وہی رافضی جنہیں آج کہا جارہا ہے کہ وہ ہمارے عقیدے میں بھائی ہیں، حالانکہ کل انہیں کافر کہا جاتا تھا، لاحول ولا قوۃ اِلا باللہ۔

البتہ القاعدہ، وہ القاعدہ جو اللہ کی شریعت پر ڈٹنے والے اہلِ حق میں سے ایک جماعت ہے، اس باب میں اس کا منہج بالکل واضح اور روشن ہے، واللہ المستعان۔

اللهم اجعلنا هادين مهتدين، غير ضالّين ولا مضلّين، سلماً لأوليائك، وحرباً على أعدائك، نحب من أحبك، ونعادي بعداوتك من خالفك. اللهم هذا الدعاء ومنك الإجابة، اللهم هذا الجهد وعليك التكلان، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، آمين!

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: مع الأستاذ فاروق

کوئی دو گھنٹے کے سفر کے بعد ہم میران شاہ پہنچے۔ وہاں ہمارا ایک مرکز تھا جہاں ایک بڑی خندق کھدی ہوئی تھی۔ ہم اس خندق والے مرکز میں پہنچے۔ نیچے خندق میں اترے تو معلوم ہوا کہ جن ساتھی کے آنے کی خبر تھی ان کے ہم نام ایک اور نئے ساتھی وہاں آئے تھے۔ ساتھ ہی معلوم ہوا کہ ایک طالب علم ساتھی سراقہ بھائی (مولوی حافظ سعد شہید رحمۃ اللہ علیہ) بھی آئے ہوئے۔ یہ میری سراقہ بھائی سے پہلی ملاقات تھی۔ اس ملاقات کے ابتدائی چند منٹ میں ہم دونوں کی یاری ہوگئی۔ اپنی زندگی کا کل سرمایہ یہی محبتیں، یہی دوستیاں، یہی یاریاں ہیں، بقولِ شاعر:

کچھ درد سنبھالے سینے میں، کچھ خواب لٹائے ہیں ہم نے
اِک عمر گنوائی ہے اپنی، کچھ لوگ کمائے ہیں ہم نے

دل خرچ کیا ہے لوگوں پر، جاں کھوئی ہے، غم پایا ہے
اپنا تو یہی ہے سُود و زیاں، اپنا تو یہی سرمایہ ہے

محفل استاذ یہیں روکتا ہوں۔ ان شاء اللہ، اگلی محفل، سراقہ بھائی کے نام، جو فاروق بھائی کے شاگردوں اور احباء و اصحاب میں سے تھے۔

وما توفيقي إلّا بالله. وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين.
وصلى الله على نبينا وقرة أعيننا محمد وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

معرکہ گیارہ ستمبر کے فدائیوں کو امرائے جہاد کا ہدایت نامہ

ترجمہ: استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ

امیر محترم، صاحبِ سیف و قلم، شیخ ایمن الظواہری نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب فرسان تحت رایۃ النبی میں بہت سی قیمتی ایمانی و عسکری نصیحتوں پر مشتمل اس تاریخی ہدایت نامے کے منتخب حصے نقل کیے، جو ستمبر کی مبارک کارروائی سے پچھلی رات کو کارروائی میں شریک فدائی ساتھیوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ استاد احمد فاروق نے اس ہدایت نامے کا ترجمہ کیا تھا جو اس سے قبل بھی مجلّے میں نشر ہو چکا ہے، یہ ترجمہ قارئین کے استفادے کے لیے دوبارہ نشر کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

اس ہدایت نامے کا ہر ہر لفظ ایمان کو جلا بخشتا ہے اور دلوں کا زنگ دھو ڈالنے کا ذریعہ ہے۔ جس بندۂ خدا نے بھی یہ تحریر لکھی ہے، ایسی غیر معمولی ایمانی کیفیات میں ڈوب کر لکھی ہے جس کو سمجھنا بھی ہم جیسے زنگ آلود قلوب والوں کے لیے سہل نہیں۔ اس تحریر کو پڑھنے سے اس بات کا فیصلہ بھی بآسانی کیا جا سکتا ہے کہ گیارہ ستمبر کا معرکہ نعوذ باللہ یہود کی سازش تھی یا کچھ اولیاء اللہ کی غیرتِ ایمانی سے لبریز جہد جسے محض توفیقِ الٰہی نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا؟ اس تحریر کو پڑھنے سے یہ سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے کہ فدائی کارروائیوں میں شریک بھائی کیسے عالی ایمان اور پاکیزہ کیفیات کے حامل، توحید کی حقیقت کا ادراک رکھنے والے اور رب کی معیّت سے لطف اندوز ہونے والے مجاہدین ہوتے ہیں۔ فدائی حملوں کے خلاف فتاویٰ دینے والے سرکاری مولوی صاحبان بھی کچھ لمحے توقف کر کے اس تحریر کو پڑھ لیں شاید کہ انہیں احساس ہو جائے کہ وہ ایمان کی کیسی بلندیوں پر فائز ان عجیب بندگانِ خدا پر زبان کھولنے کی جرات کرتے ہیں!

یہ ہدایات شہیدی کارروائیوں پر روانہ ہونے والے ہر بھائی کی خدمت میں بندہ فقیر کی جانب سے ایک چھوٹا سا تحفہ ہے جو رب کی جنتوں کی جانب سفر کے آخری مراحل میں اس کے لیے زادِ راہ بھی ثابت ہو گا اور ان شاء اللہ اس کے قدم جمانے کا ذریعہ بھی بنے گا اس تحفے کے بدلے مجھے اپنے فدائی بھائیوں سے کچھ نہیں درکار سوائے دل کی گہرائی سے نکلی دعاؤں کے جو میری مغفرت کا باعث بھی بن جائیں۔ آیئے اب دل کی آنکھوں سے اس ہدایت نامے کو پڑھیے اللہ ہمارے قلوب کو بھی ایمان سے لبریز کر دے، شہادت کا شوق دل میں جگا دے اور خاتمہ بالخیر نصیب فرما دے!

احمد فاروق

پہلا مرحلہ

۱. موت پر بیعت کریں اور اپنے دل میں اس بیعت کی تجدید کرتے رہیں۔

۲. کارروائی کے منصوبے کو ہر پہلو سے اچھی طرح سمجھ لیں اور دشمن کی جانب سے رد عمل اور مزاحمت کی توقع بھی رکھیں۔

۳. سورۃ توبہ و انفال کو پڑھیں اور ان کے معانی پر غور و تدبر کریں۔ اور بالخصوص اس بات پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کے لیے کیسی دائمی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔

۴. اس رات میں اپنے آپ کو یاد دہانی کراتے رہیں کہ آپ نے اس کارروائی کے تمام مراحل کے دوران سمع وطاعت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا ہے کیونکہ عنقریب آپ ایسے فیصلہ کن مراحل کا سامنا کرنے لگے ہیں جن میں سو فیصد سمع وطاعت لازم ہے۔ پس اپنے آپ کو امیر کی بات سننے اور ماننے کے لیے تیار کریں اور اس اہم فریضے کی ادائیگی کا جذبہ خود میں بیدار کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَلاَ تَنَازَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُواْ إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (سورۃ الانفال: ۴۶)

”اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ (متفرق اور کمزور ہو کر) بزدل ہو جاؤ گے اور (دشمنوں کے سامنے) تمہاری ہوا (یعنی قوت) اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

۵. قیام اللیل کا اہتمام کریں اور خوب گڑگڑا کر گریہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد و تمکین مانگیں، فتحِ مبین مانگیں، کاموں میں آسانی طلب کریں اور یہ دعا کریں کہ اللہ ہم پہ پردے ڈالے رکھے۔

۶. کثرت سے اللہ کا ذکر کریں اور جان لیں کہ بہترین ذکر قرآن کی تلاوت ہے۔ میرے علم کی حد تک اس بات پر علماء کا اجماع ہے اور ہمارے لیے تو بس یہی بات بہت ہے کہ یہ زمین و آسمان کے خالق کا کلام ہے، وہ خالق جس سے ملاقات کے لیے آپ رواں دواں ہیں۔

۷. اپنے دل کو صاف کر لیں ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک کر لیں اور دنیا نامی کسی بھی چیز کو بھول جائیں بھلا دیں! کھیل کا وقت گزر گیا وہ وعدہ جو برحق تھا آن پہنچا ہم نے زندگی کے کتنے ہی اوقات ضائع کر دیے، کیوں نہ اب یہ چند لمحات اللہ کا قرب پانے اور اس کی اطاعت کرنے میں ہی صرف کریں؟

۸. پورے شرحِ صدر کے ساتھ اس کام کی طرف بڑھیں کیونکہ اب آپ کے اور آپ کے اگلے نکاح کے درمیان محض چند لمحات کا فاصلہ ہے۔ ایک پاکیزہ و دل پسند زندگی کا آغاز ہوا چاہتا ہے، ہمیشہ کی نعمتیں اور انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین کی صحبت سامنے ہی کھڑی ہے اور یقیناً ان سے بہتر ساتھی و رفیق کوئی نہیں۔ ہم اللہ سے اس کے اس فضل کا سوال کرتے ہیں۔ پس آپ اچھے امور سے نیک شگون لیں کیونکہ

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر کام میں نیک شگون لینا پسند فرماتے تھے۔

۹. پھر یہ بات بھی اچھی طرح ذہن میں جما لیجیے کہ اگر آپ کسی آزمائش میں مبتلا ہو گئے تو آپ کیا کریں گے؟ کیسے ثابت قدم رہیں گے؟ اور کیسے اللہ کی طرف رجوع کریں گے؟ جان لیجیے! کہ جو کچھ آپ کو پہنچا ہے آپ اس سے بچ نہیں سکتے تھے اور جس سے بچ گئے وہ کبھی پہنچنے والا نہیں تھا اور یہ یقین رکھیے کہ آزمائش اللہ کی طرف سے ہی ہوتی ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے آپ کے درجات بلند کرے اور آپ کے گناہوں کو مٹائے۔ پھر یہ یقین بھی رکھیے کہ یہ بس چند لمحات ہیں، پھر اس تکلیف نے اللہ کے اذن سے چھوٹ جانا ہے۔ پس خوش بخت ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کے یہاں اجرِ عظیم کا مستحق بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ (سورۃ آل عمران: ۱۴۲)

”کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔“

۱۰. اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی یاد رکھیے:

وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلِ أَن تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ (سورۃ آل عمران: ۱۴۳)

”اور تم تو موت کے سامنے آنے سے پہلے (راہِ حق میں) مرنے کی تمنا کر رہے تھے سو (وہ اب تمہارے سامنے آگئی اور) تم نے اس کو (کھلی آنکھوں) دیکھ لیا۔“

اور یہ فرمان بھی کہ:

كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ (سورۃ البقرۃ: ۲۴۹)

”بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔“

اور یہ مبارک فرمان بھی کہ:

إِن يَنصُرْكُمُ اللهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (سورۃ آل عمران: ۱۶۰)

”اگر اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں، اور وہ تمہیں چھوڑ دے، تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو؟ پس جو سچے مومن ہیں ان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔“

۱۱. اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو مسنون دعاؤں کی پابندی کی یاد دہانی کرواتے رہیں اور ان دعاؤں کے معانی پر غور و فکر کا اہتمام کریں۔ (یعنی صبح و شام کے اذکار، کسی نئے شہر میں داخل ہونے کے اذکار، کسی نئی جگہ پر اترنے کے اذکار، دشمن سے ٹکراؤ کے وقت کے اذکار وغیرہ۔)

۱۲. دم کرنے کا اہتمام کریں۔ (اپنے آپ پر، اپنے سامان پر، اپنے کپڑوں پر، اپنی چھری پر، اپنے آلات پر، اپنے شناختی کارڈ پر، اپنے پاسپورٹ اور ویزا پر اور اپنے تمام دستاویزات پر۔)

۱۳. روانگی سے قبل اپنے اسلحے کو اچھی طرح دیکھ لیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: ”تم میں سے جو شخص ذبح کرنے لگے وہ اپنی چھری تیز کر لے اور اپنے ذبیحے کو راحت پہنچائے۔“

۱۴. اپنا لباس اچھی طرح کس لیں کیونکہ یہ ہمارے صالح اسلاف کا طریقہ ہے۔ (اللہ ان سے راضی ہو۔) وہ معرکے سے قبل اپنا لباس اچھی طرح کس لیتے تھے۔

۱۵. صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھیں اور اس کے اجر پہ غور و فکر بھی کریں۔ اس کے بعد اذکار کا اہتمام کریں اور اپنے کمرے سے باہر نکلیں تو وضو ہی کی حالت میں۔

دوسرا مرحلہ

جب ٹیکسی آپ کو ایئرپورٹ تک لے جا رہی ہو تو گاڑی میں کثرت سے اللہ کا ذکر کریں۔ (سواری کی دعا، نئے علاقے کی دعا، نئی جگہ کی دعا اور دیگر اذکار۔)

جب آپ ایئرپورٹ پر پہنچ جائیں اور ٹیکسی سے اتریں تو نئی جگہ اترنے کی دعا پڑھیں اور اس کے بعد بھی جہاں جہاں جائیں وہاں یہ دعا پڑھنے کا اہتمام کریں۔ مسکرائیے اور مطمئن ہو جائیے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے ساتھ ہے اور ملائکہ آپ کی حفاظت کر رہے ہیں بغیر اس کے کہ آپ کو اس کا شعور ہو۔ پھر یہ دعا پڑھیے: ”اللهُ اَعزُّ مِن خَلقِهِ جَمِيعاً“ اور یہ دعا ”اللّٰهُمَّ اكْفِنِيهِم بِمَا شِئْتَ“ اور یہ دعا ”اللّٰهُمَّ اِنَّا نَدْرَأُ بِكَ فِي نُحُورِهِم وَنَعُوذُبِكَ مِنْ شُرُورِهِم“ اور یہ دعا ”اَللّٰهُمَّ اجْعَل لَّنَا مِن بَيْنِ اَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِم سَدًّا فَاَغْشَيْنَاهُم فَهُمْ لَا يُبْصِرُون“ اور یہ ذکر بھی پڑھیں ”حَسبُنَا اللهُ وَنِعمَ الْوَكِيل“۔ اور اسے پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ذہن میں رکھیں:

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (سورۃ آل عمران: ۱۷۳)

”جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں ان سے ڈرو تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔“

پس یہ ذکر پڑھ لینے کے بعد آپ دیکھیں گے کہ آپ کے کام آپ کی کسی قسم کی قوت اور طاقت کے بغیر ہی کس طرح سے آسان ہو جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس کے جو بندے یہ ذکر کہہ دیں اللہ ان کو یہ تین چیزیں دیں گے:

۱. وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس لوٹیں گے۔
۲. انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔
۳. وہ اللہ کی رضا والے رستے پہ چلیں گے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَانقَلَبُواْ بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوٓءٌ وَاتَّبَعُواْ رِضۡوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضۡلٍ عَظِيمٍ (سورۃ آل عمران:۱۷۴)

”سو اس (ایمان ویقین اور صدق و اخلاص) کے نتیجے میں وہ اللہ (کی طرف) سے ملنے والی بڑی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس لوٹے، اس حال میں کہ کسی (تکلیف اور) برائی نے ان کو چھوا تک نہیں، اور انہیں اللہ کی رضا کی پیروی کا شرف بھی حاصل ہو گیا، اور اللہ بڑا ہی فضل فرمانے والا (اور نوازنے والا) ہے۔“

یاد رکھیے! دشمن کی مشینیں، ان کے حفاظتی دروازے اور ان کی ٹیکنالوجی یہ سب کی سب اللہ کے اذن کے بغیر نہ نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان۔ اسی لیے اہلِ ایمان ان سے خوف نہیں کھاتے۔ ان چیزوں سے خوف تو صرف شیطان کے ساتھی کھاتے ہیں جو در حقیقت شیطان سے ڈرتے ہیں اور اللہ ہی ہمیں شیطان کا ساتھی بننے سے اپنی پناہ میں رکھے!

یاد رکھیے! خوف ایک عظیم عبادت ہے اور یہ عبادت اللہ ہی کے لیے خالص ہونی چاہیے کیونکہ وہی اس کا اصل مستحق ہے۔ مذکورہ بالا آیات کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيۡطَانُ يُخَوِّفُ أَوۡلِيَآءَهُۥ (سورۃ آل عمران:۱۷۵)

”(اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ) وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے تمہیں ڈرا رہا تھا۔“

شیطان کے اولیا در حقیقت مغربی تہذیب کے گرویدہ وہ لوگ ہیں جن کے سینوں میں اس گندی تہذیب کی محبت وعظمت انڈیل دی گئی ہے اور جن کے دل و دماغ پر اس تہذیب کے کمزور و بے حقیقت ساز و سامان کا خوف چھا چکا ہے۔ اللہ رب العزت تو یہ فرماتے ہیں کہ:

فَلَا تَخَافُوهُمۡ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ (سورۃ آل عمران:۱۷۵)

”سو (آئندہ) تم ان سے ذرا بھی نہ ڈرنا اور ہم سے ڈرتے رہنا اگر تم (واقعی) مومن ہو۔“

پس ذہن نشین کر لیجیے کہ خوف ایک عظیم عبادت ہے اور اللہ کے اولیاء اور اس کے مومن بندے اپنے واحد اور احد رب کے سوا جس کے ہاتھ میں ہر شے کے خزانے ہیں، کسی کو اس عبادت کا مستحق نہیں سمجھتے۔ اہلِ ایمان اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی تمام چالیں ناکام فرمادیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذَٰلِكُمۡ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ كَيۡدِ الۡكَافِرِينَ (سورۃ الأنفال:۱۸)

”یہ معاملہ تو تمہارے ساتھ ہے اور کافروں کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ اللہ ان کی چالوں کو کمزور کرنے والا ہے۔“

اسی طرح آپ پر لازم ہے کہ آپ اس عظیم ذکر کا اہتمام کریں جس کا شمار افضل ترین اذکار میں ہوتا ہے، یعنی لا الہ الا اللہ۔ لیکن اس بات کا بھی پورا اہتمام کریں کہ آپ پر نگاہ رکھنے والے کسی بھی شخص کو یہ محسوس نہ ہو کہ آپ ذکر کرنے میں مصروف ہیں۔ اس ذکر کی فضیلت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے واضح ہوتی ہے کہ جس نے دل کے یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

نیز اس کی فضیلت سمجھنے کے لیے یہ جاننا بھی کافی ہے کہ یہ ایک جملہ، عقیدۂ توحید کا خلاصہ ہے، وہ توحید جس کی دعوت کو بلند کرنے اور جس کے جھنڈے تلے قتال کرنے کے لیے آپ اپنے گھروں سے نکلے ہیں، وہ توحید جس کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ اور آپ کی اتباع کرنے والوں نے جہاد کیا اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔

اور ہاں اس بات کا بھی اہتمام کیجیے کہ آپ پر پریشانی یا اعصابی تناؤ کے اثرات نظر نہ آئیں، شاداں و فرحاں رہیں، شرحِ صدر اور اطمینانِ قلب کے ساتھ ہر قدم اٹھائیں کیونکہ آپ ایک ایسے کام میں مصروف ہیں جو اللہ کو محبوب ہے اور اللہ کی رضا پانے کا ذریعہ ہے اور اسی لیے اللہ سے امید ہے کہ یہ وہ مبارک دن ہے جس کی شام آپ جنت میں حور عین کے ساتھ کریں گے۔

اے نوجوان! موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراؤ کیونکہ تم ہمیشہ باقی رہنے والی جنت کی طرف بڑھ رہے ہو!

تیسرا مرحلہ

جب آپ ہوائی جہاز پر سوار ہوں تو اپنا پہلا قدم رکھتے وقت جہاز میں عملاً داخل ہونے سے قبل اذکار اور دعاؤں کا اہتمام کریں اور ذہن میں یہ بات تازہ کر لیں کہ آپ جہاد فی سبیل اللہ کے ایک معرکے میں داخل ہو رہے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام نکلنا دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، اس سب سے بہتر ہے۔

جب آپ جہاز کے اندر چلے جائیں اور اپنی کرسی پر بیٹھ جائیں تو وہاں بیٹھ کر بھی اذکار کریں اور وہ معروف دعائیں جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا، اہتمام سے پڑھیں۔

پھر جب جہاز آہستہ آہستہ چلنے کا آغاز کرے تو آپ سفر کی دعا پڑھیں کیونکہ آپ کا اپنے مالک کی طرف سفر شروع ہو چکا ہے اور کیا ہی کہنے اس مبارک سفر کے!

پھر جب جہاز اڑان بھرے اور اپنی پرواز شروع کر دے تو آپ سمجھ لیں کہ اب صفوں کے ٹکرانے کا وقت آ گیا ہے۔ پس اللہ کی کتاب میں مذکور یہ دعا پڑھیں:

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (سورۃ البقرۃ: ۲۵۰)

"اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان کر، ہمارے قدم جما دے اور اس کافر گروہ پر ہمیں فتح نصیب کر۔"

اور اس آیتِ مبارکہ میں مذکور دعا بھی لبوں پر جاری رکھیں:

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلاَّ أَن قَالُواْ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (سورۃ آل عمران: ۱۴۷)

"اُن کی دعا بس یہ تھی کہ اے ہمارے رب، ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو اُسے معاف کر دے، ہمارے قدم جمادے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔"

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھلائی ہوئی یہ دعا بھی پڑھیں کہ:

اَللّٰهُمَّ مُنزِلَ الْكِتَابِ، مُجْرِيَ السَّحَابِ، هَازِمَ الْأَحْزَابِ، اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِم، اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُم۔

"اے اللہ! اے کتاب کو نازل کرنے والے، بادلوں کو چلانے والے، لشکروں کو شکست دینے والے، ان کو شکست دے اور ہمیں ان پر فتح دے۔ اے اللہ ان کو شکست دے اور ان کو ہلا مار۔"

اس موقع پر اپنے لیے اور اپنے سب ساتھیوں کے لیے فتح، نصرت اور تمکین کی دعا کریں۔ یہ دعا کریں کہ آپ کے نشانے ٹھیک ہدف پر بیٹھیں اور دشمن کو نہایت کاری ضرب لگے اور اللہ سے ایسی شہادت طلب کریں کہ وقتِ شہادت آپ آگے بڑھ رہے ہوں، پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہ ہوں اور صبر کے ساتھ اجر کی نیت لیے شہادت کی طرف لپک رہے ہوں۔

اس کے بعد آپ میں سے ہر ایک کارروائی میں اپنا اپنا کردار سنبھالنے کے لیے تیار ہو جائے اور اس کردار کو ایسے عمدہ طریقے سے ادا کرنے کا عزم کرے کہ اللہ آپ سے راضی ہو جائیں۔

اس موقع پر آپ زور سے اپنے دانت پیسیں جیسا کہ ہمارے اسلاف معرکے کے آغاز سے عین قبل کیا کرتے تھے۔ پھر جب لڑائی کا آغاز ہو تو مردوں والی ضرب لگائیں۔ ان ابطال کی طرح آگے بڑھیں جو دنیا کی طرف واپس پلٹنا نہ چاہتے ہوں اور تکبیر بلند کریں کیونکہ تکبیر سے کافروں کے دلوں پر رعب پڑ جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کریں:

فَاضْرِبُواْ فَوْقَ الأَعْنَاقِ وَاضْرِبُواْ مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (سورۃ الأنفال: ۱۲)

پس تم (کس کس کر) ضربیں لگاؤ ان کی گردنوں پر، اور کاٹ ڈالو ان کے پور پور (اور جوڑ جوڑ) کو۔

جب آپ ذبح کریں تو جس کافر کو بھی قتل کریں اس کا مال اٹھا لیں کیونکہ یہ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ ہاں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ مقتول کا مال سلب کرنا آپ کو دشمن کی خیانت یا اس کے کسی حملے سے غافل نہ کر دے۔

اور اپنی ذات کے لیے انتقام نہ لیں بلکہ اپنی ہر ضرب اور ہر ہر قدم اللہ ہی کے لیے خالص کر لیں۔ پھر کافروں کو قید کرنے کی سنت پر عمل کریں اور انہیں قید بھی کریں اور قتل بھی کریں جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّهُ يُرِيدُ الآخِرَةَ وَاللّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (سورۃ الأنفال: ۶۷)

"کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیشِ نظر آخرت ہے، اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔"

غنیمت لینا ہرگز نہ بھولیں، چاہے پانی پلانے کا ایک کپ ہی کیوں نہ ہو جس میں موقع ملنے پر آپ خود بھی پانی پئیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی پانی پلائیں۔

پھر جب وعدۂ برحق کا وقت آ پہنچے اور وہ لمحہ آ جائے جس کا انتظار تھا تو اپنی قمیض پھاڑ کر اس فی سبیل اللہ موت کے استقبال میں سینہ کھول دیں اور زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھیں۔ اور اگر آپ کے بس میں ہو کہ ہدف سے ٹکرانے سے چند لمحے قبل آپ نماز شروع کر دیں اور آپ کا خاتمہ اسی حالت میں ہو تو کیا ہی کہنے! اور کم از کم اتنا اہتمام تو ضرور کریں کہ آپ کے آخری کلمات لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہوں۔

اور اس کے بعد ان شاء اللہ، اللہ کی رحمت کے سائے میں جنتِ فردوس میں ملاقات ہو گی!

☆☆☆☆☆

معرکہ گیارہ ستمبر: تیاری سے حملے تک!

سید معاویہ حسن بخاری

امت مسلمہ کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ گزشتہ کئی صدیوں میں اسلام کا اصل مقابلہ اپنی مد مقابل مغربی تہذیب سے رہا ہے۔ مغرب اور اہل مغرب نے اسلام اور اہل اسلام پر ایک ہمہ جہتی یلغار کر رکھی ہے۔ تقریباً پانچ سو سال سے علمی، ثقافتی، سیاسی، عسکری، اقتصادی غرض ہر شعبہ میں مغربی تہذیب کا اہلِ اسلام سے تصادم رہا اور مجموعی طور پر مسلمانوں کی کمزوریوں اور غفلت کے سبب مغرب کو اہل اسلام پر غلبہ حاصل رہا۔ مغرب کے ہمہ گیر تسلط کو دیکھ کر مسلمان ان سے اتنے مرعوب ہوتے چلے گئے کہ یہ سوچنا بھی جرم تصور ہونے لگا کہ کسی میدان میں ان سے مقابلہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی میں مغرب کو اہل اسلام پر سیاسی غلبہ پانا آسان ہو گیا تھا اور مسلمان کہیں بھی ان کے مقابلے میں اپنی سیاسی اور معاشی آزادی برقرار نہ رکھ سکے۔ اس کے بعد جہاں مسلمانوں کو بظاہر سیاسی آزادی حاصل بھی ہوئی تو وہ ذہنی اور اخلاقی طور پر مغرب کے غلام ہی رہے۔ جہاں سیاسی یا ذہنی غلامی سے کام نہ چلا تو وہاں مغرب نے مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام بھی جاری رکھا۔ اس مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کے تصادم اور مسلمانوں پر مغرب کی غلامی کے اسباب بیان کرنے کے لیے ایک ضخیم کتاب کی وسعت درکار ہے۔ میں نے یہ تذکرہ تمہید کے طور پر کیا ہے تاکہ معرکہ ۱۱ ستمبر کے اسباب اور اس کے اہداف و مقاصد کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

مغربی تہذیب امریکہ کے سہارے پر قائم ہے

ماوراء النہر اور وسط ایشیائی ریاستوں پر ''عظیم سوویت یونین'' کی پروردہ کمیونسٹ حکومتیں مسلط تھیں، جو امریکہ کے بعد دوسری عظیم طاقت تصور کی جاتی تھی۔ ۱۹۸۸ء میں جہاد افغانستان کے خاتمہ پر جہاں عظیم سوویت یونین کا شیرازہ بکھرا اور وہ سمٹ کر روس رہ گیا وہیں افغانستان کے حالات میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور یہ تبدیلیاں عالمی منظر نامے پر بھی اثرات مرتب کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ جب طالبان کی قیادت میں امارت اسلامیہ وجود میں آئی تو 'جدید مغربی تہذیب' یعنی 'عالمی کفریہ نظام' کو پہلی مرتبہ سنگین خطرات کا احساس ہوا اور اس نے کھل کر امارت اسلامیہ کے خلاف کارروائیوں کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ یہ حقیقت یاد رہے کہ موجودہ عالمی کفریہ نظام اور اسلام کے مقابل مغربی تہذیب دنیا بھر میں امریکہ کے سہارے کھڑی ہوئی ہے۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ جہاں بھی مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی گئی امریکہ کی سرپرستی اس میں شامل رہی ہے۔ امریکہ کو مجاہدین سے خطرہ اسی لیے لاحق ہوا تھا کیونکہ اس دوران فلپائن، ملایا، کشمیر، بوسنیا، شیشان، فلسطین، عراق، صومالیہ، الجزائر، سوڈان، مصر، انڈونیشیا سمیت دیگر بہت سے اسلامی خطوں میں مسلمانوں کے خلاف قتل و غارت گری بپا کی جاچکی تھی اور اس تمام ظلم و ستم کے پیچھے امریکہ کا بلاواسطہ یا بالواسطہ ہاتھ ضرور تھا۔ لیکن اس ظلم و بربریت کے سامنے امت پر خوف اور مایوسی کی ایسی فضا طاری تھی کہ عام مسلمانوں میں ان مظالم کا جواب دینے کی ہمت اور جرات نہ تھی۔

امریکہ کے خلاف اعلان جہاد (۱۹۹۶ء)

چنانچہ محسنِ امت شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۹۶ء میں امریکہ کے خلاف جہاد کا اعلان نشر کیا۔ اس اعلان میں واضح کیا گیا تھا کہ امریکہ کے خلاف جہاد پوری امت مسلمہ پر فرض عین ہو چکا ہے۔ اس اعلان میں شیخ اسامہ نے امریکہ کو خبردار کیا کہ سرزمین مقدس حجاز سے اپنی فوجوں کو نکال لے ورنہ اس کے خلاف کارروائیوں کا آغاز کر دیا جائے گا۔ اس کے دو سال بعد ۱۹۹۸ء میں آپ کی جانب سے ایک اور اعلان جاری کیا گیا جس میں امریکہ کو اسرائیل کی پشت پناہی سے باز آنے اور فلسطین میں مسلمانوں کے قتل عام سے باز رہنے کا کہا۔ اس بیان میں بھی شیخ اسامہ نے مسلمانوں کو امریکہ کے خلاف جہاد پر ابھارا اور اس کی فرضیت اور اہمیت یاد دلائی۔ ان دونوں بیانات کے بعد بھی شیخ اور آپ کے ساتھیوں کی طرف سے جہاد کے لیے گھروں سے نکلنے کی دعوت مسلسل جاری رہی۔ آپ کے ۱۹۹۶ء سے ۲۰۰۰ء تک کے اُن خطبات کو اکٹھا کیا جائے جو ریکارڈ پر موجود ہیں تو معلوم ہو گا کہ شیخ اسامہ نے امریکہ کے خلاف جہاد کی دو بنیادی وجوہات بیان کیں، ایک یہ کہ دنیا بھر میں اور خصوصاً فلسطین میں مسلمانوں کے قتل عام میں امریکہ کی سرپرستی براہ راست شامل ہے اور دوسری یہ کہ مقدس سرزمین حجاز میں امریکی فوجی اڈوں کا مستقل قیام عمل میں لایا جاچکا ہے۔ جو صریحاً شریعت کے اس حکم کے خلاف ہے جس میں جزیرۃ العرب میں دین اسلام کے پیروکاروں کے سوا کسی دوسرے دین کے ماننے والوں کا مستقل قیام ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ کجا یہ کہ پوری فوجی شان و شوکت کے ساتھ اسلام کی دشمن سپاہ کو اڈے فراہم کر دیے جائیں۔ اس حکم کی اہمیت ایک یہ بھی ہے کہ یہ حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت میں تاکیداً ارشاد فرمایا تھا۔ شیخ اسامہؒ کی اس دردانگیز صدا نے بہت سے نوجوانوں میں قربانی اور مزاحمت کی نئی روح پھونک دی اور ان کے دلوں میں شہادت کی تڑپ پیدا کر دی۔ شیخ اسامہ نے اپنے ان خطبات میں امت کے حقیقی مسائل کی طرف توجہ مبذول کروائی اور مسلمانوں کو امریکہ اور مغرب کے خلاف فیصلہ کن جنگ کی ابتدا کرنے کی دعوت دی۔ مقدس مقامات کے دفاع کے حوالے سے شیخ اسامہ نے فرمایا:

> ''آخر کب تک مسلمان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نصرت اور اس کے گھر کے دفاع سے غافل ہو کر بیٹھے رہیں گے؟ دنیا بھر کے اہل ایمان آخر کب اٹھیں گے؟ کب صلیبی و صہیونی فسادیوں کی نجاست سے اس مقدس زمین کو پاک کریں گے؟ یہ تو اللہ رب العالمین کا حکم ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُواْ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا (سورۃ التوبہ: ۲۸)

’اے ایمان والو! مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں، پس وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں۔‘

اور کیا مسلمان بھول گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں ایسا ہی حکم صادر فرمایا تھا۔ ایک حدیث میں مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’ہائے جمعرات کا دن، ہائے افسوس جمعرات کا دن‘۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ اتنا روئے کہ آپؓ کے آنسوؤں سے کنکریاں تر ہو گئی، آپؓ نے فرمایا کہ اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدت اختیار کر گئی تھی اور اس عالم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ وصیت فرمائی:

اخرجوا المشرکین من جزیرۃالعرب(بخاری : کتاب الجهاد و السیر)

’مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔‘

قیامت کے دن جب ان احکامات کے بارے میں پوچھا جائے گا تو ہم کیا جواب دیں گے؟ یوم حساب میں اللہ کا سامنا کرنے کے لیے ہم نے کیا تیاری کی ہے؟ کیا ہم یہ بہانہ بنائیں گے کہ ہم مستضعفین تھے؟ بے بس تھے؟ اللہ تو ہمارے دلوں تک کے احوال سے باخبر ہے۔ پس یہ امت آج تباہی اور بربادی کی تاریک اور گہری کھائی کے کنارے کھڑی ہے۔“

اسی طرح شیخ اسامہ نے ایک اور مقام پر جہاد کی طرف بلاتے ہوئے فرمایا:

> ”یہ ذلت جو آج ہم پر مسلط ہے اور کفر جو بلاد اسلامیہ پر قبضہ کر کے ہر سمت اپنے پنجے گاڑھ چکا ہے اس کی گرفت توڑنے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے سوائے جہاد کے، گولیوں کے، اور شہیدی حملوں کے، ان کے بغیر ذلت کی جڑیں نہیں اکھاڑی جاسکتیں۔ غیرت مند لوگ کبھی ظالم نافرمان کے لیے قیادت نہیں چھوڑا کرتے، اور خون بہائے بغیر پیشانیوں سے ذلت کے داغ نہیں مٹائے جاسکتے۔“

اس بارے میں عالم اسلام کے چند نامور علماء نے کلمۂ حق بلند کرنا فرض سمجھ کر جہاد کی فرضیت پر فتاویٰ جاری کیے، جن سے شیخ اسامہ کی دعوت کو بہت فائدہ پہنچا۔ ان نامور علما میں سے جزیرۃ العرب سے تعلق رکھنے والے عالم ربانی شیخ حمود بن عقلا الشعیبی رحمہ اللہ، مفتی نظام الدین شامزئی رحمہ اللہ، شیخ عبد اللہ بن جبرین، شیخ سلمان العلوان، شیخ حسن ایوب، شیخ محمد بن محمد، شیخ سلمان ابو غیث اور شیخ سلمان التنیان شامل ہیں۔ ان علما سے فتاویٰ لینے کے بعد بہت سے نوجوانوں نے فلک پوش چوٹیوں اور سنگلاخ پہاڑوں کی زمین افغانستان کا رخ کیا اور مجاہدین کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے تا کہ عراق، افغانستان اور دوسرے مسلم خطوں میں بہنے والے لہو کا بدلہ چکایا جائے۔

تنظیم القاعدہ میں جماعۃ الجہاد کا انضمام (۱۹۹۸ء)

امارت اسلامیہ کے سائے میں افغانستان کی زمین، سرزمین ہجرت اور مرکز جہاد میں تبدیل ہو چکی تھی، اس سرزمین نے اپنی طرف لپک کر آنے والے فرزندان توحید کا آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ ان کے لیے تربیتی مراکز کھولے، معسکرات قائم ہونے لگے اور امارت اسلامیہ نے ان کی ہر طرح حفاظت کی تا کہ یہ دشمن کے خلاف کھل کر تیاری کر سکیں۔ یہاں مجاہدین نے امریکہ اور اہل مغرب کے خلاف جنگ کی حکمت عملی تیار کی۔ فیصلہ کیا گیا کہ عالمی کفر کا مقابلہ عالمی جہاد سے ہی ممکن ہے چنانچہ عالمگیر جنگ کے خلاف عالمی جہادی تحریک کا آغاز کرنے کے لیے دو بڑی جہادی جماعتوں میں اتحاد عمل میں لایا گیا۔ اس وقت تک افغانستان میں دنیا بھر سے مجاہدین کی ایک قابل ذکر تعداد اکٹھی ہو چکی تھی چنانچہ دو بڑی جہادی تحریکوں کے درمیان اتحاد اور وحدت کی بنیاد رکھی گئی۔ علماء اور قائدین کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجے میں تنظیم القاعدہ اور جماعت الجہاد (مصر) کی وحدت ۱۹۹۸ء میں خوست کے مقام پر ہوئی اور ”عالمی اتحاد برائے قتال یہود و نصاریٰ“ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ نئی جماعت کا نام ”تنظیم قاعدۃ الجہاد“ رکھا گیا اور اس کی امارت کی ذمہ داری شیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ پر ڈال دی گئی۔ دراصل مجاہدین کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ دنیا پر امریکہ کے یک قطبی تسلط کے خاتمے کے لیے مجاہدین کو بھی اپنی صفوں میں وحدت پیدا کرنی ہو گی۔ شیخ ایمن الظواہری نے اس اتحاد پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

> ”عالمی اتحاد برائے قتال یہود و نصاریٰ کا قیام ہی مجاہدین کے خلاف کفار کی عالم گیر یلغار کا درست جواب تھا۔ کیونکہ مجاہدین کے خلاف یہ جنگ محض چند علاقوں تک محدود نہ رہی تھی بلکہ اب تو یہ ایک عالم گیر معرکہ بن گیا تھا جس کے ایک طرف مجاہدین تھے تو دوسری جانب ان کے بالمقابل امریکہ، اسرائیل اور مسلمانوں پر مسلط کٹھ پتلی حکمرانوں کا اتحاد تھا۔ چنانچہ مقابلے کی حکمت عملی تبدیل کرنا بھی ناگزیر ہو چکا تھا اور ’عالمی اتحاد برائے قتال یہود و نصاریٰ‘ کا قیام ہی ہماری نئی حکمت عملی تھی۔“

الحمد للہ القاعدہ نے یہ حکمت عملی آج بھی جاری رکھی ہوئی ہے۔

افریقہ اور جزیرۃ العرب میں واقع امریکی اڈوں پر حملے (۱۹۹۸ء)

امریکہ خوب اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ یہ ستم رسیدہ قوم ہر قسم کے احساس و شعور سے عاری ہے، یہ نہ ہی اس سے قصاص لے گی اور نہ ہی ان مظالم کا جواب دے سکی گی۔ لیکن عالمی کفر کو اصل خطرہ اس کے مجاہد بیٹوں سے تھا اور انہیں ختم کرنے کے لیے وہ اپنے پر تول رہا تھا۔

لیکن اسے خود بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ فرزندانِ توحید اس کے ناپاک ارادوں سے پہلے ہی اس پر کسی بڑے حملے کے قابل ہو جائیں گے۔ امریکہ کو ابتدائی ہزیمت اور نفسیاتی جھٹکے اس وقت لگے جب مجاہدین نے کینیا اور تنزانیہ میں واقع امریکی سفارت خانوں پر جو درپردہ اسرائیلی اور امریکی جاسوسی اداروں کے بڑے مراکز تھے یکے بعد دیگرے حملہ کر کے تباہ کر دیا۔ اس موقع پر شیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

> ”یہ نوجوان کل تک افغانستان کے کسی ایسے ہی معسکر میں زیرِ تربیت تھے پس جب اللہ نے ان کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے تو انہوں نے اٹھ کر اس نام نہاد ’سپر پاور‘ کی شوکت و ہیبت کو توڑ ڈالا۔ ہمارے لیے یہ بات اتنی اہمیت کی حامل نہیں ہے کہ نیروبی اور دارالسلام میں امریکی سفارت خانوں میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد کتنی تھی۔ بلکہ اصل اہمیت کا حامل تو وہ قوی پیغام ہے جو دھماکوں کی زور دار لہروں نے ’وائٹ ہاؤس‘ اور پوری امریکی قوم تک پہنچایا ہے۔ یہ پیغام ہے کہ اہلِ ایمان اپنے دین کے معاملے میں مزید ذلت برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔“

اس کے کچھ عرصے بعد اللہ کی نصرت سے مجاہدین نے یمن میں موجود دنیا کے سب سے طاقت ور بحری بیڑے یو ایس ایس کول کو بھی نشانہ بنایا، جس نے امریکہ کو شدید نفسیاتی کوفت میں مبتلا کر دیا۔ اسی طرح ریاض میں امریکی سفارت خانے پر ایک عظیم الشان فدائی حملہ ہوا جس میں سینکڑوں فوجی مردار ہوئے اور سفارت خانہ کی عمارت تباہ ہو گئی۔ ان چار پانچ سالوں میں امریکہ کے خلاف ہونے والے یہ چند بڑے حملے ہیں۔ یہ تمام حملے مادی اعتبار سے زیادہ معنوی اور نفسیاتی اعتبار سے اس کے لیے سنگین تھے۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود اب تک امریکہ اپنی ہی سرزمین پر بڑی ہزیمت سے محفوظ رہا تھا۔

امریکہ پر ایک بڑے حملے کی منصوبہ بندی

جو مجاہدین افغانستان میں جمع ہو چکے تھے انہیں امریکہ کے خلاف دعوتِ جہاد دی گئی تھی چنانچہ انہیں معسکرات میں ایک طویل اور صبر آزما جنگ کے لیے تیار کرنے کی تربیت دی جا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ امریکہ پر ایک بڑے حملے کی منصوبہ بندی بھی جاری تھی۔ تاکہ اس کے ذریعے امریکہ کو معرکوں کے لیے موزوں میدان یعنی افغانستان میں دھکیلا جا سکے اور اس طرح اسے ایک طویل جنگ میں الجھا کر کمزور کر دیا جائے۔ مجاہدین کے پیشِ نظر یہ بھی تھا کہ نوجوانوں میں جذبہ شہادت بیدار کرنے اور جہاد کے لیے گھروں سے نکلنے کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ امریکہ کے خلاف میدانِ جنگ سجایا جائے ورنہ یہ امت سوتی رہے گی اور عالمِ اسلام پر مغرب کا تسلط ہمیشہ برقرار رہے گا۔ یہ حالات بدلنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ امت میں جہادی بیداری عام ہو جائے، اور وہ ہر جگہ ظالموں سے بدلہ لینے کے لیے تیار ہو جائیں۔

خالد شیخ محمد (فک اللہ اسرہ) جو ۱۱ ستمبر کے معرکہ کے اصل محرک سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے ایسا ایک منصوبہ عمل ۱۹۹۶ء میں پہلی مرتبہ شیخ اسامہ کے سامنے پیش کیا تھا۔ لیکن شیخ اسامہ اس وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ سوڈان سے نئے نئے سرزمین افغانستان دوبارہ منتقل ہوئے تھے اس لیے حالات کی ناموافقت کی وجہ سے اس وقت اس حملے پر عملدرآمد روک دیا گیا تھا۔ ۱۹۹۸ء میں افریقہ میں ہونے والے دھماکوں کے بعد حالات قدرے بہتر ہو گئے تو دوبارہ منصوبہ بندی شروع ہوئی۔ امریکی خفیہ اداروں نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے دسمبر ۱۹۹۸ء میں صدر بل کلنٹن کو ایک رپورٹ پیش کی جس میں خدشہ ظاہر کر دیا گیا تھا کہ القاعدہ امریکہ پر بڑے حملے کی منصوبہ بندی کر رہی ہے اور ممکنہ صورتوں میں سے امریکی طیاروں کے اغوا کا منصوبہ بھی شامل تھا۔

خالد شیخ محمد نے ۱۹۹۹ء کے اوائل میں شیخ اسامہ اور اس وقت کے عسکری کماندان ابو حفص المصری سے دوبارہ ملاقاتیں کیں۔ خالد شیخ محمد نے ابتدا میں تجویز دی تھی کہ جیٹ طیاروں کو اغوا کیا جائے اور امریکہ کے نیوکلیر پلانٹس پر حملہ کیا جائے۔ لیکن شیخ اسامہ نے ان کی اس تجویز کو رد کر دیا، کیونکہ اس کی قابلِ عمل صورت نظر نہ آتی تھی اور اندازے غلط ہونے پر بہت بڑی تباہی پھیلنے کا خطرہ موجود تھا۔ اسی طرح بیک وقت ۱۲ جہازوں کو اغوا کر کے اپنے مطالبات منوانے کی تجویز بھی اپنی جگہ نہ بنا سکی۔ بالآخر چار کمرشل جہازوں کو اغوا کر کے امریکہ کی بعض خصوصی عمارتوں کو ہدف بنانے کی تجویز قبول کر لی گئی۔

غزوہ نیویارک و واشنگٹن

اس حملے سے متعلق شرعی فتاویٰ حاصل کرنے کا ابتدائی کام ابو حفص المصری نے مکمل کر کے شیخ اسامہ کے حوالے کیا۔ جس میں امریکی عمارتوں کو نشانہ بنانے اور اس کے نتیجہ میں ہلاک ہونے والے امریکیوں کی ہلاکت کے متعلق شرعی فتاویٰ شامل تھے۔ اس کام کے لیے بیس فدا کاروں کی تجویز دی گئی تھی جنہوں نے منصوبے کے مطابق ۴ مختلف ہوائی جہازوں کو ایک ہی وقت میں اغوا کرنا تھا اور ۴ مختلف مقررہ اہداف سے ٹکرانا تھا۔ ہر جہاز میں پانچ شہیدی حملہ آوروں کو شامل ہونا تھا، جن میں سے ایک ہوا باز اور بقیہ چار کو جہاز کے اغوا کیے جانے میں مدد دینی تھی اور اپنے فدائی ہوا باز ساتھی کو اتنا موقع فراہم کرنا تھا کہ وہ طے شدہ وقت سے پہلے جہاز کو ہدف سے ٹکرا دیں۔

بیسویں فدائی حملہ آور رمزی الشیبہ آخری وقت میں اس مجموعے میں شامل نہ ہو سکے لہٰذا کارروائی میں کل انیس فدا کاروں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا۔ رمزی کو زیاد الجراح والے مجموعے میں شامل ہونا تھا، جسے امریکی دار الحکومت واشنگٹن ڈی سی میں تباہی مچانی تھی، لیکن یہ طیارہ ہدف تک نہ پہنچ سکا اور پنسلوینیا میں گر کر تباہ ہو گیا تھا۔

جن انیس شہیدی مجاہدین نے اس حملے میں حصہ لیا ان میں سے چار شہیدی ہوا بازوں کے نام یہ ہیں:

۱. انجنیئر محمد عطاء

۲. زیاد الجراح

۳. مروان الشحی

۴. ہانی ہنجور رحمہم اللہ

دیگر پندرہ شہیدی اغواکار جنہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس عظیم سعادت کے لیے منتخب کیا تھا وہ یہ ہیں:

۱. احمد بن عبد اللہ النعمی

۲. سطام السقامی

۳. ماجد بن موقد

۴. خالد المحضار

۵. فائز بن احمد

۶. سالم الحازمی

۷. نواف الحازمی

۸. احمد الحزنوی الغامدی

۹. حمزہ الغامدی

۱۰. عکرمہ احمد الغامدی

۱۱. معتز سعید الغامدی

۱۲. وائل الشہری

۱۳. ولید الشہری

۱۴. مھند الشہری

۱۵. ابو العباس عبد العزیز الزہرانی رحمہم اللہ

ان انیس فدائین میں سے پندرہ کا تعلق سعودی عرب سے تھا جب کہ دو عرب امارات، اور ایک ایک لبنان اور مصر سے تعلق رکھتے تھے۔ جبکہ حملے کے ماسٹر مائنڈ خالد شیخ محمد ہیں جو بلوچی پاکستانی ہیں لیکن کویت میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے ہیں۔ خالد المحضار اور نواف الحازمی، شیخ اسامہ کے انتہائی قابل بھروسہ اور دیرینہ ساتھیوں میں سے تھے، ابتدا میں شیخ اسامہ نے انہیں بھی ہوابازوں میں شامل رکھا تھا لیکن اگست ۲۰۰۰ء میں سان ڈیاگو میں ابتدائی فضائی تربیت ٹھیک طرح مکمل نہ کرسکنے کی وجہ سے انہیں اغواکاروں میں شامل کرلیا گیا۔

شیخ اسامہ ذاتی طور پر منصوبہ کے ہر ہر مرحلے کی نگرانی کرتے رہے۔ ہوابازوں کے مجموعے کی تیاریوں پر نگاہ رکھنے کے لیے آپ حملوں کے منتظم شیخ ابو عبیدہ، شیخ رمزی بن الشیبہ اور لاجسٹک اعانت کے ذمہ دار شیخ ظاہر زکریا الہوساوی سے مسلسل رابطے میں رہتے۔ شیخ اسامہ کی ترغیب پر فدائین کی ایک بڑی فہرست تیار ہو چکی تھی لیکن اس حملے کے لیے کل انیس فداکار منتخب کیے گئے جنہیں شیخ اسامہ نے خود منتخب کیا تھا۔ یہ شہیدی حملہ آور بلاشبہ آج امت کے معمار بن گئے ہیں۔ یہ وہ ابطال ہیں جنہوں نے تاریخ کے دھارے کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ جب ساری امت بیٹھ کر کسی خوابی جنت کا نظارہ کر رہی تھی اس وقت یہ معمار امریکہ پر حملے کے لیے پر تول چکے تھے اور تیزی سے اپنے ہدف کی جانب بڑھ رہے تھے۔ جب شکوک وشبہات نے دلوں میں گھر کر لیا تھا اور جہاد کو ناقابل عمل قرار دیا جاچکا تھا یہ ابطال امریکہ کے اندر گھس کر اس پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

دیوانے کی بڑ

۱۹۹۶ء میں جب امریکہ کے خلاف اعلان جہاد کیا گیا تو اسباب کے پجاریوں نے اسے دیوانے کی بڑ قرار دیا تھا۔ مجاہدین نے افغانستان کے پہاڑوں میں ٹھکانہ بنا کر جب امریکہ کو ہدف بنانا شروع کیا تھا تو مادی اعتبار سے کوئی قابل ذکر کارروائی عمل میں نہ آسکی تھی اگرچہ معنوی اعتبار سے چند قابل ذکر حملے ہوئے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ یہ حملے اسے پیغام دے چکے تھے کہ مجاہدین اسلام اس سے فیصلہ کن معرکہ کے لیے تیار ہو چکے ہیں۔ بالآخر ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو مجاہدین اس کے گھر میں گھس کر اس کی ناک کو خاک آلود کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ گیارہ ستمبر کے مبارک حملوں نے دنیا کی واحد سپر پاور کی چولیں ہلا کر رکھ دیں۔ اور مجاہدین دنیا بھر میں ان کی طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم کا بدلہ لینے میں کسی حد تک کامیاب ہوگئے۔ اس حملے نے امریکہ کو عظیم مادی، اقتصادی، عسکری اور نفسیاتی شکست سے دوچار کر دیا۔

تیاری کہاں اور کیسے کی گئی

یہاں ہم اس حملے کی تیاری اور اس میں شرکت کرنے والے مخلص مجاہدین کی کوششوں کا مختصر جائزہ لیں گے۔

عالمی ذرائع ابلاغ نے امریکہ کے جاسوسی اور حفاظتی نظام سے متعلق ایک مافوق الفطرت نقشہ کھینچ رکھا تھا، لیکن یہ مجاہد بھائی اس سے قطعاً مرعوب نہ ہوئے۔ ان ہوابازوں نے پورے اطمینان اور سکون سے امریکہ کے اندر بیٹھ کر اپنی تیاریاں جاری رکھیں۔ امریکہ ہی میں فضائی ہوا باز کمپنیوں کے تربیتی مراکز میں داخلہ لیا اور اپنی فضائی تربیت کئی ماہ میں اس طرح پوری کی کہ کہیں بھی منصوبے کی بھنک نہ پڑ سکی۔ ادھر اغواکاروں کی عسکری تربیت قندھار کے معسکرات میں جاری تھی۔ ان کی تربیت شیخ ابو تراب اردنی نے کی تھی جو ہر قسم کے فنون سپہ گری میں ماہر تھے۔ ان فدائین کو مارشل آرٹ کے چند مفید گر سکھائے گئے جس میں تیز دھار چاقوؤں کی مدد سے سکیورٹی کی دستوں پر قابو پانے کی خصوصی تربیت بھی شامل تھی۔ اس کے علاوہ انہیں انگریزی زبان میں گفتگو کرنے کا ہنر بھی سکھایا گیا۔ امریکہ میں سفر اور قیام کے لیے جعلی دستاویزات تیار کرلی گئی تھیں۔ جب یہ تیاری مکمل ہوگئی تو روانگی سے قبل بیشتر شہداء کی وصیتیں فلم بند کی گئیں جنہیں القاعدہ کے میڈیا ڈیپارٹمنٹ 'السحاب' نے پہلی مرتبہ دو سال بعد ۲۰۰۳ء میں پیش کیا۔

ان شہدا کو کچھ عرصے تک کراچی اور انڈونیشیا میں مغربی طرز زندگی کے مطابق رہنا سکھایا گیا۔ تاکہ امریکہ میں قیام کے دوران یہ مغربی طرز زندگی کے اندر گھل مل جائیں۔ ۲۰۰۶ء میں القاعدہ کے میڈیا ڈیپارٹمنٹ 'السحاب' کی جانب سے ایک خصوصی دستاویزی فلم 'العلم للعمل' کے نام سے عربی اور انگریزی زبانوں میں جاری کی گئی جس میں پہلی مرتبہ ان تیاریوں کے مناظر کو پیش کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے ۲۰۰۳ء میں السحاب کی جانب سے ان فدائین کی وصیتوں کی ویڈیوز جاری کی جا چکی تھیں۔ لیکن اس تازہ ویڈیو میں شیخ اسامہ کے اس وقت کے کلمات بھی پیش کیے گئے جو حملے کی تیاریوں کے وقت فلم بند کیے تھے لیکن اب تک پیش نہیں کیے گئے تھے۔

اگر ہم ان شہیدی جوانوں کے حالات زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ ان شہدا کی عظیم فداکاری اُن جہلا کے منہ بند کروانے کے لیے کافی ہے جو یہ خرافات پھیلاتے آرہے ہیں کہ شہیدی حملے زندگی سے تنگ، ناکام اور بے روزگار لوگ ہی کیا کرتے ہیں۔ تقریباً ان تمام ابطال کو پر تعیش زندگی گزارنے کے سارے اسباب مہیا تھے، دنیا اپنے سارے دروازے ان پر کھول چکی تھی، لیکن انہوں نے دنیا بیچ کر آخرت خریدنے کا فیصلہ کیا۔ آدم یحییٰ غدن (عزام امریکی) ان بھائیوں کے محاسن بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”امریکہ پر حملوں میں حصہ لینے والے تمام ہی بھائی بہت پر عزم، بلند ہمت، دینی حمیت کے جذبے سے سرشار، اسلام اور اہل اسلام کے غم میں تڑپنے والے تھے ان میں یہ اعلیٰ اوصاف موجود تھے تب ہی تو وہ اس مشکل مہم کے لیے چنے گئے تھے۔ بلاشبہ یہ ایسے لوگ نہ تھے جو ناکام زندگی گزارنے کے بعد کسی راہ فرار کی تلاش میں ہوں۔ ذرا ان ہوابازوں پر ایک نگاہ تو ڈالیے، شہید انجینئر محمد عطا، شہید مروان الشحی، شہید زیاد الجراح اور شہید ہانی ہنجور۔ یہ چاروں شہداء مغربی ممالک میں رہ چکے تھے۔ انہوں نے وہیں تعلیم حاصل کی تھی۔ دنیا ان کی پہنچ میں تھی، اگر یہ اس کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہتے۔ لیکن ان کا ضمیر کیسے گوارا کر لیتا کہ یہ خود تو دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں جب کہ ان کی امت آگ میں جلتی رہے۔“

گیارہ ستمبر کا حملہ دفاعی ردعمل تھا

یہ تفصیلات جاننے سے واضح ہو جاتا ہے کہ مجاہدین کا اصل ہدف اسلام کے مدمقابل جدید مغربی کفر ہے جس کا سرخیل امریکہ ہے۔ اور اس کو ہدف اس لیے بنایا گیا تاکہ دنیا بھر میں بہنے والے مسلمان لہو کا بدلہ لیا جائے۔ اس کارروائی کے ذریعے امریکہ اور اہل اسلام کے مابین فیصلہ کن جنگ شروع کر دی جائے۔ جو لوگ ان حملوں کو دہشت گردی کے واقعات قرار دیتے ہیں وہ درحقیقت ان اسباب سے صرف نظر کرتے ہیں جنہوں نے دنیا کو ۱۱ ستمبر کا دن دکھایا۔ یہاں ہم شیخ اسامہ کے چند کلمات پر اکتفا کرتے ہیں جس میں انہوں نے امریکہ کے خلاف اس جہادی اقدام کا جواز فراہم کرتے ہوئے کہا:

”اس حملے کو دہشت گردانہ کہنا کسی طور درست نہیں، حقیقت میں یہ ایک مدافعانہ کارروائی تھی۔ ہمیں (امریکی سرپرستی میں) عراق، فلسطین، صومالیہ، شیشان، فلپین اور دنیا کے کونے کونے میں روندا جارہا تھا، لہٰذا یہ امت کے نوجوانوں کا امریکہ کے خلاف ایک قابل فہم رد عمل تھا۔“

ایک اور غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے شیخ اسامہ نے کہا:

”یہ کہنا درست نہیں کہ یہ جنگ امریکہ اور القاعدہ کے مابین ایک جنگ ہے، درحقیقت یہ جنگ عالمی کفر اور اہل اسلام کے مابین ہے، ایک طرف امریکہ اور اس کے حواری ہیں جو عالمی کفر کے نگہبان ہیں اور دوسری طرف اسلام کا دفاع کرنے والے مخلص مجاہدین اور ان کے ساتھی ہیں، خواہ وہ کسی قوم، قبیلے اور جماعت سے تعلق رکھتے ہوں، اسلام کا دفاع ہم سب کے لیے یکساں طور پر سنگین مسئلہ ہے۔ القاعدہ تو محض ایک تنظیم ہے جو مسلمانوں کو اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے تحریض دلاتی اور اس کی بجا آوری کے لیے ایک اجتماعی پلیٹ فارم مہیا کرتی ہے۔“

☆☆☆☆☆

کامیابی و نفاذِ شریعت کا واحد راستہ!

ڈاکٹر عبد اللہ نفیسی حفظہ اللہ اپنی ایک ویڈیو میں فرماتے ہیں:

”یقیناً عرب حکومتیں آج امریکیوں کے ہاتھ کا کھلونا ہیں، یہ کوئی حکومتیں یا نظام نہیں، بلکہ خطے میں اجارہ داری قائم کرنے کے آلے ہیں۔ پھر کہا کہ: اگر ہم امریکی اثر و رسوخ کو شکست دیدیں، مجھے یقین ہے کہ عرب ممالک کی اکثر حکومتیں خود بخود گر جائیں گی۔“

لہٰذا ضروری ہے کہ سب سے بڑے دشمن امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو زک پہنچائی جائے، چاہے اس راستے میں کافی وقت لگ جائے؛ کیونکہ کامیابی اور نفاذِ شریعت کا یہی واحد راستہ ہے۔

شیخ ابو محمد مصری رحمۃ اللہ علیہ

بحوالہ: گیارہ ستمبر کے مبارک حملے: افسانے اور حقائق

خالد شیخ محمد: امت مسلمہ کا بطلِ عظیم

عبید الرحمٰن زبیر

خالد شیخ محمد (فک اللہ اسرہ) کا شمار اُن ابطال امت میں ہوتا ہے جن پر امت کو واقعتاً فخر کرنے کا حق ہے۔ دنیا بھر کی طاغوتی قوتوں کے سردار امریکہ پر پے درپے ضربیں لگانے اور اُسے ناکوں چنے چبوانے کا جو کام اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اِس بندے سے لیا، وہ تاریخ کا حصہ ہے۔ یہ خالد شیخ محمد کا ہی خاصہ ہے کہ اُنہوں نے اللہ کی توفیق سے طاغوتِ اکبر امریکہ کے سرِ غرور کو اُس کی اپنی سرزمین میں بھی خاک آلود کیا اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اُس کے اہداف کو بھی کامیابی سے نشانہ بنا کر اُس کی شکست وریخت کی بنیاد ڈالنے میں اہم کردار ادا کیا۔ امت کا ایک ایسا قابل قدر سپوت کہ جس نے ناز و نعم میں آنکھ کھولی، لڑکپن اور جوانی کے ایام انتہائی آسودگی میں بسر کیے، مروجہ تعلیمی میدان میں نمایاں مقام حاصل کیا، لیکن اُس کی فطرتِ سلیم اوائل عمری ہی سے شیطانی تہذیب کی تباہ کاریوں سے محفوظ و مامون رہی اور وہ شعوری زندگی کی ابتدا ہی سے امت کے عروج و سربلندی کے خوابوں کو اپنی آنکھوں میں بسائے راہ جہاد کا راہی بنا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن کو عطا کی جانے والی فراست میں سے اُنہیں وافر حصہ عطا ہوا۔ اسی ایمانی فراست نے اُن کے سامنے امریکہ اور مغرب کی دجالی تہذیب کی چکاچوند کے پیچھے کار فرما رحمٰن سے باغی اور شیطان سے راضی نظام کی حقیقت کو کھول دیا اور وہ اس نظام باطل کی تباہی کا استعارہ بن کر کفار کی آنکھوں میں کھٹکنے لگے۔

خالد شیخ محمد یکم مارچ ۱۹۶۴ء کو کویت میں پیدا ہوئے۔ اُن کے آباؤ اجداد کا تعلق بلوچستان کی سرزمین سے ہے۔ گویا کوہستانی وصحرائی صفات اللہ رب العزت کی طرف سے اُنہیں فطری طور پر ودیعت کی گئیں۔ ۱۶ سال کی عمر میں ہی آپ نے دعوتی وجہادی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا تھا۔ ۱۹۸۶ء میں آپ نے کیلی فورنیا ایگریکلچرل اینڈ ٹیکنیکل سٹیٹ یونیورسٹی سے مکینیکل انجینئرنگ کی ڈگری مکمل کی۔ اسی سال آپ اپنے تین دیگر بھائیوں، زاہد، عابد اور عارف، کے ہمراہ افغانستان پہنچے اور سوویت روس کے خلاف جہاد میں مصروف ہوگئے۔

افغانستان سے روس کے بھاگنے کے بعد جب روس اندرونی خلفشار کا شکار تھا اور ٹوٹ پھوٹ کے مراحل سے گزر رہا تھا تو امریکہ ”واحد سپر پاور“ کی صورت میں سامنے آیا۔ اب مجاہدین کا ہدف بھی یہی ”واحد سپر پاور“ تھی اور مجاہدین نے روس کی مانند امریکہ کی خدائی کے خاتمہ کے لیے منصوبہ بندی کرنا شروع کی۔ اسی سلسلے میں ۲۶ فروری ۱۹۹۳ء کو امریکہ پر بھرپور ضرب لگی جب ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو بارود سے بھرے ٹرک کی مدد سے تباہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کارروائی میں بیسیوں امریکی جہنم واصل ہوئے۔ یہ مجاہدین کی جانب سے امریکہ پر پہلی زبردست چوٹ تھی اور اس کارروائی کی تکمیل میں خالد شیخ محمد اور اُن کے بھانجے شیخ رمزی یوسف کا بنیادی کردار تھا۔

۱۹۹۴ء کے اختتام پر آپ نے شیخ رمزی یوسف کے ساتھ مل کر فلپائن میں مشرقی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا جانے والے امریکی ایئر لائنز کے ۱۲ ہوائی جہازوں کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن بوجوہ اس میں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ امریکی تحقیقاتی ادارے خالد شیخ محمد کو ۱۲/ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو انڈونیشیا کے شہر بالی میں ہونے والے بم دھماکوں کی منصوبہ بندی کا بنیادی کردار قرار دیتے ہیں۔ اس کارروائی میں سیکڑوں صلیبی مردار ہوئے تھے۔ ۱۲ نومبر ۲۰۰۱ء کو نیویارک کے جان ایف کینیڈی ایئرپورٹ سے اڑان بھرنے والا جہاز فضا میں تباہ کر دیا گیا۔ اس کارروائی میں ۲۶۵ امریکی ہلاک ہوئے۔ امریکی حکام خالد شیخ محمد کو اس کارروائی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ یکم فروری ۲۰۰۲ء کو آپ نے صحافی کے روپ میں سی آئی اے کے آپریشنل آفیسر، امریکی یہودی ڈینیل پرل کو کراچی میں ذبح کیا۔

خالد شیخ محمد کے کارہائے نمایاں میں معرکہ ۱۱ ستمبر سب سے اہم اور نتائج کے اعتبار سے عظیم ترین کارروائی ہے۔ آپ کو نائن الیون کا ماسٹر مائنڈ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کارروائی کے لیے وسائل کی فراہمی سے لے کر فدائین کی فراہمی تک میں آپ پیش پیش رہے۔ کارروائی کی تکنیکی جزئیات سے لے کر آخری مراحل تک آپ شریکِ سفر رہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ سے وہ کام لیا جو کئی ممالک باہم مل کر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ان تمام کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آمین

امت مسلمہ کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کرنے والا یہ فرد، جس نے دشمنانِ اسلام کو ایسے زخم لگائے کہ وہ بلبلانے پر مجبور ہوگئے، پاکستان کی ایمان سے عاری سیکیورٹی ایجنسیوں اور امریکی ایجنسی سی آئی اے کی مشترکہ کارروائی میں یکم مارچ ۲۰۰۳ء کو راولپنڈی سے گرفتار ہوئے۔ ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۴ء کو ہیومن رائٹس واچ نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ خالد شیخ محمد اردن کے خفیہ قید خانے میں سی آئی اے کی قید میں ہیں۔ جون ۲۰۰۸ء میں نیویارک ٹائمز نے خبر دی کہ خالد شیخ محمد کو پولینڈ میں بھی سی آئی اے کے خفیہ عقوبت خانوں میں رکھا گیا۔

آپ نا صرف میدان جہاد وقتال کے جری شاہ سوار ہیں بلکہ آپ نے قید کے دوران بھی یہود ونصاریٰ کے ظلم و ستم کے مقابلے میں بے انتہا صبر، عزیمت اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ سی آئی اے کی طرف سے ایسے مظالم کے ہتھکنڈے آپ پر آزمائے گئے کہ الامان والحفیظ... لیکن آپ کے پایۂ استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی۔ آخر عزم وہمت کے کوہِ گراں کو کیونکر جھکایا جا سکتا ہے جب کہ اُس کی پشت پر وہ ذات اپنی تمام تر نصرتوں اور غیبی امداد کے ساتھ موجود ہو جو اپنا تعارف ہی یوں کرواتی ہے:

الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ۝ (سورۃ البروج:۹)

”جس کی آسمانوں اور زمین میں بادشاہت ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔“

اِنہی صاحب عزیمت مومنین کے اجر و مقام کا ذکر اقبال نے ان الفاظ میں کیا:

جس کا عمل ہے بے غرض اُس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر، بادہ و جام سے گزر

جن اذیتوں سے ان اولیاء اللہ کو گزارا گیا اُن کے ذکر سے ہی جسم پر جھرجھری آنے لگتی ہے۔

”تابوت جیسے صندوق میں بند کر کے تالے لگا دیے گئے۔ گلے کو پھندے سے کس کر ان کا سر بار بار دیوار سے ٹکرایا گیا۔ یخ بستہ تفتیشی کمروں میں برہنہ کر کے سر پر ٹھنڈے برفیلے پانی کی بوچھاڑ ڈالی گئی۔ کئی کئی گھنٹے انتہائی تکلیف دہ حالات میں بیٹھنے، کھڑا رہنے یا لیٹنے پر مجبور کیا گیا۔ شدید حاجت کے باوجود بیت الخلا کے استعمال سے روک دیا گیا اور کئی کئی دن تک سونے نہ دیا گیا۔ واٹر بورڈنگ اذیت دینے کی صدیوں پرانی ٹیکنیک ہے۔ 'واٹر بورڈنگ' کرتے وقت قیدی کو ایک تختے پر لٹا کر سختی سے باندھ دیا جاتا ہے۔ یہ تختہ پاؤں کی طرف سے اوپر کو اٹھا ہوتا ہے اور سر کی طرف سے جھکا ہوا۔ قیدی کے ہاتھ اور پاؤں بھی مضبوطی سے باندھ دیے جاتے ہیں۔ بعض اوقات حلق میں کوئی چیز ٹھونس دی جاتی ہے یا کوئی چیز پھنسا کر جبڑا کھول دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد فوارے کے ذریعے پانی کی انتہائی تیز بوچھاڑ چہرے پر ڈالی جاتی ہے۔ چند لمحوں کے اندر قیدی کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ سانس لینا محال ہو جاتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے جیسے گہرے پانیوں میں ڈوبتا چلا جا رہا ہے۔ وہ تڑپتا ہے لیکن تڑپ نہیں سکتا۔ چیخنا چاہتا ہے لیکن چیخ نہیں سکتا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ ٹارچر کی انتہائی تکلیف دہ اور بے حد اذیت ناک ٹیکنیک ہے جس کی کوئی اخلاقی و قانونی حیثیت نہیں۔ اگست ۲۰۰۲ء کے صرف ایک ماہ میں شیخ ابو زبیدہ کو ۸۳ مرتبہ اور مارچ ۲۰۰۳ء کو صرف ایک ماہ میں خالد شیخ محمد کو ۱۸۳ مرتبہ واٹر بورڈنگ کا نشانہ بنایا گیا۔“

(روزنامہ جنگ، ۲۷ /اپریل ۲۰۰۹)

۲۹ ستمبر ۲۰۰۶ء کو جارج بش نے اعلان کیا کہ ”ابو زبیدہ، رمزی الشیبہ اور خالد شیخ محمد سی آئی اے کی حراست میں ہیں اور اُنہیں جلد ہی گوانتاناموبے منتقل کر دیا جائے گا“۔

مارچ ۲۰۰۷ء میں آپ نے امریکی تفتیش کاروں کے سامنے گیارہ ستمبر کے معرکہ کی ذمہ داری قبول کرنے کا برملا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

I was responsible for the 9/11 operation, from A to Z.

”میں ۱۱/۹ کی کارروائی کا اول تا آخر ذمہ دار ہوں!“

آپ نے مزید کہا کہ ”میں جامِ شہادت نوش کرنے کے لیے بے تاب ہوں“۔ آپ کے ساتھ قید دیگر دو ساتھیوں ولید بن اتاش اور رمزی بن الشیبہ نے بھی شہادت کی آرزو اور تمنا کا اظہار کیا۔

شیخ اسامہ بن لادن نے خالد شیخ محمد کے حوالے سے اپنے ایک پیغام میں امریکہ کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ:

”اگر ہمارے بھائی خالد شیخ محمد کو سزائے موت دی گئی تو امریکہ کو بہت سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا، ہم تمام یرغمالی امریکیوں کو قتل کر دیں گے اور مستقبل میں بھی امریکی قیدیوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے گا۔ اوباما بھی اپنے پیش رو بش کے نقشِ قدم پر چل رہا ہے۔ وائٹ ہاؤس میں بیٹھے سیاست دان ابھی تک فلسطین پر اسرائیل کے قبضے کی حمایت کر رہے ہیں اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ سات سمندر پار بیٹھا امریکہ ظلم کر کے محفوظ رہے گا جب کہ ہم نے اللہ کی مدد سے گیارہ ستمبر کی صورت میں اپنا ردعمل ظاہر کیا تھا اور اگر اب بھی وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہماری پہنچ سے دور ہیں تو یہ اُن کی خام خیالی ہے، وہ نائن الیون کو ہماری وارننگ کا دھماکہ سن چکے ہیں۔“

کفار و مرتدین کی قید میں موجود ہمارے بھائیوں اور قائدین کا ہم پر حق ہے کہ ہم اُنہیں اپنی ہر دعا میں یاد رکھیں۔ وہ جو امت کے درد میں ڈوبے اپنی زندگیوں کو تنگ و تاریک کوٹھریوں اور پنجروں میں گزار رہے ہیں، اُنہیں نالۂ نیم شب میں کبھی نہ بھولیں اور رب کائنات کے حضور اُن کی رہائی اور بازیابی کے لیے گڑگڑا کر دعائیں کریں کہ وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے اور خود فرماتا ہے کہ:

اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (سورۃ البقرۃ:۱۸۶)

”میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے۔“

پس اُس ذات کے حضور اپنے بھائیوں اور محسنین امت کے لیے دعا کریں...

اللھم فک اسرانا واسرالمسلمین اللھم فک عبادک المومنین

☆☆☆☆☆

اذان تو کب کی ہو چکی نماز عشق ادا کب ہو گی؟

انجینئر زین علی

اللہ کی حکمت کو متقاضی تھا کہ وہ صحیح غلط کی تشریحات تو واضح فرما دے لیکن سمت واضح ہونے کے بعد لوگوں کے افعال کا مکمل نتیجہ اس نے آخرت پر موقوف رکھا ہے۔ دنیا میں مختلف حالات وواقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ کبھی ماحول سازگار ہوتا ہے کبھی ناسازگار ہوتا ہے لیکن بتائے گئے منہج پر چلنا انسان کی دنیوی و اخروی فلاح کے لیے لازم ہوتا ہے۔ اگر اس دوران وہ حالات کا عذر تراشے یا سستی و کاہلی کا مظاہرہ کرے تو یہ عوامل اس کے حق میں حجت ہرگز نہیں بن سکتے۔ البتہ اگر وہ نامساعد حالات اور فتنہ انگیز ماحول میں بھی حق کی روش اختیار کیے رکھے تو اس کو اس کا اجر کئی گنا بڑھ کر ملتا ہے۔

آج ہر طرف جو کفر کا شور و غوغا بپا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ شاید یہ سب یوں اچانک ہوا، لیکن سمجھنے والے سمجھتے ہیں کفار اور دجالی طاقتوں کی یلغار مدتوں سے جاری و ساری ہے، لیکن پہلے وہ اتنی واضح نہیں تھی جتنی واضح آج دکھائی دیتی ہے۔ پہلے بھی منظم منصوبے کے تحت دنیا پر اپنا شکنجہ کسنے اور اسے مکمل گرفت میں لینے کے شیطانی و دجالی منصوبے پر عمل درآمد جاری تھا لیکن رازداری اور خاموشی کے علاوہ اسے اقدار کا لبادہ اوڑھا دیا گیا تھا۔

مسلم سرزمینوں پر قبضے کی مہم کوئی نئی نہیں۔ مدت سے دنیا میں ابلیس کے ہرکارے خالقِ کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ کے نازل کردہ پاکیزہ اور سراپا خیر احکام کا نفاذ ممنوع قرار دے چکے تھے۔ بے حیائی، فحاشی و عریانی کی عالمی مہم بتدریج آگے بڑھائی جا رہی تھی، گمراہ کن عقائد کا پرچار اور باطل گروہوں کی سرپرستی بھی شدومد سے جاری تھی۔ مسلمانوں میں ایمانی حلاوت کو سرد کرنے اور دین کے ساتھ ان کی گہری وابستگی پر ضرب لگانے کا کام بے راہ روی اور ثقافت وفنون کے نام پر جاری تھا۔ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قرآن مقدس اور حدود اللہ کے حوالے سے مسلمانوں کا انتہائی حساس مزاج دھیرے دھیرے بے حسی میں بدلنے کی مہم کا آغاز بھی برسوں پہلے ہو چکا تھا۔ دنیا کو دجال کی آمد اور شیطانی خواہشات کی تکمیل کے لیے آراستہ کرنے کے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا جا رہا تھا۔ لیکن یہ وہ دور تھا جب عام مسلمان تو درکنار خواص اور بڑے بڑے دانشور، حکماء اور فلسفی بھی اس قبیح و شنیع منصوبے سے نہ صرف لاعلم تھے بلکہ اہل نظر کی ایسی باتوں کو سازشی کہانیاں کہا کرتے تھے۔ فتنوں کو جدت کی نظر سے دلچسپی کے ساتھ دیکھا جا رہا تھا، دجالیوں کی ملمع سازی پوری طرح کارگر تھی۔ عصری علوم اور ٹیکنالوجی سے مرعوب کر کے مغربی افکار و نظریات کے ساتھ دجالی و شیطانی تہذیب کو مسلم ذہنوں میں انڈیلا جا رہا تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت یہ سمجھنے سے قاصر لگتی تھی کہ عصری علوم اور ٹیکنالوجی کا حصول ہو یا سائنسی تحقیقات، یہ شریعت مطہرہ کی رہنمائی میں زیادہ مفید اور پر اثر ہو سکتی ہیں۔

امریکہ جو کئی دہائیوں سے بلا شرکت غیرے دجالی طاقتوں کا سرغنہ بن چکا ہے مسلم ممالک کی حکومتوں کو بنانے اور گرانے کا کھیل جاری رکھے ہوئے تھا۔

عالمی سامراجی ایجنڈے کے تحت کہیں آمریت کی حمایت، کہیں جمہوریت کا چورن تو کہیں بادشاہت کی سرپرستی ہو رہی تھی لیکن اعلان یہ تھا کہ دنیا کو مہذب کیا جا رہا ہے اور اعلیٰ اقدار کے تحت لانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ غرض ہر طرف اندھیرے کے قبضے کی کوششیں جاری تھیں۔

لیکن کچھ چراغ روشن تھے جو عزم کیے ہوئے تھے دنیا کو نورِ ہدایت سے محروم کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہ راہ پرخار تھی۔ اللہ کی عطا کردہ خرقِ عادت بصیرت سے روشن اذہان کے ساتھ ان کے قلوب بھی ویسے ہی ایمان سے معطر تھے، ورنہ اس راہ میں چلنا صرف انگاروں پر چلنا تھا۔ دنیا کی تمام مادی طاقتوں سے بے سروسامان ٹکرا جانا ایک ایسے دور میں جہاں اپنے اور پرائے سب سے تلخ و کڑوی کسیلی سننے کو ملتی ہوں وہاں فقط رب کی محبت میں چل پڑنا انہی اکابر کا حوصلہ تھا۔ پس وہ بندگانِ خدا پرعزم ہو کر چل پڑے اور یہ بارِ گراں اٹھا لیا جسے اٹھانے کی ہمت بڑی بڑی ریاستیں اور سلطنتیں نہ کر سکیں۔ ان کے پاس نظریہ تھا، دوراندیشی تھی اور دشمن کی تمام تر مکاری، عیاری اور وسائل کی بہتات کے باوجود یہ وہ عظیم شخصیات تھیں جن پر ان کے رب نے منظر واضح کر رکھا تھا۔ وہ ایمان کے نور سے حالات کو نہ صرف دیکھ اور سمجھ رہے تھے بلکہ اس طوفانِ شیطنیت کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لیے آج کے دور میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرح سب کچھ لٹا دینے کے لیے پورے یقین اور استقامت سے مستعد تھے۔

بالآخر وہ گھڑی آن پہنچی جب انہوں نے اس قوت سے باطل کو للکارا کہ باطل جو یک طرفہ ہی دنیا کو شیطانی خواہشات کی بھینٹ چڑھانے کے خواب دیکھ رہا تھا چکرا کر رہ گیا۔

گویا وہ امت جو خلافت سے محروم کر دی گئی تھی، وہ امت جس کی مرکزیت چھین لی گئی تھی، وہ امت جسے ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا تھا، جسے آپس میں دست و گریباں کر دیا گیا تھا اور جس امت کی ترجیحات بدل دی گئیں تھیں۔ یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ ان کے شاندار ماضی سے ان کا ہر ناطہ توڑ دیا جائے، ان کی واپسی کے سارے راستے مسدود کر دیے گئے تھے۔ اس امت میں اب بھی اس درجے کے اولیاء اللہ موجود تھے جن کی نظر میں وہ دوراندیشی اور حکمت تھی جسے امت مسلمہ میں مفقود سمجھ لیا گیا تھا، وہ قیادت و سیادت جو دنیا کی بڑی سے بڑی اکیڈمی میں تیار نہیں کی جا سکتی تھی۔

یہ معرکہ ۱۱ ستمبر کی برکت تھی کہ ہر کس و ناکس نے یہ جان لیا، دنیا میں دو واضح فریق ہیں، ایک طرف حق ہے اور دوسری طرف باطل۔ فیصلہ اگرچہ دنیا بھر کے ممالک کے حکمرانوں

نے باطل کی طاقت کو سجدہ کرنے کا کر لیا تھا لیکن عوام یا خواص سمجھ چکے تھے کہ اہل عزیمت عالمی کفر کو کتنا خوفزدہ کر چکے ہیں۔ کفر کے ایوان لرزہ براندام تھے، محض ایک ہی ضرب سے اتنے بڑے اہداف کا حصول ممکن ہوا یہ اللہ کی کھلی ہوئی نصرت تھی۔ پھر جس طرح دشمن کو معاشی ضرب لگائی گئی یہ اسی کا نقطہ آغاز تھا کہ قرضوں کے بوجھ سے امریکی معیشت کی بنیادیں ہل گئیں۔

محسنِ امت شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء دنیا کے مطلوب ترین لوگ ٹھہرائے گئے، ان کے سروں کی قیمت لگائی گئی اور دنیا بھر کے استخباراتی ادارے انہیں ڈھونڈنے لگے۔ لیکن وہ اپنا کام کر چکے تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ کا نقارہ اس شان سے بجایا جا چکا تھا کہ دنیا بھر سے شمعِ توحید کے پروانے اپنا مقصد پہچان کر جانیں قربان کرنے لگے۔ کفر کا راز فاش ہو چکا تھا، امت کے نوجوانوں کے سامنے ایک نصب العین واضح کر دیا گیا تھا۔ حکمائے امت نے سچ فرمایا کہ جہاد کی سب سے بڑی دعوت خود جہاد ہے۔ یہ لوگوں کو متوجہ کرتا ہے، اور جس بات کو سمجھنے کے لیے انہیں سینکڑوں وعظ و نصیحت کی مجلسیں درکار ہوتی ہیں وہ لمحوں میں نظریہ بن کر مقصد زندگی بن جاتا ہے۔ چنانچہ اس مبارک کاروائی نے اتنے لوگوں کو مقصدِ حیات سے روشناس کروایا جو شاید اربوں ڈالر کے وسائل اور صدیوں کی محنت سے ممکن نہ ہو پاتا۔ یورپ اور امریکہ میں قرآن پڑھا جانے لگا، لوگ جاننا چاہتے تھے قرآن کا پیغام کیا ہے۔ تحقیق کے شوقین غور و فکر کرنے لگے اور لاکھوں سینے نور ایمان سے بہرہ مند ہوئے۔

لیکن اصل سوال اس ساری گفتگو کے بعد بھی ہماری طرف متوجہ ہے۔ اگرچہ دنیا کے مختلف خطوں میں مجاہدین کے مجموعے منظم ہوئے اور فریضہ جہاد کی ادائیگی کرنے لگے، لیکن گیارہ ستمبر کی مبارک کاروائی تو ایک دعوت تھی، وہ تو ایک ابتدا تھی، وہ تو ایک اذان تھی۔

اس کھلے پیغام کے بعد جس نے ہدف کا تعین کر دیا تھا، جس نے مرض کی تشخیص کے ساتھ اس کا علاج بھی بتا دیا تھا، سوال یہ ہے ہم نے کیا کیا؟ ہم پر اس واقع کا کیا اثر ہوا؟ کیا ہم نے بھی مقصد زندگی کو پہچانا؟ کیا وہ گوہر نایاب ہمارے ہاتھ بھی لگا جسے راہِ ہدایت کہا جاتا ہے؟ کیا رباط کی لذت ہم چکھ سکے؟ کیا ہجرت کی زندگی کے بظاہر کٹھن مرحلوں میں پوشیدہ چاشنی ہمیں معلوم ہوئی؟ کیسا لگتا ہے جب یہ احساس دل میں جاگزیں ہوں کہ تم خوش بخت ہو تمہارا خالق و مالک تم سے راضی ہے، اس نے تمہیں چنا ہے اپنے لیے، اپنے دین کی سربلندی کے لیے تم منتخب کیے گیے ہو، جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اللہ کی نظر رحمت تمہاری طرف متوجہ ہوئی ہے۔ جب انسان یہ محسوس کرنے لگے کہ وہ حقیقی کامیابی کی طرف رخت سفر باندھ چکا ہے۔ ایسے میں جو سرور و نشاط کی کیفیت اسے نصیب ہوتی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ پھر اس کے لیے راہ کے کانٹے گلزار ہوتے ہیں انگاروں پر چلنا سہل ہو جاتا ہے۔

لیکن آخر کیوں ہم ان سعادتوں بھری زندگی سے محروم رہے جبکہ فرض ہمیں پکار رہا تھا اور پکار رہا ہے؟ ایسی شاندار اذان جو گیارہ ستمبر کو مجاہدین نے اپنے لہو کے سُروں میں دی تھی ہم نے کیوں نہ سنی؟ کیا نمازِ عشق ادا کرنا ہم پر لازم نہ تھا؟ نمازِ عشق کے کتنے سجدے ہم قضا کر چکے۔ کیا اب بھی ہم حقیقت کو نہیں پہچاننا چاہتے؟ معرکہ گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء میں ہوا اور اب اسے گزرے ۲۴ سال ہو چکے۔ اگلے سال ۱۱ ستمبر کو اس اذان کو چوتھائی صدی گزر جائے گی۔ جب ہدف ہم پر واضح کر دیا گیا ہے کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے امریکی اثاثوں کو نشانہ بنانا ہے تو غفلت کیسی؟ ہزاروں کے لاؤ لشکر کی کیا غایت، جو کام ایک آدمی کر سکتا ہو اسے اکیلے کر گزرنا چاہیے، جو دو کر سکیں اس کے لیے تیسرے کی کیا حاجت؟ اسی طرح دنیا بھر کے غیور مسلمان اپنے قریب کے اہداف کو نشانہ بنائیں۔ براہ راست امریکی اہداف کو نشانہ بنانا ہی دنیا بھر میں کفر کی کمر توڑنے کی کنجی ہے۔ یہ سادہ سی بات جو دہائیوں پہلے سمجھا دی گئی تھی اور اب تو آنکھوں سے دیکھ چکے، صیہونیوں کی طاقت بھی امریکہ ہے۔ پھر بھی اگر جہاد کے راستے سے کچھ مانع ہے تو وہ یقیناً گمراہی ہو سکتی ہے۔

جب امریکی مفادات اور اثاثے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں اور اسے اگلے ایک سال میں سینکڑوں زخم لگیں تو اس کی معیشت دفاعی اخراجات کے بوجھ تلے دب کر مر جائے گی۔ لیکن امت بیداری کا ثبوت تو دے۔ دنیا میں اتنی بڑی تعداد میں مسلمان آباد ہیں اگر ان کا ایک فیصد سے بھی کم جہاد سے وابستہ ہو جائے اور عملی میدان کا شہسوار بن جائے تو دنیا کا کوئی ملک کوئی خطہ ایسا نہ ہو جہاں کے انسانوں کو اس شیطانی سامراج سے نجات نہ مل جائے اور زمین امن و سکون کا گہوارہ بن جائے، ہر طرف انصاف کا بول بالا ہو جائے۔

لاکھوں کروڑوں انوارات نازل ہوں معرکہ گیارہ ستمبر میں شامل ان نفوس قدسیہ پر جنہوں نے امت کے لیے اپنے لہو سے راستہ واضح کیا اور آسانیاں ہوں ان کی راہ پر چلنے والوں کے لیے کیونکہ یہ خیر و شر کا تصادم ہے، جس میں سب سے حتمی بات یہ ہے کہ آخری فتح حق کی ہو گی۔ ان شاء اللہ!

نوجوانوں کے نام!

میں امت مسلمہ کے نوجوانوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کے اندر ایسی خداد صلاحیتیں چھپی ہیں، جو عظیم انقلاب لا سکتی ہیں، ان نوجوانوں کو دیکھیے؛ جو تعداد میں کم اور بے سروسامانی کے عالم میں پورے مغرب کو ایسا عبرتناک سبق سکھا گئے، جو رہتی دنیا تک وہ نہیں بھول پائیں گے، امریکہ کے اندر ہی امریکہ کا غرور خاک میں ملا گئے اور ان کے عسکری و اقتصادی میناروں کو ریت کا ڈھیر بنا گئے، جس دن کے حوالے سے خود امریکیوں نے: ”۱۱ ستمبر امریکہ کی تاریخ کا انتہائی ہولناک دن تھا“ جیسے جملے کہے تھے۔ ایسے میں امت مسلمہ کو چاہیے کہ ۱۱ ستمبر جیسی کاروائیاں مزید سرانجام دیں، صرف امریکہ میں ہی نہیں بلکہ ہماری مقدس سرزمین پر قابض صہیونیوں پر بھی ایسی کاری ضربیں لگانا ضروری ہیں۔

(گیارہ ستمبر کے مبارک حملے: افسانے اور حقائق از شیخ ابو محمد مصریؒ)

فتویٰ نمبر: ۰۲

تاریخ: ۲۵-۱۲-۱۴۴۶ھ

عنوان: پاکستان میں حاکم نظام کی شرعی حیثیت

بسم الله الرحمن الرحيم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین بیچ اس مسئلے میں کہ پاکستان میں حاکم نظام کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آیا یہ نظام اسلامی ہے یا کفری؟ ہم دیکھتے ہیں کہ آئے روز ایسے اقدامات کیے جا رہے ہیں جو قرآن وسنت سے صریح متصادم ہیں، کیا ایسے اقدامات کے بعد بھی دستورِ پاکستان میں موجود اسلامی شقوں کی موجودگی کے سبب حاکم نظام کی اسلامی حیثیت برقرار رہتی ہے یا اس کے بعد بدل جاتی ہے؟

فتویٰ

حامدًا ومصليًا، وبعد

جواب سے پہلے پاکستانی نظام کے حوالے سے چند حقائق جاننا ضروری ہے۔

پاکستان کے دستور میں لکھا ہے کہ:

> ”چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکمِ مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار واقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا، وہ ایک مقدس امانت ہے۔“[1]

نیز یہ کہ:

> ”۲۲۷(ا) تمام موجودہ قوانین کو قرآنِ پاک اور سنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا، جن کا اس حصے [حصہ نہم] میں بطورِ اسلامی احکام حوالہ دیا گیا ہے اور ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو مذکورہ احکام کے منافی ہو۔“[2]

یہ وہ دو بنیادی شقیں ہیں جن کے سبب اس دستور کو اسلامی قرار دیا جاتا ہے کہ اوّل شق کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ کو تسلیم کیا گیا ہے اور دوسری شق میں قرآن وسنت کو قوانین کا مصدر قرار دیا گیا ہے۔ اور پھر دستور کو اسلامی قرار دینے کی وجہ سے حاکم نظام کو اسلامی قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دستور کی یہ شقیں کس حد تک مبنی بر حقیقت ہیں؟

---

[1] تمہید، صفحہ ۱، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، ترمیم شدہ لغایت ۳۱ مئی، ۲۰۱۸۔

اس تحریر میں جہاں بھی ”حاکمیت اعلی“ کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے اس سے مراد تمہید اور ضمیمہ قرداد مقاصد کا یہی متن ہے۔

[2] حصہ نہم، اسلامی احکام، ۲۲۷(ا)، صفحہ: ۱۴۷، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، ترمیم شدہ لغایت ۳۱ مئی ۲۰۱۸۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ دستور میں حاکمیتِ اعلیٰ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کا دعوی خلافِ حقیقت ہے۔ اور قوانین کا اسلامی احکام کے مطابق ہونے کا دعویٰ بھی بالکل لائقِ التفات نہیں، کیونکہ جب ہم پاکستان کے آئین کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اس میں واضح طور پر یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ پارلیمنٹ کی اکثریت کو مطلق قانون سازی کا اختیار ہے [۳]، اور اس اکثریت کی بنا پر وہ خود آئین کو بھی بدل سکتے ہیں اور شریعت سے متصادم قانون سازی بھی کر سکتے ہیں، اور اس پر کوئی حقیقی اور مؤثر قدغن نہیں لاگو کی گئی۔ اگر مطلق قانون سازی کا اختیار اراکینِ پارلیمنٹ کے پاس نہ ہوتا تو اسلامی احکام کے موافق 'حسبہ' اور 'شریعت بل' کیوں رد کیے گئے؟ باوجود یہ کہ ان میں مندرج احکام شریعت کے قطعی احکامات میں سے تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں پورے کا پورا اختیار اراکین پارلیمنٹ کے پاس ہے اور یہ شقیں دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔ حاکمیتِ اعلیٰ اور مطلق قانون سازی اللہ تعالیٰ کے بجائے بندوں (اراکینِ اسمبلی) کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے۔ اگر حاکیتِ اعلیٰ کا حق اللہ کے لیے ہوتا تو کبھی بھی قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی نہ ہوتی اور نہ ہی ان قوانین اور بلوں کو رد کیا جاتا جو قرآن وسنت سے ثابت احکام پر مبنی تھے۔ یہ لوگ (اراکینِ پارلیمنٹ) جس قانون کو بھی قبول کریں گے وہی نافذ العمل قانون ہوگا اور اگر کوئی قانون اکثر ارکان کی جانب سے رد کر دیا جائے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی، چاہے وہ قرآن وسنت پر مبنی قوانین ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ حسبہ اور شریعت نامی بل کے ساتھ ہوا۔ لہٰذا دستور میں حاکمیتِ اعلیٰ کے اللہ تعالیٰ کو سپرد کیے جانے کا جملہ دھوکے اور فریب کے سوا کچھ نہیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ آئینِ پاکستان میں لکھا ہوا یہ جملہ "ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو مذکورہ [قرآنِ پاک اور سنت میں منضبط اسلامی] احکام کے منافی ہو"، ایک وعدے کے سوا کچھ نہیں۔ علماء خوب جانتے ہیں کہ عقود میں وعدے کی قضاءً کوئی شرعی حیثیت نہیں ہوتی، جیسے کوئی کہے کہ میں ایک ماہ بعد اسلام قبول کروں گا، ایسے شخص کو کوئی معقول انسان مسلمان نہیں گردانے گا جب تک کہ عملاً اسلام قبول نہ کر لے۔

خلافِ اسلام قوانین کے متعلق تو بس یہ محض ایک وعدہ ہے کہ انہیں اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا، لیکن یہ صراحت نہیں کہ اِن غیر اسلامی قوانین کو کب ختم کیا جائے گا، جبکہ اس کے مد مقابل وضعی "انسانی بنیادی حقوق" سے متصادم قوانین کے متعلق دوٹوک لکھ دیا گیا کہ وہ کالعدم ہوں گے [۴] اگرچہ وہ شرعاً قطعی احکام ہی کیوں نہ ہوں جیسے کہ حدود اللہ، کیونکہ 'اسلام' تو اللہ کا حکم ہے اور 'بنیادی حقوق' اقوامِ متحدہ کا حکم!

فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (سورۃ الأنعام:۱۳۶)

"تو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ تو خدا کی طرف نہیں جا سکتا اور جو حصہ خدا کا ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں کی طرف جا سکتا ہے، یہ کیسا برا انصاف ہے۔"

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ وعدہ کرنے سے تو آئین اسلامی ہو گیا، لیکن عملاً کفریہ قوانین جاری ہیں، اور آئین کا حصہ قرار دیئے گئے ہیں اور اس کے باوجود آئین کفریہ نہ ہوا!

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل [۵] نامی کمیٹی جو غیر اسلامی قوانین کی نشاندہی کرتی ہے، یہ بھی محض علامتی ہے۔ اس کمیٹی کی تجاویز کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ اگر یہ کمیٹی کسی قانون کو قطعی اسلامی احکام کے منافی قرار دے تو تب بھی پارلیمان پر لازم نہیں کہ وہ کمیٹی کے مشورے پر عمل کرے۔ نیز اراکینِ پارلیمان کی قانون سازی اس کمیٹی کی تصویب پر موقوف نہیں، بلکہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق قانون سازی کر سکتے ہیں، اور کمیٹی کو اس پر نظرِ ثانی کا اختیار بھی نہیں۔

---

[۳] چنانچہ دستور میں درج ہے کہ:

(۵۵)(۱) دستور کے تابع قومی اسمبلی کے تمام فیصلے حاضر اور ووٹ دینے والے ارکان کی اکثریت سے کیے جائیں گے۔ (باب ۲، مجلس شوریٰ، [پارلیمنٹ]، شق ۵۵/۱، صفحہ:۳۱، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، ترمیم شدہ لغایت ۳۱ مئی ۲۰۱۸۔

(۷۲)(۴) دستور کے تابع، کسی مشترکہ اجلاس میں تمام فیصلے حاضر اور رائے دینے والے ارکان کی اکثریت کے ووٹوں سے کیے جائیں گے۔ (باب ۲، مجلس شوریٰ، [پارلیمنٹ]، قانون سازی کا طریق کار، شق ۷۲(۴) صفحہ:۴۶، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، ترمیم شدہ لغایت ۳۱ مئی ۲۰۱۸

[۴] (۸)(۱) کوئی قانون یا رسم ورواج جو قانون کا حکم رکھتا ہو، تناقض کی اس حد تک کالعدم ہوگا جس حد تک وہ اس باب میں عطا کردہ حقوق کا نقیض ہو۔ (باب ۱، بنیادی حقوق، ص:۵، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، ترمیم شدہ لغایت ۳۱ مئی ۲۰۱۸) اور تمہید میں بنیادی حقوق ایسے ذکر کیے گئے ہیں: "بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی اور ان حقوق میں قانون اور اخلاق عامہ کے تابع حیثیت اور مواقع میں مساوات، قانون کی نظر میں برابری، معاشرتی، معاشی اور سیاسی انصاف اور خیال، اظہارِ خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور اجتماع کی آزادی شامل ہوگی" (تمہید، ص:۲، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، ترمیم شدہ لغایت ۳۱ مئی ۲۰۱۸)

[۵] جس کا تذکرہ دستور (حصہ نہم، اسلامی احکام، ۲۲۸(۱)، صفحہ:۱۴۷، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، ترمیم شدہ لغایت ۳۱ مئی ۲۰۱۸) میں کیا گیا ہے۔

سو ثابت ہو گیا کہ اسلامی قانون سازی اور غیر اسلامی قوانین کی روک تھام کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل نامی کمیٹی محض علامتی ہے جسے کوئی قانونی اختیار حاصل نہیں۔ سو پارلیمان کو مطلق اختیار حاصل ہے کہ شرعی قوانین کو کالعدم کر دے یا نافذ کرے، جس کی واضح مثالیں شریعہ بل اور حسبہ بل ہیں، جنہیں پارلیمان کی اکثریت نے رَد کر دیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل محض سفارشات پیش کر سکتی ہے[6]، تاحال ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں کیا گیا۔

اسی طرح وفاقی شرعی عدالت بھی سپریم کورٹ کے ماتحت ہے[7]، کیونکہ سپریم کورٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں کو کالعدم کر دے، سو معلوم ہوا کہ وفاقی شرعی عدالت بھی ایک بے اختیار ادارہ ہے[8] جو اسلامیانِ پاکستان کو دھوکہ دینے کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ سود کے خلاف وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو سپریم کورٹ نے تسلیم نہیں کیا، بلکہ عملاً کالعدم قرار دے دیا۔

تو جب آئین کی طرف سے عطا کردہ دونوں ادارے (اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت مع شریعت مرافعہ بینچ) اتنے بے بس اور بے اختیار ہیں کہ غیر اسلامی قوانین کا راستہ نہیں روک سکتے تو پھر اس آئین کو کیسے اسلامی کہا جا سکتا ہے؟

وفاقی شرعی عدالت کی حیثیت جاننے کے لیے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں، جس میں اس ادارے کی حیثیت واضح کی گئی ہے۔[9]

چنانچہ درج ذیل نکات میں پاکستانی نظام اور شریعتِ اسلامیہ میں تضاد واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے:

- نمائندگی عوام ہے نا کہ نیابتِ رسول ﷺ۔ یعنی اسلامی نظام میں حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور تمام فیصلے قرآن و سنت اور شریعت کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق کیے جاتے ہیں، لیکن پاکستان کے حاکم نظام میں حاکمیتِ اعلیٰ درحقیقت عوامی نمائندوں (ارکانِ پارلیمان) کو حاصل ہے اور اکثریت کی بنیاد پر کوئی بھی قانون بنایا جا سکتا ہے۔
- دستور و آئین مرجع ہے نا کہ اسلامی شرعی قضاء۔ یعنی آئین وہ مقدس دستاویز ہے، جسے تمام اختلافی امور میں واحد فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے، عدالتیں اس کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتیں، حالانکہ یہ آئین قرآن و سنت سے متصادم ہے۔

المختصر، ایک طرف اسلامی احکام ہیں اور دوسری جانب انسانوں کے بنائے قوانین ہیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پاکستانی آئین میں شریعت کو رد کیا گیا ہے اور انسانوں کے بنائے قوانین کو نافذ کیا گیا ہے۔

اب اصل جواب کی طرف آتے ہیں:

جب یہ معلوم ہو گیا کہ اس آئین میں کئی ایسی شِقیں ہیں جو قطعی شرعی احکام کے خلاف ہیں، اس آئین نے ایک ایسا حکومتی نظام تشکیل دیا ہے جس میں شریعتِ الٰہیہ کو رد کیا گیا ہے اور عملاً غیر اسلامی قوانین کو نافذ کیا گیا ہے، شریعت کے احکام کو نفاذ کی استطاعت کے باوجود علانیہ رد کیا گیا، جس کی واضح مثال شریعہ بل، حِسبہ بل اور سود کے خلاف وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو رد کرنا شامل ہے، ایسے آئین پر مبنی نظام کو ہرگز ہرگز اسلامی نہیں کہا جا سکتا، جب تک کہ وہ اسلام قبول کر کے اسے نافذ نہ کر دے۔ پس ثابت ہوا کہ پاکستان کا حاکم نظام غیر اسلامی اور کفر پر مبنی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب.

مجیب: مفتی اسد الرحمن صافی عفی اللہ عنہ

---

[6] (۲۲۹) صدر یا صوبے کا گورنر اگر چاہے، یا اگر کسی ایوان یا صوبائی اسمبلی کی کل رکنیت کا دو بٹا پانچ حصہ یہ مطالبہ کرے، تو کسی سوال پر اسلامی کونسل سے مشورہ کیا جائے گا کہ آیا کوئی مجوزہ قانون اسلام کے احکام کے منافی ہے یا نہیں۔

(۲۳۰) (۳) جب کوئی ایوان، کوئی صوبائی اسمبلی، صدر یا گورنر، جیسی بھی صورت ہو، یہ خیال کرے کہ مفادِ عامہ کی خاطر اس مجوزہ قانون کا وضع کرنا جس کے بارے میں سوال اٹھایا گیا تھا مشورہ حاصل ہونے تک ملتوی نہ کیا جائے، تو اس صورت میں مذکورہ قانون مشورہ مہیا ہونے سے قبل وضع کیا جا سکے گا: مگر شرط یہ ہے کہ جب کوئی قانون اسلامی کونسل کے پاس مشورے کے لیے بھیجا جائے اور کونسل یہ مشورہ دے کہ قانون اسلامی احکام کے منافی ہے تو ایوان، یا جیسی بھی صورت ہو، صوبائی اسمبلی، صدر یا گورنر اس طرح وضع کردہ قانون پر دوبارہ غور کرے گا۔

[7] (۱۸۹) عدالتِ عظمیٰ کا کوئی فیصلہ، جس حد تک اس میں کسی امرِ قانونی کا تصفیہ کیا گیا ہو، یا وہ کسی اصولِ قانون پر مبنی، یا اس کی وضاحت کرتا ہو، پاکستان میں تمام دوسری عدالتوں کے لیے واجب التعمیل ہو گا۔
نیز دیکھیے آرٹیکل (۲۰۱)

[8] تین چیزیں اس شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے مطلق باہر ہیں: ۱۔ دستور ۲۔ مسلم شخصی قانون ۳۔ کسی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطہ کار سے متعلق کوئی قانون بحوالہ آرٹیکل: (۲۰۳)(ج)

[9] بہ نام: "وفاقی شرعی عدالت کے حالیہ فیصلے کے خلاف اسٹیٹ بینک کی اپیل"، بہ تاریخ: محرم الحرام ۱۴۴۴ھ - اگست ۲۰۲۲ء۔ از مفتی رفیق احمد بالاکوٹی۔ www.banuri.edu.pk

دلائل

۱. فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء:۶۵)

۲. أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ (المائدة:۵۰)

۳. وَفِي هَذِهِ الْآيَةِ (النساء: ۶۵) دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ مَنْ رَدَّ شَيْئًا مِنْ أَوَامِرِ اللَّهِ تَعَالَى أَوْ أَوَامِرِ رَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ خَارِجٌ مِنْ الْإِسْلَامِ سَوَاءٌ رَدَّهُ مِنْ جِهَةِ الشَّكِّ فِيهِ أَوْ مِنْ جِهَةِ تَرْكِ الْقَبُولِ وَالِامْتِنَاعِ مِنْ التَّسْلِيمِ وَذَلِكَ يُوجِبُ صِحَّةَ مَا ذَهَبَ إلَيْهِ الصَّحَابَةُ فِي حُكْمِهِمْ بِارْتِدَادِ مَنْ امْتَنَعَ مِنْ أَدَاءِ الزَّكَاةِ وَقَتْلِهِمْ وَسَبْيِ ذَرَارِيِّهِمْ. (أحكام القرآن للجصاص: ج ۳، ص ۱۸۴، دار الكتب العلمية)

۴. رَجُلٌ قَالَ لِخَصْمِهِ: اذْهَبْ مَعِي إلَى الشَّرْعِ، أَوْ قَالَ بِالْفَارِسِيَّةِ: (با من بشرع رو وَقَالَ خَصْمُهُ: پياده بيار تا بِرُوِم، بِي جبر نروم)، يَكْفُرُ؛ لِأَنَّهُ عَانَدَ الشَّرْعَ، وَلَوْ قَالَ (بامن بِقَاضِي رو)، وَبَاقِي الْمَسْأَلَةِ بِحَالِهَا لَا يَكْفُرُ، وَلَوْ قَالَ: (بامن شريعت واين حِيَلهَا سُود ندارد)، أَوْ قَالَ: (پيش نرود)، أَوْ قَالَ: (مُرَاد بوس هست، شريعت چى كنم)، فَهَذَا كُلُّهُ كُفْرٌ وَلَوْ قَالَ: (آن وَقْت كه سيم ستدى شريعت وَقَاضِي كجا بود)، يَكْفُرُ أَيْضًا، وَمِنْ الْمُتَأَخِّرِينَ مَنْ قَالَ: إنْ عَنَى بِهِ قَاضِيَ الْبَلْدَةِ لَا يَكْفُرُ وَإِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِغَيْرِهِ: حُكْمُ الشَّرْعِ فِي هَذِهِ الْحَادِثَةِ كَذَا فَقَالَ ذَلِكَ الْغَيْرُ: (مِنْ برسم كَارِ ميكنم نَهْ بشرع) يَكْفُرُ عِنْدَ بَعْضِ الْمَشَايِخِ رَحِمَهُمْ اللَّهُ تَعَالَى. وَفِي مَجْمُوعِ النَّوَازِلِ قَالَ رَجُلٌ لِامْرَأَتِهِ: مَا تَقُولِينَ أيش حُكْم الشِّرْعِ فَتَجَشَّأَتْ جُشَاءً عَالِيًا فَقَالَتْ: اينك شرع را فَقَدْ كَفَرَتْ وَبَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا كَذَا فِي الْمُحِيطِ۔[الفتاوى الهنديه: ج۲، ص ۲۷۲، دار الفكر]

۵. {لا يسأل عما يفعل وهم يسألون} [الأنبياء:۲۳] فمن سأل لِم فعل فقد رد حكم الكتاب، ومن رد حكم الكتاب كان من الكافرين. [شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز: ص ۳۲۰، مؤسسة الرسالة]

۶. فَمَنْ تَرَكَ الشَّرْعَ الْمُحْكَمَ الْمُنَزَّلَ عَلَى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَتَحَاكَمَ إِلَى غَيْرِهِ مِنَ الشَّرَائِعِ الْمَنْسُوخَةِ كَفَرَ، فَكَيْفَ بِمَنْ تحاكم إلى الياسا وَقَدَّمَهَا عَلَيْهِ؟ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ كَفَرَ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ. [البداية والنهاية: ج ۱۳، ص ۱۳۹، دار إحياء التراث العربي]

۷. الشَّرْطُ الثَّالِثُ: قَوْلُهُ تَعَالَى: وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً وَاعْلَمْ أَنَّ مَنْ عَرَفَ بِقَلْبِهِ كَوْنَ ذَلِكَ الْحُكْمِ حَقًّا وَصِدْقًا قَدْ يَتَمَرَّدُ عَنْ قَبُولِهِ عَلَى سَبِيلِ الْعِنَادِ أَوْ يَتَوَقَّفُ فِي ذَلِكَ الْقَبُولِ، فَبَيَّنَ تَعَالَى أَنَّهُ كَمَا لَا بُدَّ فِي الْإِيمَانِ مِنْ حُصُولِ ذَلِكَ الْيَقِينِ فِي الْقَلْبِ. فَلَا بُدَّ أَيْضًا مِنَ التَّسْلِيمِ مَعَهُ فِي الظَّاهِرِ، فَقَوْلُهُ: ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ الْمُرَادُ بِهِ الِانْقِيَادُ فِي الْبَاطِنِ، وَقَوْلُهُ: وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً الْمُرَادُ مِنْهُ الِانْقِيَادُ فِي الظَّاهِرِ.[التفسير الكبير: ج ۱۰، ص ۱۲۸، دار إحياء التراث العربي]

۸. هذا كله لا يجوز قياسه على الدول والحكومات المعاصرة بلا شك ولا ريب، فإنها كلها لا تحكم بما أنزل الله تعالى، بمعنى أنها لم تلتزم على نفسها الحكم بالشريعة الإسلامية، وإن أخذت منها أحكاما في عدة جوانب كالاحكام الشخصية والبيوع وغيرها، ولكنها خلطت بها أحكاما لم تأخذها منها، بل أتت بها من قوانين غربية أو من عند أنفسها. وإنما الخلاف السابق كان فيمن حكم بالإسلام والتزم به إلا أنه ظلم، وأما من غيّر وبدّل شرائع الدين والدولة، فأمره بيّن، وهذا هو المندرج قطعا تحت قول الرسول عليه السلام: إلا أن تروا كفرا بواحا. [الشرح الكبير على العقيدة الطحاوية: ص ۱۰۵۱، دار الذخائر]

۹. فَتَحْكِيمُ هَذَا النَّوْعِ مِنَ النِّظَامِ فِي أَنْفُسِ الْمُجْتَمَعِ وَأَمْوَالِهِمْ وَأَعْرَاضِهِمْ وَأَنْسَابِهِمْ وَعُقُولِهِمْ وَأَدْيَانِهِمْ كُفْرٌ بِخَالِقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَتَمَرُّدٌ عَلَى نِظَامِ السَّمَاءِ الَّذِي وَضَعَهُ مَنْ خَلَقَ الْخَلَائِقَ كُلَّهَا وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَصَالِحِهَا سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَنْ أَنْ يَكُونَ مَعَهُ مُشَرِّعٌ آخَرُ عُلُوًّا كَبِيرًا. [أضواء البيان: ج ۳، ص ۲۶۰، دار الفكر]

تائیدات

۱. مفتی ابو محمد عبد اللہ المہدی
۲. مفتی محمد متین مغل
۳. مفتی عبد الرحمن رحمانی
۴. مفتی احمد الرحمن حسن
۵. مفتی محمود حسنی
۶. مفتی ابو الحسنین محمد حسن الشیبی
۷. مفتی عمر خلیل مہمند
۸. مفتی بدر الدین غزنوی
۹. شیخ عبد الرحمن المرابط
۱۰. مفتی محمد لقمان باریسالی
۱۱. مولانا ابو بکر شنواری
۱۲. مولانا ولی اللہ یوسفزئی
۱۳. مولانا حبیب اللہ خان
۱۴. مولانا محمد خبیب برکی
۱۵. مولانا عبد الرحمن قاسمی

چھٹی قسط

القاعدہ کیوں؟

لماذا اخترت القاعدة؟

میں القاعدہ میں کیوں شامل ہوا؟

تالیف: شیخ ابو مصعب العولقی شہید | استفادہ و اضافہ: معین الدین شامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء.
اللّٰهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمين!

(۸)......کیونکہ وہ مستقبل کی تیاری کرنے والے ہیں

اس عنوان کی اہمیت جاننے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اس کے شرعی حکم کو جانیں۔ امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”جہاد کے لیے تیاری کرنا، طاقت اور گھوڑوں کو جمع رکھنا اُس وقت بھی واجب ہے جب بظاہر عجز کی وجہ سے جہاد ساقط ہو، کیونکہ جو چیز واجب کے قائم ہونے کے لیے ضروری ہو وہ بھی واجب ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے سیاستِ شرعیہ کے تحت اس مسئلے کا حکم ذکر کیا ہے، جب انہوں نے اس قاعدے پر بات کی ”جس امر کو پورا کیے بغیر کوئی واجب ادا نہ ہوتا ہو تو اس امر کا پورا کرنا بھی واجب ہے“۔ اور اس قاعدے کی مثال یہ دی کہ جہاد واجب ہے، اور اگر جہاد کی استطاعت موجود نہ ہو تو تیاری پھر بھی واجب ہے، کیونکہ جہاد واجب ہے اور جو چیز واجب کے بغیر پوری نہ ہو وہ بھی واجب ہے۔

پس میں چاہتا ہوں کہ اے میرے بھائی! آپ اس امر کو محسوس کر لیں اور یہ سمجھ لیں کہ واجب کا مطلب کیا ہے، یعنی وہ واجب جسے چھوڑنے والا گناہ گار ہے:

۱. تیاری فکر و عقیدے کے پہلو سے ہو۔
۲. جسمانی پہلو سے۔
۳. اسلحے کے ساتھ۔
۴. اور تجربے کی روشنی میں کسی ایسی جماعت کے تحت شامل ہو جانا جو خود تیاری کرتی ہے، تاکہ آپ کو تیاری کی سہولت میسر ہو۔ اور تنظیم القاعدہ نے مجھے اس لیے زیادہ متاثر کیا کہ اس نے تیاری کے شرعی مفہوم کو سمجھا اور اس پر عملی طور پر عمل کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ دیگر جماعتوں سے تیاری میں بہتر ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بعض جماعتیں بالکل تیاری نہیں کرتیں، اور بعض جماعتوں میں تیاری کے معاملے میں بہت بڑی کوتاہی پائی جاتی ہے۔

اور بعض جماعتیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، تیاری نہیں کرتیں اور ان کے اندر تیاری کے مفہوم کو سمجھنے میں خرابی پائی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ:

وہ تیاریٔ عقیدہ میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ عمر گزر جاتی ہے اور وہ یہی دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ وہ تیاری کر رہے ہیں۔ بلکہ جو نسل وہ عقیدے کے اعتبار سے تیار کرتے ہیں، یہ حضرات خود اس نسل کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ وہ جہاد نہیں کرے گی، بلکہ ان کا گمان ہے کہ یہ نسل آگے ایسی نسلیں پیدا کرے گی جو جہاد کریں گی۔ سوچیے اگر مربّی ہی میں خرابی ہو تو اس کے شاگرد کا کیا حال ہو گا؟ میں کہتا ہوں کہ ان کے اندر تیاری کے شرعی مفہوم کی پہچان میں خرابی ہے، اور اس خرابی میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ جس عقیدے کی تیاری کا دعویٰ کرتے ہیں اس میں بھی وہ کوتاہ ہیں۔ کیونکہ جہاد فرضِ عین ہے اور وہ اپنے طلبہ کو یہ نہیں سکھاتے۔ ان کے اندر ولاء و براء میں بھی کمزوری ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ حکام طاغوت کافر نہیں ہیں تو کم از کم وہ فاسق و فاجر تو ہیں ہی، لیکن پھر بھی ان میں سے بعض بلکہ اکثر ان سے وہ بغض نہیں رکھتے جو رکھنا چاہیے، بلکہ کبھی ان کی تعریف بھی کرتے ہیں، لوگوں کو انہیں دوبارہ منتخب کرنے کی دعوت دیتے ہیں، ان کی تعریف میں کہتے ہیں کہ انہوں نے ملک کو مصیبتوں سے بچایا، اور اس سے ملتی جلتی باتیں کرتے ہیں۔ اور یہ باتیں کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں ہم حسنِ ظن رکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ درباری علماء نہیں ہیں۔ اگر ان کے عقیدے اور فکر کی تیاری ایسی ہے تو مجھے قسم اٹھا کر بتائیے کہ یہ حضرات کب ایسی نسل تیار کریں گے جو ذلت کو رد کرے، عزت کی طلب گار ہو اور امت کو اس کی عزت و بزرگی واپس دلائے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات ایسی تیاری کرتے ہیں جو نوجوانوں کے دلوں میں یاس اور ناامیدی بوتی ہے اور ان کے دلوں میں یہ کمزوری ڈالی جاتی ہے کہ شریعت کا نفاذ ہمارے زمانے میں ممکن نہیں ہو گا۔ یہ وہ بات ہے جو وہ زبانِ حال یا زبانِ قال سے کہتے ہیں۔ پھر جب بھی تیاری اور جہاد کا ذکر آتا ہے تو کہتے ہیں کہ لازماً ایمانی تیاری ضروری ہے۔ تیاری ایک ایسے درجے تک بیان کرتے ہیں جس کا حاصل کرنا عوام کے لیے ناممکن ہے، گویا جہاد صرف علماء اور طلبہ ہی کا کام

ہے کہ پہلے وہ اپنی تعلیمی اسناد حاصل کریں اور اس کے بعد جہاد کے لیے میدان میں اتریں، اور وہ اس میں نبوی ہدایت کو نہیں سمجھتے جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، ان شاء اللہ۔

کہاں ہیں اہلِ فکر؟ جن کی سوچ کے دھارے
مری مظلوم اِس اُمت کا رُخ بدل ڈالیں
کہاں گیا وہ مُعلِّم؟ جو میرے بچوں کو
حسنؓ، حسینؓ کے اُسوے کا درس سکھلائے
کدھر ہے میرے محلّے کا خوش نوا واعظ!
جو کافروں کے تسلُّط پہ آج برہم ہو
کدھر گئے وہ 'پڑھے لکھے'؟ جو یہ کہتے تھے
جہالتوں سے نمٹنا بہت ضروری ہے
ستم کے سَیل تو گزرے، سروں سے اُمت کے
ہَنوز اُن کی تیاری مگر اَدھوری ہے!

پس اگر ان میں خرابی اُس پہلو میں ہے جس کی طرف وہ بلاتے ہیں یعنی عقیدے کی تیاری، تو خود ہی سوچیے ان کی تیاری دوسرے پہلوؤں میں کیسی ہوگی؟ دوسرے پہلوؤں پر تو انہوں نے گویا نمازِ جنازہ پڑھ لی ہے۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ نیک شخص اسلحہ نہیں اٹھاتا، یہ بات بھی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہم برِّ صغیر ہند و پاک میں دیکھتے ہیں 'شرفاء' کے یہاں اسلحہ رکھنا 'رذالت' کی علامت تھا۔ چنانچہ خیر الشرفاء میں سے ایک حضرت سیّد احمد شہید رحمہ اللہ اکثر جسم پر ہتھیار سجا کر نکلا کرتے تھے اور اپنے اہلِ بیعت کو بھی اس کی ترغیب دیتے۔ ایک موقع پر رفقاء کے ہمراہ ہتھیار لگا کر نکلے۔ کسی نے کہا کہ یہ تلوار یا بندوق وغیرہ باندھنا آپ کے شایانِ شان نہیں ہے، یہ جہالت کے انداز ہیں اور آپ کے آباء کے طرزِ عمل کے خلاف ہیں۔ یہ سن کر ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ کہنے لگے:

”اس بات کا آپ کو کیا جواب دوں؟ اگر سمجھیے تو یہی کافی ہے کہ یہ وہ اسباب خیر و برکت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عنایت فرمائے تھے تا کہ کفار و مشرکین سے جہاد کریں اور خصوصاً ہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سامان سے تمام کفار واشرار کو زیر کر کے جہان میں دینِ حق کو روشنی بخشی۔ اگر یہ سامان نہ ہوتا تو تم نہ ہوتے اور اگر ہوتے تو خدا جانے کس دین و ملت میں ہوتے۔“ (وقائع احمدی)

تیاری کا معاملہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی شامل ہے:

”إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَةَ نَفَرٍ الْجَنَّةَ صَانِعَهُ يَحْتَسِبُ فِي صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِيَ بِهِ وَمُنْبِلَهُ وَارْمُوا وَارْكَبُوا وَأَنْ تَرْمُوا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَرْكَبُوا وَمَنْ تَرَكَ الرَّمْيَ بَعْدَ مَا عَلِمَهُ رَغْبَةً عَنْهُ فَإِنَّهَا نِعْمَةٌ تَرَكَهَا أَوْ قَالَ كَفَرَهَا.“ (ابو داود)

”بے شک اللہ تعالیٰ ایک تیر کے سبب تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ ایک اس کے بنانے والے کو جو کہ اپنے پیشہ میں ثواب کی امید رکھے گا۔ دوسرا تیر پھینکنے والے کو (یعنی جو دوران جنگ تیر استعمال کرے گا)۔ تیسرے اس شخص کو جو تیر انداز کو تیر اٹھا کر دیتا ہے۔ پس تیر اندازی کرو اور سواری کرو (یعنی تیر اندازی اور گھڑ سواری سیکھو) لیکن میرے نزدیک سواری کی نسبت تیر اندازی زیادہ پسندیدہ ہے (کیونکہ تیر اندازی پیادہ بھی کر سکتا ہے)۔ جو شخص تیر اندازی سیکھنے کے بعد اس کو غیر اہم سمجھ کر چھوڑ دے تو اس کو جان لینا چاہیے کہ تیر اندازی ایک نعمت تھی جو اس نے چھوڑ دی یا یہ فرمایا اس نے نعمت کی ناقدری کی۔“

اور تیر اندازی کی اہمیت پر یہ بھی دلیل ہے کہ بعض علماء نے کہا کہ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر جان بوجھ کر بھلا دی تو اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔

اے میرے پیارے بھائی! کیا آپ اس معاملے کو سمجھے کہ بعض جماعتیں ایک واضح مسئلے میں کوتاہی کر رہی ہیں۔ تو آپ کہیں گے کہ وہ کیا ہے؟ جواب ہے، اعداد یا تیاری۔ اگر ہم لڑنے کے قابل نہیں ہیں تو تیاری تو بہر حال لازم وواجب ہے۔ خاص طور پر اسلحے کی تیاری۔ یہ سب جماعتیں اسلحے کی تیاری سے غافل کیوں ہیں؟ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا:

”وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة، ألا إنّ القوة الرمي، ألا إنّ القوة الرمي، ألا إنّ القوة الرمي.“ (صحیح مسلم)

”اور ان (دشمن) کے مقابلے کے لیے تیار رکھو جو کچھ تم طاقت سے تیار کر سکو۔ سن لو! طاقت رمی (تیر اندازی) میں ہے، سن لو! طاقت رمی (تیر اندازی) میں ہے، سن لو! طاقت رمی (تیر اندازی) میں ہے!“

پس وہ شخص جسے پندرہ سال یا کم و بیش عرصہ ہو گیا ہے اور وہ تا حال اپنے آپ کو عقیدے کے پہلو سے ہی تیار کر رہا ہے، کیا اب وقت نہیں آگیا کہ یہ شخص مسلح تیاری بھی کرے؟ کیا ہمارے ملکوں میں امن و امان ہے؟ کیا ہمارے ملکوں میں شریعت کی حکمرانی قائم ہے؟ کیا لوگوں کو ان کے حقوق مل رہے ہیں؟ کیا مسلمانوں کے ممالک یہود و نصاریٰ اور دوسرے دشمنوں کے تسلط سے آزاد ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ شریعت قائم ہو اور دشمن کا تسلط نہ ہو تب بھی تیاری کا حکم اپنی جگہ قائم رہتا ہے، یہاں تک کہ ہم کفار کے ممالک بھی فتح کر لیں۔ میرے بھائی اسلامی احکام تو یہی ہیں، ہائے افسوس کہ ہم سمجھ میں بھی خرابی کا شکار ہیں اور عمل میں بھی۔

البتہ القاعدہ نے اللہ کے فضل سے تیاری کے شرعی مفہوم کو سمجھا اور اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کیا۔ وہ تیاری میں اور اس کے مفہوم کو سمجھنے میں دوسروں سے بہتر ہیں۔ اور یہ معاملہ امریکی تصورِ اعتدال اور منافقین کے تصورات کے خلاف ہے، وإلى الله المشتكى وعليه التكلان والله المستعان!

(۸)...... کیونکہ انہوں نے مصالح و مفاسد کے بت کو دلائل پر مقدم نہیں ہونے دیا

مصالح و مفاسد کا قاعدہ ایک معتبر اور اجماعی قاعدہ ہے، لیکن آج کے زمانے میں اسے ضرورت سے زیادہ بڑھا چڑھا دیا گیا ہے۔ اور اسے بے جا و بے محل استعمال کرنے کے نتیجے میں شریعت کے بہت سے احکام معطل ہو گئے ہیں۔ اس لیے مصالح و مفاسد پر بحث سے پہلے اصولوں پر اتفاق ضروری ہے۔ اگر مخالف یہ مانتا ہے کہ اللہ کی شریعت کے مقابل انسانی ساختہ وضعی قوانین کفر ہیں، اور یہ کہ کفار کی مسلمانوں پر مدد اور ان کے مقابلے میں کفار کا ساتھ دینا ایک ایسا عظیم گناہ ہے جو دہلیزِ کفر تک لے جاتا ہے، تو وہ اصول میں ہمارا ہم خیال ہے، اور اس کے ساتھ ہم تطبیقِ احکام اور مصالح و مفاسد کی بات کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ یہ عقیدہ ہی نہیں رکھتا کہ جان بوجھ کر اللہ کی شریعت کے مقابل وضعی قوانین بنانا کفر ہے، اور یہ بھی نہیں مانتا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں کفار کی مدد اور ان کا ساتھ دینا ایک ایسا عظیم گناہ ہے جو دہلیزِ کفر تک لے جاتا ہے، تو ہم اس سے کہتے ہیں: ہمارا اختلاف تمہارے ساتھ اصول ہی میں ہے، لہٰذا نہ تطبیقِ احکام میں کوئی بحث ہو گی اور نہ مصالح و مفاسد میں۔

اور جو اصول میں ہمارا موافق ہے، ہم اس سے کہتے ہیں: جو لوگ وضعی قوانین بناتے ہیں اور آج حکومت بھی کر رہے ہیں، ان کے لیے امن و سکون اور خوشحال زندگی کے ساتھ جینا خود عین مفسدہ ہے۔ دشمن کے خلاف قتال میں تو اصول یہ ہے کہ کچھ نقصان تم دشمن کو پہنچاؤ اور کچھ نقصان دشمن تم کو پہنچائے، نہ کہ یہ کہ تمہارا دشمن کفر بھی کرے اور پھر امن و چین کی زندگی بھی بِتائے!

میں نے تنظیم القاعدہ کو دیکھا کہ وہ اللہ کی شریعت کے باغی اور کفار کے حامی حکمرانوں کے خلاف جہاد کرتی ہے اور ان سے برأت کا اعلان کرتی ہے، جبکہ بعض لوگ ان حکمرانوں کی کفر و کفار دوستی اور اللہ کی شریعت سے کھلے متصادم قوانین بنانے کے کفر کو کفر مانتے ہوئے بھی ان کے ساتھ بیزاری اور برأت کا اعلان نہیں کرتے، کیوں؟ کیونکہ یہ لوگ صرف 'مصلحتِ دعوت' کا سہارا لیتے ہیں۔ ان کے خیال میں ہمیں آج دعوت کے لیے جو سہولتیں حاصل ہیں اگر ہم نے ان حکمرانوں سے بیزاری و برأت کا اعلان کیا تو وہ 'دعوتی سہولیات' یا 'مواقع' بھی ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا سیاسی و دعوتی و اصلاحی اسوہ اپنانا چاہیے جو انہوں نے وقت کے بادشاہوں کے خلاف اپنایا۔ ہمارے ایسی باتیں کرنے والے حضرات سے عقل کو مخاطب کرتے چند سوالات ہیں:

- حضرتِ مجدد نے جن حکمرانوں کے خلاف دعوت دی کیا ان حکمرانوں نے اپنے دربارِ خاص سے باہر اللہ کی شریعت کے بجائے اور شریعتِ الٰہی کے مقابل کوئی وضعی قانون نافذ کیا تھا؟
- کیا ان حکمرانوں نے مسلمانوں کے خلاف کفار کی مدد اور ان کا فرنٹ لائن اتحادی ہونے کا راستہ اپنایا تھا؟[1]
- حضرتِ مجدد جب بادشاہ کے دربار میں حالتِ رکوع میں داخل نہ ہوئے[2] تو بادشاہ نے ان کو اس 'جرم' میں قلعہ گوالیار کے زندان میں ڈال دیا جہاں بعض تاریخی روایات کے مطابق حضرتِ مجدد دو سال تک پابندِ سلاسل رہے۔

حضرتِ مجدد کے پاس ایک نہایت عظیم موقع تھا کہ وہ بھی مصالح و مفاسد کے قاعدے کو ملحوظِ نظر رکھتے تو پادشاہِ وقت جہانگیر کا قرب حاصل کر سکتے تھے، پھر اس قرب کو وہ اصلاحِ حاکم کا ذریعہ بناتے اور پھر حکمران کے ذریعے ایک خیرِ کثیر عوام و خواص میں پھیلتی۔ لیکن مجدد الفِ ثانی ایسا کرتے تو آخر کیوں؟ ان کے سامنے تو اسوۂ خلیل علیہ السلام تھا کہ انہوں نے اپنے کلہاڑے سے بتوں کو توڑا اور آگِ نمرود کو ترجیح دی، ورنہ آزر تو نمرود کا مقرب تھا، کیوں خلیل اللہؑ نے اس تقربِ پادشاہ کا فائدہ نہ اٹھایا؟ حضرتِ مجدد نے یوسف علیہ السلام کی اس دعا کو اپنا شعار بنالیا 'قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ'، اے رب جس کی دعوت مجھے دی جاتی ہے تو اس پر میں قید کو ترجیح دیتا ہوں۔ ان کے سامنے تو اسوۂ حسنہ تھا کہ جب رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش نے کہا کہ ہم آپ کو بادشاہ بناتے ہیں تو انہوںؐ نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور اس کے بعد شعبِ ابی طالب کی طویل قید کو ترجیح دی۔ حضرتِ مجدد نے بادشاہ کا ساتھ نہ دیا، وہ بادشاہ جس کی گمراہی ذاتی یا ایک خاص حلقے میں محدود تھی اور متعدی نہ تھی یا عوام پر اس کا اثر نہ تھا، کہ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ اس زمانے میں بھی فقہِ حنفی بطور قانون ملک میں نافذ و جاری تھی، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

> ''حق اور باطل کو پہچاننے کا معیار صرف شریعتِ محمدی (علی صاحبہا اَلف صلاۃ وسلام) ہے۔ جو شریعت کے موافق ہے وہی حق ہے، اور جو

---

[1] مثلاً (اگرچہ یہ مثال سلطنتِ کفر کے انتہائی کمزور ہونے کے سبب مضحکہ خیز ہے) کیا سلطنتِ مغلیہ نے سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف سلطنتِ برطانیہ یا کسی اور کا ساتھ دیا تھا؟ جیسا کہ آج پاکستان، مصر، سعودی عرب، ترکی و اردن وغیرہ کھلم کھلا امریکہ کے اتحادی ہیں اور ان سب نے مل کر کہیں مثلِ پاکستان امارتِ اسلامیہ افغانستان کا دھڑن تختہ کیا، مثلِ مصر کسی نے قاہرہ تا صحرائے سیناء مجاہدین کو قتل کیا اور مجاہدینِ غزہ سے غداری کی، مثلِ سعودی عرب کسی نے یمن میں انصار الشریعۃ کے خلاف جنگیں لڑیں، مثلِ ترکی کوئی آج بھی صومالیہ میں مجاہدین سے پنجہ آزما ہے۔

[2] حالانکہ اس رکوع و سجود کی کوئی توضیح و توجیہہ شاید کی جاسکتی ہو گی، مثلاً یہ کہ سجدۂ تعظیمی حرام ہے کفر نہیں اور یہ کہ اکراہ کی حالت میں یہ کراہت کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے، وغیرہ۔

شریعت کے خلاف ہے وہی باطل ہے، خواہ ساری دنیا اس پر جمع ہو جائے۔"[3]

سجدۂ تعظیمی کے متعلق فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کے لیے سجدہ کرنا شریعتِ محمدیہ (علی صاحبہا اَلف صلاۃ وسلام) میں جائز نہیں ہے۔ اگرچہ وہ محض تعظیم کے ارادے سے ہی کیوں نہ ہو، (غیر اللہ کو سجدہ) اس ملت میں حرام اور ممنوع ہے۔"[4]

مغل بادشاہ جہانگیر لکھتا ہے:

"شیخ احمد سرہندی نے میری بیعت اور دربار کے آداب بجالانے سے انکار کیا اور سجدہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، اس گستاخی پر میں نے انہیں قید کا حکم دیا۔" (تُزکِ جہانگیری، ج۲)

پس آج ہمارے کچھ حضرات میں مصالح و مفاسد کا ایسا 'علم و عرفان' پیدا ہو گیا ہے جو اس امت کے نہ سلف میں تھا نہ خلف میں! ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا آج امریکہ و اسرائیل سے بڑا بھی کوئی اسلام کا دشمن موجود ہے؟ تو اس دشمنِ اعظم کا کہیں اتحادی ہونا اور کہیں غلام ہونا، کیا یہی عین اسلام ہے؟ اَفضل الخلائق بعد الأنبیاء، حضرتِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کو عرش سے بدستِ جبریلِ امین علیہ السلام سلام پہنچایا جاتا تھا، ان کا فہم تو یہ ہے کہ فرمایا کہ جو اونٹ کی نکیل برابر بھی پہلے زکاۃ ادا کرتا تھا اور اب نہیں کرتا تو میں ان سے لڑوں گا لیکن، ہائے ہائے......ردۃٌ ولا أبا بکرٍ لھا......فتنۂ ارتداد ہے لیکن اس سے مقابلے کرنے والا کوئی ابو بکر موجود نہیں!

مجاہدین پر ایک اور اعتراض

بعض کوتاہ نظر لوگ مجاہدین پر اس لیے سخت اعتراض کرتے ہیں کہ مجاہدین جس عمل میں شریک ہیں وہ عملِ قتال ہے اور قتال میں اپنا اور دشمن دونوں کا خون بہایا جاتا ہے۔ بے شک خون بہانا، قتل و قتال ایک بہت عظیم معاملہ ہے، لیکن یہ حضرات بھول جاتے ہیں کہ کفر و شرک کا نظام قائم ہے اور فتنۂ کفر و شرک کی نسبت خون بہانا ایک ہلکا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (سورۃ البقرۃ: ۱۹۱)

"فتنہ قتل سے زیادہ سنگین برائی ہے۔"

اور فرمایا:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (سورۃ الانفال: ۳۹)

"اور (مسلمانو) ان کافروں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ (کفر و شرک کا) فتنہ باقی نہ رہے، اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔"

اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ لوگ مرض کی حقیقت کو ہی نہیں سمجھے۔ شریعت کے زمین پر نافذ نہ ہونے کا مسئلہ اس سے کہیں بڑا ہے کہ زمین پر خون بہایا جائے۔ جیسا کہ شیخ سلیمان بن سحمان رحمہ اللہ نے کہا:

"اگر اہلِ شہر و دیہات آپس میں لڑ کر ایک دوسرے کو فنا کر ڈالیں تو یہ اس سے ہلکا ہے کہ وہ ایک طاغوت کی حکمرانی کو قائم کر دیں جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے بغیر فیصلہ کرے۔"

شہیدِ اسلام سیّد قطب رحمہ اللہ نے کہا:

"اور بسا اوقات 'دعوت کی مصلحت' ایک ایسا بت بن جاتی ہے جس کی عبادت اہلِ دعوت کرنے لگتے ہیں، اور اسی میں مشغول ہو کر وہ دعوت کے اصل منہج کو بھول جاتے ہیں۔ اہلِ دعوت پر لازم ہے کہ وہ اسی منہج پر سیدھے کھڑے رہیں اور اس کی پیروی کریں، بغیر اس پر نظر ڈالے کہ اس التزام کے نتائج کیا ہوں گے، خواہ ان نتائج میں انہیں اپنی دعوت اور اپنے آپ پر کسی خطرے کا گمان ہی کیوں نہ ہو۔ وہ خطرہ جس سے اہلِ دعوت کو لازماً ڈرنا چاہیے، بس ایک ہی ہے: کہ وہ کسی بھی سبب سے اس منہج سے ذرا بھی ہٹ جائیں۔ چاہے یہ انحراف تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اللہ تعالیٰ ان مصلحتوں کو ان سے زیادہ جانتا ہے، اور (اس کے بندے مکلف نہیں ہیں کہ وہ انحراف کی راہ اختیار کر کے مصلحتوں کو ترجیح دیں)[5]۔ ان پر تو صرف ایک چیز فرض ہے: کہ وہ منہج سے انحراف نہ کریں اور اس سیدھی راہ سے نہ ہٹیں۔" (فی ظلال القرآن)

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۴ پر)

[3] "میزان در شناخت حق از باطل، شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم است۔ ھرچہ موافقِ شریعت بود، حق است و ھرچہ مخالفِ شریعت بود، باطل است، اگرچہ تمامِ خلق بر آن اجتماع کنند۔" (مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۹۳)

[4] "سجدہ کردن جز در حضرت حق سبحانہ و تعالی، نزد شریعت مطھرہ محمدیہ جایز نیست۔ اگرچہ بہ قصد تعظیم باشد، در این ملت حرام و ممنوع است۔" (مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۶۷)

[5] فی ظلال کے ترجمے کی عبارت میں جملہ مجہول تھا، اس لیے راقم نے صاحبِ تفسیر ہی کی بات میں وضاحت کی خاطر بین القوسین اضافہ کیا ہے۔

مدرسہ و مبارزہ

مدارس اور دینی جدوجہد کی تحریک

مولوی عبدالہادی مجاہد

باب سوم: مدارس کے موجودہ تعلیمی نصاب میں معاصر فکری ادب کی کمی ایک ناقابلِ تلافی خسارہ

مدارس کے موجودہ نصاب میں فکری ادب کا فقدان

موجودہ دینی مدارس کے نصاب میں افکار و عقائد کی جنگ سے متعلق ضروری عصری اسلامی مفاہیم اور فکری ادب کی کمی کو بعض سطحی نظر رکھنے والے لوگ شاید قبول نہ کریں۔ وہ یہ استدلال کریں گے کہ ہم تو مدارس میں عقائد کی کتابیں پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، اور قرآنِ کریم واحادیث میں ہمارے عقیدہ کی تفصیلات موجود ہیں۔

عمومی طور پر یہ بات درست ہے کہ مدارس میں قرآن و حدیث کی تعلیم دی جاتی ہے، لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہر دور کے جاہلیت کی نوعیت الگ ہوتی ہے، ہر زمانے کے کفار کے عقائد، تصورات اور نظریات مختلف ہوتے ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے رویے اور دشمنی کے طریقے جداگانہ ہوتے ہیں۔ یہ جدا نوعیتیں اور مختلف اندازِ دشمنی اسلام کے خلاف فکری میدان میں مقابلے کے لیے نئے اسالیب اور تازہ فکری ادب کا تقاضا کرتی ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے نصابِ تعلیم اور مدارس میں نہ تو معاصر جاہلیتوں کا کوئی ذکر ہے، نہ کفر کی موجودہ صورتوں، اقسام اور فلسفوں کی وضاحت ملتی ہے، اور نہ ہی ان کے مقابلے کے لیے کسی تدریس یا تیاری کا اہتمام موجود ہے۔

عقیدے اور اقدار کی جنگ کیوں اہم ہے؟

عقیدے، فکر اور اقدار کی جنگ اس لیے اہم ہے کہ اگر کوئی اس میدان میں کمزور پڑ جائے یا شکست کھا لے، تو وہ زندگی کے تمام شعبوں، سیاسی، عسکری، اقتصادی، تعلیمی، سماجی، اخلاقی، قانون سازی اور بین الاقوامی تعلقات میں معیار طے کرنے کے میدان، سب میں ناکام ہو جاتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ دشمن کی صف میں شامل ہو جاتا ہے، اس کے راستے پر چل پڑتا ہے اور اپنا تشخص کھو بیٹھتا ہے۔

لیکن اگر کوئی ایک مرتبہ عقائد کی جنگ میں ڈٹ جائے، ثبات اور استقامت کا مظاہرہ کرے، تو پھر چاہے وہ لوگ تعداد میں بہت کم ہی کیوں نہ ہوں، اللہ تعالیٰ ان کے عمل، نظریات، عقائد، صبر، استقامت اور دعوت میں برکت ڈال دیتا ہے۔ پھر اگر وہ دنیا سے رخصت بھی ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ان کی فکر اور نظریات کو اس طرح عام کر دیتا ہے کہ بعد میں انہی بنیادوں پر نظام قائم ہوتے ہیں، حکومتیں وجود میں آتی ہیں، تہذیبیں پروان چڑھتی ہیں اور انسانیت کی فکری تشکیل انہی پر کی جاتی ہے۔

ہم قرآنِ کریم میں اصحابِ کہف کا واقعہ پڑھتے ہیں۔ وہ چند محدود نوجوان تھے، لیکن انہوں نے جاہلیت کے ساتھ مفاہمت اور سمجھوتہ قبول نہ کیا، بلکہ اپنے نظریات اور عقائد پر مضبوطی سے جمے رہے۔ انہوں نے شہروں، تمدن، آسائش، نعمتوں، عیش و عشرت، عہدوں اور مناصب کو چھوڑ دیا، مشکلات، تنہائی، خوف، بھوک، بے بسی اور پہاڑ کے غار میں رہنے کو اختیار کیا، لیکن اپنے عقائد سے دستبردار نہ ہوئے اور نہ ہی عقیدے کی جنگ ہارے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی عمل کے نتیجے میں انہیں ایسی عزت بخشی کہ قیامت تک ان کی تعریف کی جاتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

> إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى○ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَن نَّدْعُوَ مِن دُونِهِ إِلَٰهًا لَّقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا○
>
> ”وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے، اور ہم نے ان کی ہدایت اور بڑھا دی۔ اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے، جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی اور کو معبود نہیں پکاریں گے، اگر ایسا کریں تو یقیناً ہم نے سخت بے جا اور باطل بات کہی ہو گی۔“

جب اصحابِ کہف عقیدے کی جنگ میں اپنے موقف پر ثابت قدم رہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کے بعد بھی بڑی بڑی اقوام کو ان کے عقائد کی طرف متوجہ کیا اور وہ توحید قبول کر کے مسلمان ہو گئے۔

اقدار اور عقائد کی جنگ ہر دور میں مختلف شکلیں اختیار کرتی رہی ہے۔ جس طرح ماضی کا فرعون آج کے فرعون سے مختلف تھا، اسی طرح آج کا فرعونی نظام بھی ماضی کے فرعونیت سے مختلف ہے۔ اور اسی طرح آج کے فرعونی نظام کے خلاف مقابلہ بھی ماضی کے فرعون کے خلاف مقابلے سے مختلف ہونا چاہیے۔

ماضی کی جاہلیت بھی آج کی جاہلیت سے مختلف تھی۔ پرانی جاہلیت محدود اور سادہ تھی، اس کے اثرات چند افراد تک محدود تھے، لوگوں پر اس کے اثرات ڈالنے کے وسائل سادہ تھے، اور اس کا مقابلہ بھی آسان اور سادہ طریقوں سے کیا جا سکتا تھا۔ لیکن آج کی جاہلیت اتنی طاقتور، ہمہ جہت اور پیچیدہ ہے کہ نہ تو ہر کوئی اسے سمجھ سکتا ہے، اور نہ ہی ہر کوئی اس کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

آج کی جاہلیت کے پاس اتنے وسائل اور مواقع ہیں کہ وہ دنیا کے ہر کونے تک اپنے فکری اثرات، عقائد، ثقافت اور اقدار پہنچا سکتی ہے اور لوگوں پر نافذ کر سکتی ہے۔

جیسے آج کی جاہلیت اور عالمی فرعونیت کا دائرہ اثر وسیع، وسائل ترقی یافتہ اور افراد ماہر ہیں، اسی طرح ہمارے فکری اور عقیدوی مقابلے کے لیے ہمارے فہم، صلاحیتوں اور سرگرمیوں کے دائرے بھی وسیع ہونے چاہئیں، اور ہمارے منصوبے، سوچ اور تدابیر ہر پہلو سے دقیق اور مکمل ہونی چاہئیں۔

اگر ہمارے فکری اور عقیدوی وسائل اور سرگرمیاں دشمن کے وسائل اور سرگرمیوں کے برابر نہ بھی ہوں، تو بھی اس کا نتیجہ یہ نہیں ہو سکتا کہ دشمن نے ہماری فضا اور وسائل پر قبضہ کر لیا ہو، حکومتیں اپنے تابع کر لی ہوں، نظام اپنے مطابق ترتیب دے دیے ہوں، اور تعلیم، تربیت اور نصاب اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیے ہوں۔

دشمن نے تو لوگوں کی ذہنی تربیت اپنے مختلف ذرائع جیسے انٹرنیٹ، ٹیلیویژن، نصاب، جامعات، رسائل، اخبارات، فلسفیانہ مباحث، مستور نظریات، غیر ملکی شہری اور ادبی انجمنیں، سیمینار، کانفرنسیں اور خطرناک و زہریلے تصورات کے ذریعے کی ہو، لیکن ہمارے دینی مدارس اور مکاتب کے نصاب میں نئی نسل کو موجودہ جاہلیت سے روشناس کروانے کے لیے کوئی فکری یا ادبی مواد ہی موجود نہ ہو تو نتیجتاً، لاکھوں طلباء اور طالبات اس میدان میں اندھیرے میں چھوڑ دیے جائیں گے۔

آج جب ہم اپنے دینی مدارس کے نصاب کا جائزہ لیتے ہیں، تو دیکھتے ہیں کہ وہاں نہ تو موجودہ دور کی جاہلیت کے خلاف کوئی کتاب ہے، نہ کوئی مضمون، نہ اس پر ردعمل، نہ اس کے خلاف فکری تیاری، نہ مدارس کی غیر نصابی علمی اور ثقافتی سرگرمیوں میں اس کے لیے کوئی جگہ رکھی گئی ہے، اور نہ ہی کسی معتبر ادارے یا حکومت کی جانب سے اس بارے میں کوئی ارادہ یا سنجیدہ اقدام موجود ہے۔

یہ بالکل فطری سی بات ہے کہ ہماری اس غفلت سے دشمن بھرپور فائدہ اٹھائے گا اور اپنے افکار کو پھیلانے کے لیے ہماری عوام اور نسلِ نو کے ذہنوں میں اپنے نظریات پھیلائے گا۔

اسلام کے خلاف جاہلیت کی فکری اور عقیدوی جنگ کی طویل تاریخ

آج کی عقائد کی جنگ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ یہ جنگ قدیم زمانے سے جاری ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ایک مکمل عقیدوی، اخلاقی اور تشریعی دین کے طور پر نازل کیا، تو تب سے ہی زمین پر موجود جاہلیتوں کے خلاف یہ مقابلہ شروع ہوا۔ ابتدا میں قریش اور اردگرد کے دیگر عرب قبائل نے اس نئے دین کے خلاف جنگ شروع کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پاگل اور جادوگر قرار دیا۔ یہ اس لیے نہیں کہ انہوں نے واقعی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں پاگل یا جادوگر ہونے کی کوئی نشانی دیکھی ہو، بلکہ وہ نبوت کے اعلان سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سچے، امین، مہربان اور سمجھدار شخص کے طور پر جانتے تھے۔ لیکن نبوت کے اعلان کے بعد یہ تمام الزامات لگائے گئے تاکہ آپ کی بابرکت شخصیت کو بے وقعت دکھایا جائے، لوگوں کا اعتماد متزلزل کیا جائے، اور اس زمانے کی معاشرت میں آپ کی شخصیت پر ایسا داغ لگایا جائے کہ عرب اور دیگر لوگوں کو آپ کی حقانیت سے انکار کرنے پر مجبور کیا جا سکے۔

قریش اور دیگر مشرکین نے نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین کے خلاف مختلف منفی پروپیگنڈے کیے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جسمانی اذیت بھی پہنچائی۔ انہیں اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا، ان کے خلاف لشکر اکٹھے کیے، اور بڑی بڑی جنگیں کیں۔

اس زمانے کی جاہلیت نے پورے بیس سال تک اپنے تمام وسائل، مذہبی عقائد، اقتصادی طاقت اور حکمرانی کا استعمال کیا اور اسلام کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے سخت ترین کوششیں کیں۔

یہودیت نے بھی عرب جاہلیت کے ساتھ اتحاد کیا اور عربوں کو یہ کہا کہ "تمہارا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے"۔ عربوں کا ماننا تھا کہ یہود اہلِ کتاب ہیں، دین میں ماہر ہیں، وحی سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے یہاں انبیاء آئے ہیں، اور وہ آسمانی کتابوں سے واقف ہیں، لہٰذا ہم ان سے رائے لیں گے اور صحیح رہنمائی حاصل کریں گے۔ لیکن حقیقت میں یہود نے عرب جاہلوں کو سچی بات نہ بتائی، بلکہ انہیں کہا کہ "تمہارا دین صحیح ہے، اپنے دین پر قائم رہو اور اسلام قبول نہ کرو"۔

یہودیت نے خود بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف فکری اور عملی طور پر بڑے منصوبے تیار کیے۔ یہود کا سب سے بڑا ہدف یہ تھا کہ مسلمانوں کو دینِ اسلام کے حوالے سے شکوک میں مبتلا کریں۔ انہوں نے کوشش کی کہ دین کو دین کے خلاف شبہ و تردید کا ذریعہ بنایا جائے۔

شکوک وشبہات پیدا کرنے کی ایک خطرناک کوشش کے طور پر ان کے سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ چلو صبح کے وقت ہم مسلمان بن جائیں تاکہ مسلمانوں میں شک ڈال سکیں، کیونکہ مسلمان ہم پر یقین رکھتے ہیں کہ ہم اہلِ کتاب ہیں، ہمارے ہاں موسیٰ اور ہارون اور دیگر انبیاء آئے ہیں، ہمارے ہاں تورات موجود ہے، ہمارے ہاں وحی کا سلسلہ جاری ہے، اور عرب ہمیں مذہبی تقدس اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تو صبح کے وقت ہم مسلمان بن جائیں گے، مسلمان کہیں گے کہ یہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور ہمارے ساتھ ہیں، لیکن شام کے وقت ہم اس دین سے نکل جائیں گے۔ اور جب ہم اسلام سے نکلیں گے تو لوگوں سے کہیں گے کہ یہ وہ دین نہیں جسے ہم نے اپنی کتابوں میں دیکھا تھا۔ اس طرح ہم مسلمانوں کے دلوں میں دینِ اسلام کے بارے میں شک وشبہات پیدا کر دیں گے۔

یہودیوں نے عملی طور پر بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ نہ صرف یہ، بلکہ وہ دیگر قبائل اور اقوام جیسے قریش، غطفان اور دیگر جاہلیت کے عناصر کے ساتھ مل گئے اور اسلام کے خلاف بڑی فکری، دینی، عقیدوی اور عسکری جنگیں لڑیں۔

یہود خندق کی جنگ میں مشرکین کے ساتھ شامل ہوئے، اور دیگر مواقع پر بھی لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکایا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی عملی کوشش کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش ناکام بنادی۔

اسی طرح، نصرانیت (عیسائیت یا صلیبیت) بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف سرگرم رہی۔ صحابہ کرام اور ان کے بعد صلیبی جنگوں کے دوران نصرانی ممالک کے بادشاہ خود بھی جنگ میں شامل ہوتے تاکہ اپنی افواج کی حوصلہ افزائی کر سکیں۔

نصرانیت کبھی بھی اسلام کے خلاف خاموش نہیں رہی۔ دو سو سال تک اس نے پرانے طریقوں سے صلیبی جنگیں لڑیں، اور آج بھی وہی صلیبی جنگیں نئے اور معاصر انداز میں جاری ہیں، جس کے ذریعے عالمِ اسلام کے کئی ممالک اور حکومتیں خطرناک حد تک ان کے زیرِ اثر آچکی ہیں۔

مجوسیت (زرتشتی مذہب) بھی اسلام کے خلاف خاموش نہیں تھی۔ مجوسیت نے مختلف شکلوں میں دوبارہ ابھرنے کی کوشش کی، جس میں سب سے خطرناک شکل ”زندیقیت“ (الحاد وکفر) کی شکل میں نمودار ہوئی۔

زندیقیت کی فکر اور تحریک اتنی طاقتور ہو گئی کہ عباسی خلافت کو مجبور ہونا پڑا کہ اس کے مقابلے کے لیے ”دیوان صاحب الزنادقۃ“ کے نام سے ایک خصوصی وزارت قائم کرے۔ اس وزارت کا کام زندیقیت کے خلاف حکمت عملی بنانا اور زندیق لوگوں کے خلاف عسکری اقدامات کرنا تھا۔

جب فارس اور خراسان کے علاقوں میں زنادقہ ابھرے، جیسے کہ ایک شخص ”استاد سیس“ کے نام سے سامنے آیا، اس نے الحاد اور زندیقیت کا پرچار شروع کیا اور لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کر کے قدیم فارسی ادیان جیسے مزدکیت اور زرتشتی مذہب کی طرف پھیرنے کی کوشش کی۔

تب صاحب الزنادقۃ اپنے دیوان یا وزارت کے اہل علماء، مفکرین اور پولیس کو بھیجتا تاکہ ان کے شکوک وشبہات کا جواب دیا جائے، اگر علمی اور فکری مباحثے کے ذریعے اصلاح نہ ہوتی تو پھر ان زندیق افراد کو قتل کر دیا جاتا۔

مجوسیت نے بھی اسلام کے خلاف مختلف شکلوں میں مسلسل کوشش کی کہ فارس کے علاقے میں دوبارہ زندہ ہو اور وہاں حقیقی اسلام کو لوگوں کی زندگی سے ختم کر دے۔ اگرچہ مجوسیت اپنی پرانی شکل میں دوبارہ مکمل طور پر واپس نہیں آئی، لیکن وہاں ایک نیا مذہب نمودار ہوا، جو تشیع کے نام سے جانا گیا، اور یہ وہ مسلک نہیں تھا جس پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو چھوڑا تھا اور جس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی گئی تھی۔

اہلِ تشیع نے ان صحابہ کرام کے خلاف دشمنی اختیار کی جنہیں اللہ تعالیٰ نے دیگر تمام انسانوں کے لیے ایمان کا معیار قرار دیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا (سورۃ البقرۃ:۱۳۷)

”اگر وہ بھی وہی ایمان لائیں جیسا تم (صحابہ کرام) لائے ہو، تو یقیناً وہ ہدایت یافتہ ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ کرام کو مخاطب فرمایا اور ان کے ایمان کو دوسروں کے لیے معیار کے طور پر پیش کیا ہے اور کہا کہ اے رسول اللہ کے صحابہ! جیسا تم نے ایمان لایا، اگر لوگ انہی (مؤمن بہ) چیزوں اور انہی معیاروں و کیفیت کے مطابق ایمان لائیں تو یہ ایمان صحیح اور قبول شدہ ہے۔

صحابہ کرام کا یہ مرتبہ اور امتیاز اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایک خاص تعظیم اور وقار دیتا ہے، جو دیگر لوگوں کو نہیں ملا۔ مگر اس سب کے باوجود، تشیع کی فکر اور مذہب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں منفی رویہ اختیار کیا ہے۔

قدیم اور جدید جاہلیت کے درمیان فرق

قدیم جاہلیت کی مختلف شکلیں جیسے عربوں کی جہالت، یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور دیگر زمانوں کی جاہلیتوں نے اسلام کے خلاف مختلف انداز میں جدوجہد کی۔ انہوں نے فکری مقابلے کیے، مسلمانوں میں شکوک پیدا کرنے کی کوشش کی اور اسلام پر اعتراضات اٹھائے۔ لیکن یہ سب کام نسبتاً سادہ شکل میں تھے، جس کا مقابلہ اُس وقت کے مسلمان اور علماء آسانی سے کر سکتے تھے۔ علماء نے ان افکار، عقائد، نظریات اور شکوک کے خلاف کتابیں لکھیں اور مسلمانوں کو اپنے زمانے کے کفار، گمراہ لوگوں، ان کے جدلیاتی مباحث اور فلسفوں سے آگاہ کیا۔

اس مسلسل علمی اور تعلیمی کوشش کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ مسلمانوں پر جہالت کی ایسی لہر نہ آئی جس سے یکبارگی لاکھوں مسلمان اپنے دین کے بارے میں شکوک میں مبتلا ہوں، اور یہ کہنے لگے ہوں کہ ہم دین کو اپنی زندگی یا معاشرے میں نافذ نہیں کرنا چاہتے، جیسا کہ آج کے سیکولر حکمران، ان کے آلہ کار اور ان کے نظام عمل پیرا ہیں۔

آج لاکھوں مسلمان اس کیفیت میں ہیں کہ زبان سے تو وہ مسلمان ہیں، لیکن دین کو حاکم ہونے نہیں دیتے۔ وہ اپنے اقتصادی نظام کو یا تو کمیونسٹ بنیادوں پر، یا سرمایہ دارانہ نظام پر قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اسلام سے نسبت رکھنے والے لوگ عقیدتاً مسلمان ہیں، لیکن اخلاقاً خود کو لبرل اور ہر دینی قید و بند سے آزاد سمجھتے ہیں۔ اسی طرح، وہ خود کو مسلمان کہتے ہیں، لیکن نظام اور حکمرانی میں جمہوریت چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کو حق نہیں دیتے کہ وہ ان پر حاکم ہو۔

حکام اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، لیکن شریعت، قانون سازی، سیاست، معیشت، عسکری اور انتظامی امور میں دین کو حلال اور حرام کا اختیار نہیں دیتے، بلکہ اسے اپنے یا پارلیمان کے اختیار میں رکھتے ہیں۔

آج عالم اسلام کے حکام کی یہ حالت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے احکام کو نہ تو وہ خود نافذ کرتے ہیں، اور نہ ہی کسی اور کو یہ موقع دیتے ہیں کہ وہ انہیں نافذ کرے۔ اور یہ کام اس لیے کرتے ہیں کیونکہ مغربی ممالک بھی ان سے یہی چاہتے ہیں۔

۲۰۱۳ء میں مغربی افریقہ کے ملک مالی میں ''انصار الدین'' کے نام سے ایک جہادی گروہ ابھرا، اس نے مشہور شہر ٹمبکٹو میں اسلامی پرچم بلند کیا، اسلامی نظام اور عدالتیں قائم کیں، اور وہاں اسلام کے نفاذ کی ایک لہر پیدا ہوئی۔ اس لہر کے اثر میں وہاں بسنے والے لوگوں کی بڑی تعداد اس گروہ کے ساتھ شامل ہو گئی، اور قریب تھا کہ وہاں حقیقی معنوں میں ایک اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔

لیکن تب فرانس نے عملی مداخلت کی، اور اس وقت کے فرانس کے صدر ''فرانسوا اولاند'' (François Hollande) نے اعلان کیا کہ نہ صرف مالی میں اسلام کے نفاذ کی اجازت نہیں دی جائے گی، بلکہ پورے عالمِ اسلام میں شریعت کے نفاذ کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اور وہ واحد چیز جس پر ہم مسلمانوں کے ساتھ کسی بھی صلح یا سمجھوتے کے لیے تیار نہیں ہیں، وہ شریعتِ اسلامی کا نفاذ ہے۔

مغرب اور معاصر جاہلی نظام شریعت کے نفاذ کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟

مغربی ممالک اور عالم اسلام میں موجود معاصر جاہلی نظام، جو کہ مغربی فکر کے پیروکار اور اس کے نفاذ کنندہ ہیں، اس لیے شریعت کے نفاذ کی اجازت نہیں دیتے کہ شریعت کا عملی ہونا عالمِ اسلام کی زندگی کے تمام شعبوں میں امت کو دوبارہ مضبوط کرنے کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ شریعت کے نفاذ سے اسلام کے تصور، عقیدہ، اخلاق، سیاست، حاکمیت، عسکریت، امن، معیشت اور معاشرت کے ہر شعبے میں فساد کا سدّباب ہوتا ہے۔

جب فساد کا سدباب کیا جائے گا تو امتِ مسلمہ مضبوط ہو گی، اتحاد پیدا ہو گا اور صالح قیادتیں جنم لیں گی۔ اس صورت میں مغربی ممالک کے منصوبے عملی شکل اختیار نہیں کریں گے اور ان کے مقاصد پورے نہیں ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک نہیں چاہتے کہ شریعت کسی بھی اسلامی ملک میں نافذ ہو۔

پہلے جب عالمِ اسلام پر مجوسیت، نصرانیت، یہودیت اور عربوں کی جاہلیت کے اثرات تھے، تو مسلمانوں کے پاس مقابلے کے لیے یہ دو بنیادی عناصر موجود تھے:

۱. دینی علم اور مفاہیم

۲. علماء اور داعیانِ دین

اس وقت دین کا علم صرف علماء تک محدود نہیں تھا بلکہ مجموعی طور پر پوری امت میں دین کی سمجھ موجود تھی۔ لوگ دین کو عمل، دعوت اور دفاع کے لیے سیکھتے تھے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ کفری افکار کے شر سے کیسے بچا جائے۔

علمائے اسلام صرف تدریس، فتویٰ اور امامت تک محدود نہیں تھے، بلکہ وہ ہر طرح کے کفریہ اور منحرف افکار کا مقابلہ کرتے، ان پر کتابیں لکھتے، لوگوں کو ان کے حقائق سے آگاہ کرتے اور مسلمانوں کو ان کے شر سے بچاتے۔ اسی وجہ سے اس زمانے میں کفریہ افکار مسلمانوں میں بڑے پیمانے پر نہیں پھیلتے تھے۔ اگر پھیل بھی جاتے، تو حکومت تک رسائی حاصل نہیں کر پاتے اور اگر کسی جگہ حاکم بھی ہو جاتے، تو زیادہ عرصے تک اقتدار میں نہ رہ پاتے۔

قدیم جاہلیت کے مقابلے میں، گزشتہ ڈیڑھ صدی سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو فکری، فلسفیانہ اور تمدنی جنگ جاری ہے، وہ بہت وسیع، عمیق، چومکھی، ہمہ جہت اور منصوبہ بند ہے، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو زندگی کے متعدد شعبوں میں مغلوب کیا گیا ہے۔

مغرب کی مادی اور الحادی فکر سے پیدا ہونے والی اس جنگ میں، نہ صرف نصرانی مغرب بلکہ اسلامی مشرق میں بھی دین کے خلاف میدانِ جنگ میں لاکھوں اور کروڑوں لوگوں کو جدید اور خطرناک وسائل کے ساتھ لا کھڑا کیا گیا۔ یہ خطرناک اور ایمان ہلا دینے والی جنگ اس وقت شروع ہوئی جب مغربی دنیا میں انقلابِ فرانس کے بعد مغربی فلسفہ غالب ہوا اور وہاں دین کو محدود کر دیا گیا۔ اس کے بعد استعمار اور سیکولر حکومتوں و پارٹیوں کے دور میں عالمِ اسلام پر غلبہ حاصل کیا گیا اور زندگی کے ہر شعبے میں شریعت کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوششیں کی گئیں۔

مغربی فکر، ثقافت اور فلسفے کی یہ جنگ عالم اسلام کے خلاف نہ صرف لاکھوں مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل کرنے میں کامیاب ہوئی، بلکہ لاکھوں ایسے لوگ جو اسلام سے منسوب

تھے، خود بھی اس جنگ میں مغربی فلسفے کے حق میں اور اسلام کے خلاف کھڑے ہوگئے۔ یہ درحقیقت مغربی جدید فلسفے اور اسلام کے درمیان ایک خطرناک تصادم ہے، جس کا مقابلہ اسلامی فکر، مسلسل جدوجہد اور گہری بصیرت کے بغیر ممکن نہیں۔

عالمِ اسلام میں مغرب سے درآمد شدہ جدید فلسفہ اور فکری مکاتب صرف علمی اور ثقافتی مفاہیم تک محدود نہیں رہے، بلکہ ان سے عقائد بنائے گئے، ان عقائد کی بنیاد پر نظام قائم کیے گئے، اور ان نظاموں نے لوگوں کو اپنے مطابق منظم کرنے کے لیے قوانین بنائے۔ انہوں نے فوجیں تشکیل دیں، غیر اسلامی اقتصادی نظام متعارف کرائے، کچھ نے کمیونزم کے نفاذ کے لیے تمام وسائل استعمال کیے، اور دیگر نے مغربی لبرل فکر اور نظام کے نفاذ کے لیے یہی حربے اپنائے۔

گزشتہ ایک صدی کے دوران اغیار کے افکار بڑے پیمانے پر افغان عوام میں پھیلائے گئے اور اس کے خطرناک نتائج بھی مرتب ہوئے۔ لیکن اس کے مقابلے میں ہمارے دینی اور علمی مراجع نے تعلیمی نصاب کے ذریعے مؤثر اور مسلسل مزاحمت نہیں کی، اور ہمارے مدارس کے نصاب میں ایسے مضامین شامل نہیں کیے گئے جو پڑھنے والے میں نئی جاہلیت کے خلاف مؤثر فکری مقابلے کی صلاحیت پیدا کریں تاکہ وہ معاشرے میں کمیونزم اور لبرل افکار کے پھیلاؤ کو روک سکیں۔

افغانستان میں مغرب کے جدید فلسفے اور فکری مکاتب کے ساتھ ہمارا ٹکراؤ ہوا، لیکن اس ٹکراؤ کے دوران ہماری طرف سے کوئی مؤثر مقابلہ نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مدارس، محراب، منبر، خانقاہ اور دینی حلقے فکری محاذ آرائی کے لیے کتابیں نہ لکھ سکے، اور مدارس، مساجد، منابر، مجالس، علمی اور دینی اجتماعات میں مغربی فکری، اخلاقی اور دینی اقدار کے مقابلے میں کوئی نصاب تیار نہ ہوا، اور آج تک یہ خلا پُر نہیں ہوا۔

ہم اب بھی، چالیس سالہ جہاد کے بعد، مدارس میں نہ تو کمیونزم کے خلاف کچھ پڑھاتے ہیں، نہ لبرلزم، ہیومنیزم، ریشنلزم یا عقل پرستی، اور نہ ہی نیشنلزم کے خلاف کچھ پڑھاتے ہیں۔

افغانستان میں مغربی فکری ادبیات کے پھیلاؤ نے لاکھوں انسانوں کو مختلف درجات پر زندگی کے مختلف شعبوں میں مغرب کے راستے پر ڈال دیا، لیکن ان لوگوں کے بارے میں نہ ہمارے نصابوں میں معلومات ہیں، نہ شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں، اور نہ ان کے خلاف کوئی فکری مزاحمت موجود ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے معنوی اور اخلاقی اقدار کی جنگ کے کئی محاذوں پر بہت کچھ دشمن کے ہاتھوں دے دیا، جن میں ایک مثال یہ ہے:

سوویت یونین کے حملے اور قبضے کے دوران، ہمارے فوجی بجائے اس کے کہ روسیوں کے خلاف لڑتے، افسوسناک طور پر ذلت کے ساتھ ان کے ساتھ اور اپنے ہی عوام کے خلاف لڑے، اور اسلام کی بجائے کمیونزم کی حمایت کی۔

امریکی حملے اور قبضے کے دوران بھی افغان فوج کے نام پر قائم عسکری اور سکیورٹی ادارے بیس سال تک امریکیوں کے لیے اپنے ہی عوام کے خلاف لڑتے رہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ جو کوئی بھی مدارس کے نصاب کو عملی شکل دینا چاہتا ہے، اس کے پاس اس مقابلے کے لیے مضبوط ارادہ، مؤثر حکمت عملی اور فعال میکانزم موجود نہیں ہیں، اور اگر ارادہ بھی موجود ہے تو عمل درآمد کے لیے موزوں افراد دستیاب نہیں ہیں۔

ہمارے مدارس زیادہ تر زید اور عمرو کی لڑائی میں مصروف ہیں، اور آج تک یہ سوچنے کی بھی کوشش نہیں کی کہ مغرب کے وہ فکری مکاتب اور الحادی افکار جن کا مقصد اللہ تعالیٰ سے الوہیت اور پیغمبر سے رسالت سلب کرنا اور مسلمانوں کو بے دینی کی طرف راغب کرنا ہے، ان کے خلاف مدارس میں فعال کام کیا جائے۔

گزشتہ صدی کے دوران ہمارے ملک میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد زندگی کے مختلف شعبوں میں اغیار کے راستے پر گامزن ہوئی، اور زیادہ تر معاشرتی ڈھانچہ دینی نہ رہ سکا۔ فکری لحاظ سے لوگ اس قدر مغرب سے متاثر ہوئے کہ دینی عالم، روحانی رہنما، عوامی مصلح اور رہنما کی باتیں مغربی افکار کے مقابلے میں بے وقعت لگتی تھیں۔

افغان معاشرے میں وہ لوگ جو خود کو روشن خیال کہتے تھے، اپنے ادبی اور فکری اجتماعات اور اداروں کے ذریعے الحادی افکار پھیلاتے، اور ملحد شاعروں، ادیبوں، لکھاریوں اور فلسفیوں کا تقدس حد درجہ تک مانتے، لیکن دینی عالم، مجاہد اور اسلام کے دفاع کرنے والے کی تنقیص کرتے اور ان کے دینی و سماجی افکار کو رد کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتے۔

یہ سب اس لیے ہوا کہ ہم، اس اسٹریٹیجک فکر کے فقدان کی وجہ سے، اپنے فکری خطابات اور تعلیمی نصاب کے ذریعے ان کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکے، ان کے شبہات اور سوالات کا جواب نہیں دے سکے، اور اسلام کے فوائد اور مغربی فکر کی کمزوریوں اور نقصانات کو واضح نہیں کر سکے۔

سچ یہ ہے کہ ہمارے موجودہ مدارس کے بیشتر طلبہ اور فارغ التحصیل مغربی افکار اور شبہات کے مقابلے میں اپنی دینی فکر، عقیدے اور اسلامی تمدن کے ذریعے فکری اور علمی دفاع کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اور یہ اس لیے نہیں کہ ہمارا دین یا فکر کمزور ہے، بلکہ اس لیے کہ طالب علم کو مغربی فکر اور تمدن کے مقابلے کی تعلیم ہی نہیں دی گئی۔ کیونکہ ہم نے اب تک اپنے نصاب میں اس قیمتی اور فکری جنگ کے لیے کچھ شامل ہی نہیں کیا۔

ہم نہ صرف مغربی فکر کے مقابلے کے لیے مدارس میں کچھ نہیں پڑھاتے، بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، صحابہ کرام رضي الله عنهم اور اسلام کی عظیم تاریخ بھی نہیں پڑھاتے۔ اور اگر کہیں پڑھائی بھی جاتی ہے تو ابتدائی سطح پر ایسی تعلیم دی جاتی ہے کہ طالب علم صرف خط و املاء سیکھتا ہے۔ عمر کے اس مرحلے میں اگر طالب علم کو سیرت پڑھائی بھی جائے، تو وہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، سیاست، سفارتکاری، جنگ و امن، معاشرتی تنظیم اور امورِ حکومت کے بارے میں کیا سمجھے گا؟

علمِ سیرت اور تاریخ، جو درحقیقت علم سیاست ہی ہے، اسے مدرسے کے ابتدائی درجات میں نہیں بلکہ تیسرے درجے سے لے کر ساتویں درجے تک پڑھایا جانا چاہیے، جب طالب علم فکری بلوغت تک پہنچ چکا ہو اور اس میں نصیحت سننے، اس سے نتیجہ اخذ کرنے اور حالات سے صحیح اندازہ لگانے کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہو۔ یہ تعلیم تدریسی طور پر تقسیم شدہ شکل میں اور زمانے کی حقیقی مثالوں اور واقعات کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو، تاکہ اسلام کی تکاملی سمت اور مسلمانوں کے عروج وزوال کے اسباب وعوامل واضح ہوں۔

فکری اور تمدنی جنگ میں شکست خوردہ ہونا عسکری، سیاسی، فکری، ثقافتی، سماجی، تعلیمی، اقتصادی اور زندگی کے دیگر شعبوں میں بھی شکست کے اسباب وعوامل پیدا کرتا ہے، قومیں اپنے تاریخی اور اقداری ورثے سے دور ہو جاتی ہیں اور دشمن کے زیرِ اثر و تابع بن جاتی ہیں۔

ہمیں بحیثیت ایک متدین اور انقلابی قوم مکمل سنجیدگی کے ساتھ کوشش کرنی چاہیے کہ اپنی عوام اور نسلِ نو کو دشمن کے ساتھ فکری جنگ میں دینی مفاہیم کی کمی سے بچائیں اور اس خلا کو پُر کریں۔

ہمارے دینی مدارس کے نصاب ایسے نہیں ہونے چاہئیں کہ طالب علم کو یونان کی قدیم منطق اور فلسفے کی چودہ کتابیں اور عربی زبان کے صرف ونحو کی سولہ کتابیں، اور وہ بھی غیر تطبیقی انداز میں پڑھائی جائیں، لیکن دشمن کے ساتھ فکری مقابلے کے شعبے میں سولہ سالوں میں بھی معاصر اسلامی مفاہیم، اسلامی دعوت، جدید اسلامی تحریریں، اسلامی نظام وسیاست، عالمی اور افغان حالات کی پہچان، دشمن کی پہچان اور دشمن کی زبان کے متعلق ایک بھی کتاب نہ پڑھائی جائے۔

آج افغانوں کی نئی نسل کیمونزم، لبرل ازم، جمہوریت، الحاد، قوم پرستی، ہیومنزم (انسان پرستی)، استعمار، استشراق، تنصیر، گلوبلائزیشن، ویسٹرنائزیشن، فیمنزم، شریعت کی بجائے وضعی قوانین کے اطلاق اور درجنوں دیگر کفری و گمراہ کن نظریات اور فکری مکاتب کے خطرات کا سامنا کر رہی ہے۔ یہی فتنے ہماری عوام کے لاکھوں افراد کو داخلی اور خارجی طور پر اسلام سے دور کر چکے ہیں اور شعوری طور پر انہیں مغربی صف میں کھڑا کر دیا ہے یا ان کے ساتھ روحانی اور فکری تعلقات قائم کر لیے ہیں۔

تو پھر سوال یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس کے طالب علموں کو اس بارے میں کیوں کچھ نہیں پڑھایا جاتا، جبکہ دین کی حفاظت اور اسلامی نظام کے قیام کی توقع بھی انہی طالب علموں سے کی جاتی ہے؟

یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ہمارے طلبہ علم اور نوجوان علماء فکری میدان میں کافی حد تک مقابلے کے تصورات کی کمی کا شکار ہیں، میں ایک مثال پیش کرتا ہوں:

۲۰۲۰ء میں نے افغانوں کے ایک اعلیٰ اور مشہور مدرسے میں سیاسی علوم کے تخصص کی کلاس میں مولانا تقی عثمانی صاحب کی مشہور کتاب (الاسلام والنظريات السياسية) پڑھائی۔ یہ کتاب حکمرانی و سیاست کے شعبے میں اسلام اور دیگر سیاسی نظریات کا تقابلی مطالعہ پیش کرتی ہے۔ اس کتاب میں مختلف افکار اور نظریات جیسے کیمونزم، لبرل ازم اور دیگر قدیم اور معاصر فکری و سیاسی مکاتب کا جائزہ لیا گیا ہے۔

میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ میری تخصص کی کلاس کے سامعین، جو مدارس کے فارغ التحصیل تھے اور دس بارہ سال درس حاصل کر چکے تھے، میرے مضمون اور باتوں سے کتنے واقف ہیں۔ اس سلسلے میں میرا کلاس کے ایک شریک اور فارغ التحصیل عالم سے درج ذیل مکالمہ ہوا:

سوال: آپ تو افغان ہیں اور افغانوں نے تقریباً دو دہائیوں تک کیمونزم کے خلاف جدوجہد کی ہے، تو کیا آپ کیمونزم کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟
جواب: نہیں، میں اسے نہیں جانتا۔

سوال: کیمونسٹوں کے بارے میں آپ نے کیا پڑھا یا سنا ہے؟
جواب: میں نے اپنے والد اور دیگر بزرگوں سے سنا ہے کہ کیمونسٹ افغانستان میں ایک جماعت تھے، یہاں انہوں نے سوویت یونین کی حمایت سے حکومت کی اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔

سوال: آپ اچھی طرح سے سوچیں اور کوشش کر کے کیمونسٹوں کے بارے میں چند نکات بتائیں، کہ کیمونسٹ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اخلاقیات، نظام، معیشت اور انسان کی تخلیق کے بارے میں کیا تصور رکھتے ہیں؟
میرے بار بار پوچھنے پر انہوں نے جواب میں کہا:
جواب: اس بارے میں میں نے کچھ نہیں سیکھا۔

سوال: چلیں میں اس بات کو چھوڑ دیتا ہوں کہ کیمونزم کیا ہے اور کیمونسٹ کون ہیں؟ کیونکہ آپ اس زمانے میں ہیں کہ کیمونزم اب اس طرح یہاں یا کسی اور جگہ حکمران نہیں جیسا کہ سوویت یونین کے وقت تھی۔ لیکن آپ اس وقت مسلح جہاد بھی کر رہے ہیں، تو یہ مجھے بتائیں کہ آپ کس کے خلاف لڑ رہے ہیں، اور جنگ اور جہاد کا آپ کا مقصد کیا ہے؟
جواب: میں اشرف غنی کی امریکی حمایت یافتہ حکومت کے خلاف لڑ رہا ہوں اور میرا مقصد اسلامی نظام قائم کرنا ہے۔

سوال: اشرف غنی کی حکومت کس طرح کا نظام چاہتی ہے؟
جواب: وہ جمہوریت چاہتے ہیں۔

سوال: جمہوریت کیا ہے؟
جواب: یہ مغرب کا نظریہ اور طریقہ ہے۔

سوال: مجھے چند نکات بتائیں کہ وہ کیا کہتے ہیں کہ جمہوریت کیا ہے جس کے خلاف آپ لڑ رہے ہیں؟

جواب: یہ ایک گمراہ طریقہ ہے، لیکن میں اس سے آگے نہیں جانتا۔

میں ان طلبائے دین کو قصوروار نہیں سمجھتا، کیونکہ تعلیمی نصاب میں ان مضامین کی کمی نے انہیں موجودہ فکری جنگ میں باطل فکری مکاتب سے ناواقف اور ان کے خلاف جدید اسلامی تصورات کی کمی کا شکار کر دیا ہے۔

ہمارے مدارس کے طلبہ، جو صرف و نحو کے پیچیدہ مسائل سیکھ سکتے ہیں، وہ جدید کفر کے بارے میں بھی آسان اور اہم باتیں سیکھ سکتے ہیں۔ وہ جہاد، شہادت اور جان کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں، تو پھر اس کے لیے بھی تیار ہیں کہ کوئی انہیں کمیونزم اور دیگر مغربی نظریات کے بارے میں سمجھائے، تاکہ وہ ان سے واقف ہوں اور پھر ان کا مؤثر انداز سے مقابلہ کریں۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مدارس نے نصاب کے ذریعے انہیں اس میدان میں کچھ بھی نہیں سکھایا۔

جدید فکری جنگ میں مفاہیم کے فقدان کا خطرناک نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے ایک بڑے حصے کے دینی علماء اور طلبہ معاصر انسان کے فکری اور مفہومی مکالمے اور مناقشے سے عاجز ہوگئے، اور اس عاجزی کے نتیجے میں لاکھوں مسلمانوں میں سے:

- کچھ کمیونزم کی صف میں چلے گئے،
- کچھ نے لبرلزم، نیشنلزم، معاصر الحاد اور قوم پرستی قبول کی،
- اور ایک اور بڑا حصہ شریعت کی زندگی کے بجائے روایتی زندگی کو ترجیح دینے لگا۔

مسلمانوں کی نئی نسل کے ذہن میں جو مغربی طرزِ زندگی اور فکر کی وجہ سے شریعت اور اسلامی نظام کے بارے میں شبہات اور بداعتمادی پیدا ہوئی ہے، اس کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ علماء اور طلبہ ایسے لہجے اور مفاہیم کے ذریعے انہیں مخاطب کریں کہ دوبارہ اسلامی شریعت پر ان کا اعتماد بحال ہو اور وہ صحیح معنوں میں اسلام کی آغوش میں واپس آجائیں۔

جدید فکری اور نظریاتی جنگ میں فکری شبہات کا جواب دینے میں ہمارے طلبہ اور علماء کی عاجزی اس لیے نہیں کہ وہ مخلص نہیں ہیں۔ کوئی شخص جو شہادت، بموں پر چڑھنے، بھوک و قحط برداشت کرنے، برف میں سفر کرنے اور جیل کے حالات سہنے کے لیے تیار ہے، وہ اس لیے بھی تیار ہے کہ کوئی اسے فکری میدان میں ماہر بنائے۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ نصاب میں اس خطرناک فکری جنگ کے بارے میں کوئی مواد موجود نہیں۔ اور چونکہ مدرسہ میں اس کام کے لیے ضروری علوم اور فعال پروگرام موجود نہیں، اس لیے لاکھوں مسلمان فکری میدان میں غیر مسلموں کے حوالے کر دیے گئے ہیں، اور غیر مسلموں نے یہ خلا نصاب، ٹیلی ویژن، ریڈیو، اخبار، سیمینار، مجلے، یونیورسٹی، سوشل میڈیا اور دیگر ذرائع کے ذریعے بھر دیا، اور مسلمانوں کی نسلِ نو اسلامی شریعت اور اسلامی نظام کی صالحیت، تطبیق اور عملاً نفاذ کے بارے میں شک میں مبتلا ہوگئی ہے۔

یہ صورتحال ایک ایسی حالت پیدا کر چکی ہے کہ اسلام سے منسوب عوام کی ایک بڑی تعداد خود اپنی اجتماعی زندگی، سیاست اور نظام کے معاملات میں اسلام نہیں چاہتے۔ ایسے لوگ کہتے ہیں:

- میں مسلمان ہوں، لیکن میں اسلامی حکومت کے خلاف ہوں اور اسے نہیں چاہتا۔
- میں مسلمان ہوں، لیکن اخلاق کے معاملے میں میرے ساتھ کسی عالم یا کسی اور کا کوئی سروکار نہیں۔
- میں مسلمان ہوں، لیکن اسلامی حدود مجھ پر لاگو نہیں ہونی چاہئیں۔
- میں اللہ تعالیٰ کو مانتا ہوں، لیکن اس کے احکام، دین کے تقاضے اور حکومت قبول نہیں کرتا۔
- میں مسلمان ہوں، لیکن عسکری اور دفاعی میدان میں کفار کے ساتھ مجاہدین کے خلاف معاہدے کرتا ہوں اور ان کے دائرہ کار میں عمل کرتا ہوں۔

چونکہ ہم ایک قوم کے طور پر اس طرح کی صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں، اس لیے اس مسئلے کے حل کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مدارس میں اسلامی فکری ادب کے مفاہیم داخل کیے جائیں اور اپنے طلباء اور اساتذہ کو ان سے آگاہ کیا جائے، تاکہ مقابلے کے میدان میں یہ بڑی کمی پُر کی جاسکے۔

اور یہ ایک ایسی کمی ہے جسے دشمن نے اپنے مفاد کے لیے بروئے کار لانے کے لیے لاکھوں پیشہ ور افراد ملازم رکھے ہوئے ہیں اور انہیں جدید ترین وسائل فراہم کر رکھے ہیں۔

☆☆☆☆☆

نوجوان الحاد کے خلاف سینا سپر ہو جائیں!

”میرے نوجوانو! وقت ہے کہ تم ہمت اور اولوالعزمی دکھاؤ اور دریائے الحاد کے دھارے کے خلاف اگر تیرنا پڑے تو شیر ببر کی طرح سینا سپر ہو جاؤ۔ خدائی نظام کا احیا تاریخ میں تمہارا نام روشن کرے گا اور اللہ و رسول ﷺ کے سامنے سرخرو کرے گا۔ یاد رکھو! خدا کا دیا ہوا یہ موقع ابھی اگر ہاتھ سے کھو دیا تو دنیا و آخرت کی تباہی سے کوئی چیز تمہیں نہیں بچا سکتی۔“

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

بحوالہ مقالات، مشاہدات، واقعات، شخصیات، تاثرات

از حاجی قاری محمد اکبر شاہ بخاری ص ۱۵۸

موجودہ ادارتی ڈھانچے کے ذریعے اسلام آ ہی نہیں سکتا

دینی سیاسی جماعتوں کے لیے لمحہ فکریہ

تحریر: عمر جاوید / استفادہ: مولوی عبد الرب بلوچ

ہم نے جب سے فکری و شعوری ہوش سنبھالا ہے تو اداروں کی مضبوطی و فروغ کا چرچا سنا ہے۔ سول بیوروکریسی ہو، فوج ہو، پولیس یا عدالتی نظام یا پارلیمان و سیاست، یہی غوغا سنا ہے کہ ان میں ہم 'اپنے' افراد بھرتی کریں گے اور پھر وہ تبدیلی لائیں گے۔ یہ تبدیلی آنی ہوتی تو دہائیوں قبل آچکی ہوتی۔

یہ مختصر تحریر جہاں ایک طرف ہمارے دینی سیاسی جماعتوں کے قائدین و کارکنان کو مخاطب ہے تو دوسری طرف عالَمِ اسلام میں ابھرتی نئی مسلم حکومتوں کے لیے بھی ایک دعوتِ فکر ہے کہ وہ بھی اپنے اپنے ملکوں میں انگریز یا نیو ورلڈ آرڈر کے بنائے ادارتی ڈھانچوں میں نظامِ اسلامی کو 'سیٹ' و 'ایڈجسٹ' کرنے کے بجائے، سنجیدگی سے ادارتی نظام، اسلامی نظام کی ضروریات اور اپنے عوام کی ضروریات کا جائزہ لے کر عملی قدم اٹھائیں۔ نظامِ اسلامی کی جان جہاں 'تدین' ہے تو دوسری طرف 'تخصصات' اور دنیا کے انتظام و انصرام کو سمجھنا، اور تکوینی سنتوں کے مطابق نظام قائم کرنا بھی ازحد ضروری امر ہے۔ و من اللہ التوفیق! (ادارہ)

کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے کا فلسفہ جمہوری مذہبی جدوجہد کا خاصہ ہے۔ یعنی ملک کے اداروں میں اپنے نظریے کے لوگوں کو داخل کر کے ان اداروں سے کچھ خیر کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ جیسے جیسے ان اداروں میں دین دار لوگوں کا اضافہ ہوتا چلا جائے گا ویسے ویسے وہ ادارہ یا ادارے شر سے پاک ہوتے چلے جائیں گے۔ بدقسمتی سے دینی جمہوری جماعتیں اگرچہ بسا اوقات ایک دوسرے کے مدمقابل نظر آتی ہیں لیکن اس نظریے پر متفق ہیں۔ روایتی علماء کی اکثریت بھی غالباً اس نظریے سے متفق ہی ہے۔

بظاہر تو اس نظریے کی ابتدا پاکستان بننے کے بعد جمہوری جدوجہد اختیار کرنے والے سرکردہ علماء سے ہوتی نظر آتی ہے لیکن کچھ غور کرنے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دراصل سرسید احمد خان نے اس نظریے کی داغ بیل ڈالی۔ اگر اس بات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس نظریے کی عمر کوئی ۱۵۰ سال بنتی ہے۔ اس پورے عرصے میں اس نظریے سے اتفاق کرنے والوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے اور آج ایک بہت بڑی تعداد یہ سمجھتی ہے کہ نیک اور ایمان دار لوگوں کو مختلف ریاستی اداروں کا حصہ بنا کر ان اداروں کو شر سے پاک کیا جاسکتا ہے۔

اگر ہم یہ دیکھیں کہ پچھلے قریباً اسّی سالوں میں جمہوری مذہبی جدوجہد کے نتیجے میں ریاستی اداروں میں کتنے فیصد ان کے ہم خیال لوگ پہنچے ہیں اور ان لوگوں نے ان ریاستی اداروں کو شر سے پاک کرنے میں کتنی کامیابی حاصل کی ہے، اور کیا آج یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر ہم اسی طرح چلتے رہے تو اگلے ۲۰ یا ۴۰ یا ۶۰ سالوں میں ان شاء اللہ کچھ مثبت تبدیلی آنے کے امکانات ہیں؟ زمینی حقائق کی روشنی میں ان باتوں کا جواب شاید مثبت نہ ہو۔ بلکہ اس بات کے زیادہ شواہد موجود ہیں کہ ان اداروں کے مرہون منت معاشرے میں شر آج اور زیادہ تیزی سے پھیل رہا ہے، اور اگر اس کا مقابلہ کوئی کر رہا ہے تو آٹے میں نمک کے برابر وہ مخلص لوگ نہیں جو ان ریاستی اداروں میں کام کرتے ہیں بلکہ روایتی دینی جماعتیں یا ادارے ہیں مثال کے طور پر تبلیغی جماعت، مساجد اور مجاہدین فی سبیل اللہ وغیرہ۔ یہاں سوال یہ ہے کہ اگر پاکستان کی تاریخ میں اس نظریے کے صحیح ہونے کے ثبوت موجود نہیں تو آج ان دینی جمہوری جماعتوں کے قائدین ایک لمحہ رک کر یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ نظریہ اور طریقۂ کار شاید ٹھیک نہیں اور کسی متبادل کی ضرورت ہے؟

اس مضمون میں ہم یہ دیکھیں گے کہ نہ صرف یہ نظریہ مغالطہ آرائی پر بنی ہے بلکہ اس پر بلا سوچے سمجھے عمل کے نتیجے میں وقت اور افرادی قوت کے ضائع ہونے کی صورت میں قوم کو ناقابل تلافی نقصان بھی ہو رہا ہے۔ راقم کی نظر میں اس کی بنیادی وجہ مندرجہ ذیل مفروضات ہیں جو دینی جمہوری جماعتوں نے انگریزوں کے بنائے ہوئے، ریاستی ادارتی ڈھانچے کے بارے میں فرض کیے ہوئے ہیں۔

- **مفروضہ ۱:** ایک ادارہ ایک اوزار کی طرح ہوتا ہے اور اسے استعمال کرنے والا اسے مثبت یا منفی طریقے سے استعمال کر سکتا ہے۔
- **مفروضہ ۲:** ایک ادارے کا ماحول اس میں کام کرنے والوں پر اثر انداز نہیں ہوتا۔
- **مفروضہ ۳:** جس طرح کوئی بھی فرد یا گروہ ایک ہجوم کا حصہ بن سکتا ہے، اسی طرح کوئی بھی اپنی مرضی سے کسی بھی ادارے کا حصہ بن سکتا ہے اور ادارہ کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہیں کرتا۔
- **مفروضہ ۴:** ایک ادارے کا کوئی تاریخی پس منظر نہیں ہوتا اور وہ دوسرے اداروں سے الگ تھلگ ہو کر کچھ بھی کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔
- **مفروضہ ۵:** ادارے کے اعلیٰ حکام بالخصوص اس بات پر قادر ہوتے ہیں کہ وہ ادارے کے اندرونی نظام میں اور اس کی نظریاتی بنیادوں میں بلا روک ٹوک تبدیلی کر سکیں۔
- **مفروضہ ۶:** ادارے کے اندر کام کرنے والوں کے پاس اتنا وقت ہوتا ہے کہ وہ ادارے کو اپنے نظریات کے مطابق ڈھالنے کی منصوبہ بندی کریں اور اس منصوبے کو عملی جامہ بھی پہنائیں، اور کسی بھی قسم کی تبدیلی کو ادارہ اور اس کے تمام اسٹیک ہولڈرز بخوشی قبول بھی کر لیں۔

کوئی شخص جس نے کسی بھی ادارے میں کام کیا ہو وہ ان مفروضوں کو بے بنیاد قرار دے سکتا ہے۔ کچھ تفصیل کے ذریعے یہ بات ان شاء اللہ مزید واضح ہو جائے گی۔

کسی بھی معاشرے میں سماجی، معاشی اور ریاستی ادارے معاشرے کی ضروریات اور نظریات کے مطابق ایک تاریخی عمل کے ذریعے وجود میں آتے ہیں اور مسلسل ارتقائی

مراحل سے گزرتے رہتے ہیں۔ برِّ صغیر میں جو معاشی اور ریاستی ادارے کام کر رہے ہیں وہ سب کو معلوم ہے کہ انگریز اپنے ساتھ لے کر آئے اور برصغیر کے عوام پر زبردستی مسلط کر دیے۔ پاکستان میں ابھی تک یہی ادارے برائے نام کام کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ادارے مسلمانوں کی معاشرتی، معاشی اور سیاسی ضروریات اور نظریات کے تقاضوں کو پورا کرنے کے اہل نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان اداروں میں جن تبدیلیوں کی ضرورت ہے کیا وہ جمہوری جدوجہد کے قائلین کے گمان کردہ درج بالا طریقے سے آسکتی ہیں؟

اس کے جواب میں کچھ تفصیل بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی بھی ادارتی نظام کے لیے ضروری ہے کہ وہ کچھ اصولوں پر چلتا ہو اور اس میں کام کرنے والے ان اصولوں کے پابند ہوں۔ ان اصولوں کے مطابق ادارے کی داخلی اور خارجی پالیسی مرتب ہوتی ہے۔ یہ اصول ادارے، اس کے شعبوں اور اس میں کام کرنے والے ملازمین کی کارکردگی جانچنے کا پیمانہ بھی بتاتے ہیں۔ اس اصولی ڈھانچہ کا ارتقا ایک تاریخی عمل کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اوپر سے لے کے نیچے تک ہر شخص پر ان اصولوں کی پابندی لازمی ہوتی ہے اور خلاف ورزی پر وہ سزا کا مستحق بھی ہو سکتا ہے، اور اگر خلاف ورزی سنگین نوعیت کی ہو تو اس شخص کو نوکری سے فارغ بھی کیا جا سکتا ہے۔ ہر ملازم کی ذمہ داریوں کی حدود کا دائرہ بھی اسی اصولی ڈھانچے کا حصہ ہوتا ہے، تمام ملازم اپنی حدود میں رہ کر کام کرتے ہیں اور کسی دوسرے کی حدود میں قدم رکھنا ایک غلط بات سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی ملازم اپنی حدود سے تجاوز کر کے کسی دوسرے ملازم کے دائرہ کار میں دخل اندازی کرے تو ممکنہ طور پر اس کے خلاف بھی ادارہ کارروائی کر سکتا ہے۔ ہر ملازم کی اخلاقی ذمہ داری بھی اس کے کام کے حدود تک ہی محدود ہوتی ہے، اور وہ کسی دوسرے ملازم کی کسی بھی غیر اخلاقی حرکت کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ ادارے میں بھرتی یا ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ ملازم ادارے کے اصولی ڈھانچے اور نظریات کے مطابق چلنے پر تیار ہو، اگر نہیں تو اس کو نوکری ملنا مشکل ہوتا ہے اور مل جائے تو اس کے بعد اس کو نوکری سے فارغ کر دیے جانے کا امکان ہوتا ہے۔ ادارے کا نظام ہر ملازم کی کارکردگی اور اصولوں کی پابندی کا ریکارڈ رکھتا ہے۔ سیاسی جماعتوں کی رکنیت بھی شاید انہی اصولوں پر قائم ہوتی ہے۔

ایک اور بات سمجھنا ضروری ہے کہ ادارے میں کام کرنے والے کا ادارتی کردار اور اس کا انفرادی کردار دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ادارتی کردار کا تعلق ان ذمہ داریوں سے ہوتا ہے جو اس ملازم کو سونپی جاتیں ہیں یا وہ ملازم اس ادارے میں اپنی ملازمت کے تحفظ کی وجہ سے مجبور ہو کر سر انجام دیتا ہے۔ ان ذمہ داریوں کو سرانجام دینے کے لیے ملازم اپنی انفرادی حیثیت میں پوری ایمان داری سے کام کرتا ہو، لیکن ان ذمہ داریوں کے حق و باطل ہونے کا اس کی ایمانداری سے کوئی تعلق نہیں۔ مثال کے طور پر ایک بینک کا ملازم پوری ایمان داری سے سودی لین دین کر سکتا ہے، ایک پارلیمنٹ کثرت رائے سے پوری ایمانداری کے ساتھ قرآن اور سنت کے خلاف بل پاس کر سکتی ہے یا اسلامی نظریاتی کونسل کی رائے کے خلاف انسانی حقوق کا بہانہ بنا کر اپنی بات منوا سکتی ہے، کوئی اشتہار بنانے والی کمپنی میں کام کرنے والا اپنے کلائنٹ کی خواہش کے مطابق پوری ایمانداری سے فحاشی سے بھرپور اشتہار بنا سکتا ہے، اور وکیل پوری ایمانداری کے ساتھ اپنے مجرم موکل کے لیے کیس لڑ سکتا ہے۔ کسی بھی ملازم کی ترقی کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ اپنے اس ادارتی کردار کو پوری ایمانداری سے نبھائے۔ ایسا کئی دہائیوں تک کرنے کے بعد وہ ملازم ترقی کرتے کرتے ادارے میں اعلیٰ حکام کی سطح تک پہنچتا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ادارے کے اندر اپنی ملازمت کے تحفظ کے لیے ہر ملازم کو کرپشن، افسر شاہی، دھاندلی، اور سفارشی کلچر کا حصہ بننے کی ضرورت پیش آتی ہو۔ اور اگر یہ تمام خرافات ادارے کے سسٹم یا نظام کا حصہ بن چکی ہوں تو ملازمت کے تحفظ کے لیے اور بالخصوص ترقی کے لیے ان تمام کالے کرتوتوں کا حصہ بننا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت حال میں جو ملازم ترقی کرتے کرتے اوپر پہنچ جائیں اور یہ تمام خرافات اس کے ایمان اور کردار کا حصہ نہ بنیں یہ کسی معجزے سے کم نہیں۔ ایسی صورت حال میں یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہونی چاہیے کہ اگر کوئی ایماندار اور مخلص شخص کسی کرپٹ نظام میں داخل ہو گا تو اوپر پہنچتے پہنچتے یا تو خود کرپٹ ہو جائے گا یا پھر نظام اس کو کسی غیر موثر پرزے کی طرح بے دخل کر دے گا۔

ایک ادارہ کسی جاندار کی طرح اندرونی اور بیرونی خطرات سے دفاع کے لیے ایک مدافعتی نظام کا حامل ہوتا ہے اب اگر کوئی ایسا گروہ جو نظریاتی طور پر اس ادارے سے متضاد ہو وہ اس ادارے میں داخل ہونا چاہے تو ادارہ لازمی طور پر اپنے دفاع کے لئے ہر ممکن کوشش کرے گا، اور اگر یہ گروہ کسی طرح اس ادارے کے اوپر حاوی ہو جائے اور اپنی مرضی کے مطابق اس ادارے کا رخ بدل دے، چاہے یہ جائز طریقے سے ہی کیوں نہ ہو، دوسرے ادارے اس ایک ادارے کو بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ مصر میں اخوان کو دوسرے اداروں نے جس طرح راستے سے ہٹایا ہے اس کی مثال سب کے سامنے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کے ہر ادارہ دوسرے ادارے سے اس طرح منسلک ہوتا ہے جیسے ایک مشین کے مختلف پرزے۔ اس انگریز کے بنائے ہوئے نظام میں ہر ادارے کو اپنی بنا اور مالی مفاد کے لیے دوسرے اداروں کی ضرورت ہوتی ہے، اور دوسری طرف کوئی بھی ادارہ کسی بھی دوسرے ادارے پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص ایک ایسا ادارہ جو نظام کے مالی مفاد کی راہ میں رکاوٹ ہو۔

اس خصوصیت کی وجہ یورپ کی مخصوص تاریخ ہے جہاں ایک بہت لمبے عرصے تک بادشاہت اور پاپائیت کے آمرانہ نظام نے یورپ کو پسماندگی کے اندھیروں میں دھکیلے رکھا۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے جو تحریکیں چلیں انہوں نے بعد میں جو نظام مرتب کیا اور پوری دنیا میں استعماری (کولونیل) دور میں پھیلایا اس نظام میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ کوئی بھی گروہ یا فرد پورے نظام پر حاوی نہ ہونے پائے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ حاکمیت صرف اور صرف اللہ کی ذات کی ہے اور اس کے بعد اس کے آخری نبی کی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)، اور اس کے بعد ائمہ ار بعہ اور ان کے بعد علماء اور فقہائے کرام کی ہے اور وہی تمام اہم فیصلے کریں گے اور پارلیمنٹ سمیت تمام ادارے علمائے

کرام کے آگے اپنا سر تسلیم خم کریں گے، مثلاً قوم پر اور افواج پر جہاد کب فرض ہو گا؟ میڈیا کہاں تک آزاد ہو گا؟ اور بینکاری کا سودی نظام چلے گا یا نہیں؟ تو یہ سب کچھ انگریز کے بنائے ہوئے اس نظام کو برداشت نہیں کہ ایک طبقہ تمام اداروں پر حاوی ہو جائے۔

مسلمانوں کی تخلیقی صلاحیتیں پاکستان بننے کی ابتدا میں شاید اس قابل نہیں تھیں کہ وہ ایک نیا نظام مرتب کرتے چنانچہ انہوں نے ۱۹۴۷ء کے بعد انگریزوں کے چھوڑے ہوئے ریاستی نظام کو کلمہ پڑھانے کو کوشش کی۔ قائد اعظم نے ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک ری کنسٹرکشن بنایا لیکن ان کے انتقال کے بعد یہ خواب ہی رہ گیا۔ اس کے بعد قرار داد مقاصد کو پاکستانی آئین کا حصہ بنانے کی کوشش بالکل ویسی ہی تھی جیسے کسی بس کے آگے ایک پنکھا لگا کر یہ سمجھ لیا جائے کہ اب بس اڑنے کے قابل ہو گئی ہے۔ کیا اس پیچھے والی بس کا ڈھانچہ اس بات کی اجازت دیتا ہے کے ایک انتہائی تجربہ کار پائلٹ کی موجودگی میں بھی وہ جہاز کی طرح اڑنا شروع کر دے۔

انگریز کا بنایا ہوا یہ نظام ایک مشین کی طرح ہے جو کہ انسان نما پرزوں سے چلتا ہے۔ ان پرزوں کو بنانے کے لیے جس فیکٹری کی ضرورت ہوتی ہے اسے سکول، کالج اور یونیورسٹی کہتے ہیں۔ انگریز جب اس نظام کو برصغیر میں لے کر آئے تو انہوں نے دوسرے اداروں کے ساتھ پورا تعلیمی نظام بھی متعارف کروایا۔ اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ اس فیکٹری کی پراڈکٹ ذہنی اور قلبی طور پر اس قابل ہو کہ وہ مشین کے پرزے کی طرح بلا چون وچرا اس نظام کا کار آمد حصہ بننے کو ہی زندگی کا مقصد سمجھے۔ اس بات کو ممکن بنانے کے لیے کالجوں وغیرہ کا نظام بھی کچھ اسی طرح مرتب کیا گیا کہ ہر فرد ایک ہی فیلڈ میں مہارت حاصل کر پاتا ہے اور جب وہ نظام میں آکر نوکری کرتا ہے تو اس کو دوسرے شعبوں اور اداروں میں کام کرنے والوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ تعلیمی نظام لوگوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھرنے نہیں دیتا اور نہ ان کی ذہنی نشو نما اس طرح سے کرتا ہے کہ وہ اس پورے نظام کو سمجھنے کے قابل ہو سکیں۔ نیز ان کی اخلاقی تربیت اور تزکیہ نفس وغیرہ کا بھی کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا۔

اکبر الٰہ آبادی نے اس نظام کے بارے میں کیا خوب کہا کہ:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

کالج اور یونیورسٹی وغیرہ سے جو لوگ نکلتے ہیں وہ نچلی سطح سے مختلف اداروں کے مختلف شعبوں میں داخل ہوتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ بغیر کسی چیز پر تنقید کیے یا سوال اٹھائے ادارے کے نظریات اور کلچر کے مطابق کام کرتے کرتے اعلیٰ سطح تک پہنچتے ہیں، بھلے وہ پھر کرپشن، دھاندلی، افسر شاہی، سفارش اور خود غرضی سے بھرپور ہی کیوں نہ ہو۔

اب اگر کوئی جماعت اس نظام میں داخل ہو کر اس کو قابو کرنے کی کوشش کرے تو اس کی شروعات کہاں سے ہو گی؟ کیا بیک وقت تمام اداروں کی اعلیٰ سطح کی قیادت کو کسی طریقے سے تبدیل کیا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں تو کیا ہر ادارے کی نچلی سطح سے داخل ہونے کی کوشش کی جائے؟ یہاں چند سو یا چند ہزار لوگوں کی بات نہیں ہو رہی بلکہ لاکھوں لوگوں کی بات ہو رہی ہے یعنی ہم پورے تعلیمی نظام کو اپنے نظریات کے مطابق تبدیل کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ اب جو مشکلات کسی بھی ادارے کا حصہ بن کر اس کو تبدیل کرنے کے حوالے سے پہلے بیان کی گئیں تھیں وہ تعلیمی نظام پر بھی حرف بحرف لاگو ہوتی ہیں۔

اب جو حضرات نظام کا حصہ بن کر اس کو اثر سے پاک کرنے کی بات کرتے ہیں، ان کے پاس پارلیمنٹ کا ایک ناکارہ حصہ بننے کا تو لائحہ عمل ہے لیکن دوسرے اداروں کو اپنے نظریات کے تابع کرنے کا کوئی ممکنہ طریقہ موجود نہیں۔ وہ شاید اس مغالطے میں ہیں کہ جب کبھی وہ معجزاتی طور پر پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو افواج، عدلیہ، بیورو کریسی، میڈیا، سول سوسائٹی، بینکاری نظام وغیرہ ان کے آگے سر تسلیم خم کر لیں گے۔ ایسا سوچنے والے شاید احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مذہبی سیاسی جماعتوں کی سیاست میں ناکام شمولیت کے نتیجے میں بدنامی دین کی ہو رہی ہے۔ ایک عام آدمی جو مذہبی جماعتوں کے کارکنان کو ذاتی طور پر نہیں جانتا وہ ان جماعتوں کی سیاست میں شمولیت کی کوششوں سے یہی نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ان جماعتوں کے مقاصد میں اور دوسری سیکولر اور کرپٹ جماعتوں کے سیاسی مقاصد میں کوئی زیادہ فرق نہیں بلکہ مذہبی جماعتیں سیاست کے لیے اسلام کے نام کا ناجائز استعمال کر رہی ہیں۔ انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے، تو جب مذہبی جماعتیں معروضی طور پر کرپشن اور بد دیانتی سے بھرپور سیاست کے میدان میں نظر آئیں گی تو ایک عام آدمی ان کے بارے میں مثبت گمان کیوں کر کرے گا؟ اور اگر یہ بات درست ہے تو اس بات کے اشاعت اسلام پر کسی قسم کے اثرات مرتب ہوں گے اور ہو رہے ہیں اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس دین کی خدمات کے حوالے سے اگر برصغیر میں تبلیغی جماعت، دینی مدارس اور مساجد کے نیٹ ورک کی خدمات کو دیکھا جائے تو اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انگریز کے لادینی نظام سے ان روایتی دینی اداروں کا کسی قسم کا براہ راست کوئی تعلق نہیں، لیکن یہ بھی درست ہے کہ ان روایتی دینی اداروں کا بہت سا کام جو کہ نظریاتی نوعیت کا ہے، ابھی کافی حد تک کرنا باقی ہے۔

چنانچہ کرنے کا ایک اہم کام یہ ہے کہ ان روایتی اداروں کو زیادہ مستحکم اور کار آمد بنایا جائے اور ان کے دائرہ کار کو پھیلانے کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں تا کہ وہ اس نظریاتی جنگ میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔

☆☆☆☆☆

کفار کا معاشی بائیکاٹ

اسلامی بائیکاٹ جدید جنگ کے تناظر میں

اسلام کے خلاف جاری عالمی صہیونی جنگ کے تناظر میں اسلامی مقاطعہ کو سمجھنا، نافذ کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا

محمد ابراہیم لَڈوِک

محمد ابراہیم لَڈوِک (زید مجدہ) ایک نو مسلم عالمِ دین ہیں جنھوں نے عالَمِ عرب کی کئی جامعات میں علم دین حاصل کیا۔ موصوف نے کفر کے نظام اور اس کی چالوں کو خود اسی کفری معاشرے اور نظام میں رہتے ہوئے دیکھا اور اسے باطل جانا، ثم ایمان سے مشرف ہوئے اور علمِ دین حاصل کیا اور حق کو علی وجہ البصیرۃ جانا، سمجھا اور قبول کیا، پھر اسی حق کے داعی بن گئے اور عالَمِ کفر سے نبرد آزما مجاہدین کے حامی اور بھرپور دفاع کرنے والے بھی بن گئے (نحسبه كذلك والله حسيبه ولا نزكي على الله أحدا)۔ انھی کے الفاظ میں: 'میرا نام محمد ابراہیم لَڈوِک ہے (پیدائشی طور پر الیگزانڈر نیکولئی لڈوک)۔ میں امریکہ میں پیدا ہوا اور میں نے علوم تاریخ، تنقیدی ادب، علمِ تہذیب، تقابلِ ادیان، فلسفۂ سیاست، فلسفہ بعد از نو آبادیاتی نظام، اقتصادیات، اور سیاسی اقتصادیات امریکہ اور جرمنی میں پڑھے۔ یہ علوم پڑھنے کے دوران میں نے ان اقتصادی اور معاشرتی مسائل پر تحقیق کی جو دنیا کو متاثر کیے ہوئے ہیں اور اسی دوران اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام ایک سیاسی اور اقتصادی نظام ہے جو حقیقتاً اور بہترین انداز سے ان مسائل کا حل لیے ہوئے ہے اور یوں میں رمضان ۱۴۳۳ھ میں مسلمان ہو گیا'، اللہ پاک ہمیں اور ہمارے بھائی محمد ابراہیم لڈوک کو استقامت علی الحق عطا فرمائے، آمین۔ جدید سرمایہ دارانہ نظام، سیکولرازم، جمہوریت، اقامتِ دین و خلافت کی اہمیت و فرضیت اور دیگر موضوعات پر آپ کی تحریرات لائقِ استفادہ ہیں۔ مجلہ 'نوائے غزوۂ ہند' شیخ محمد ابراہیم لَڈوِک (حفظہ اللہ) کی انگریزی تالیف 'Islamic Boycotts in the Context of Modern War' کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہے۔ (ادارہ)

جہاد

مسلح جدوجہد عدو اللہ کی معاشی قوت کو کمزور کرنے کا ایک نہایت مؤثر ذریعہ ہے۔ بلکہ یہ پابندیوں کی صورت میں خود بخود نہایت مؤثر اور ہمہ گیر بائیکاٹ کا باعث بنتی ہے۔ حتیٰ کہ جہاد میں نہایت معمولی تعاون بھی یہود و نصاریٰ کی طرف سے افراد اور ممالک پر پابندیوں کا باعث بن سکتا ہے۔ ممالک کے لیے، بہت سی درآمدات اور برآمدات روک دی جائیں گی، اور افراد کو پابندیوں کی فہرست میں ڈال دیا جائے گا جس سے ان کے لیے بینک میں اکاؤنٹ کھولنا یا قانونی کاروباری معاہدے کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ بظاہر یہ نقصان دہ معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت یہ فائدہ مند ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

(سورۃ البقرۃ: ۲۱۶)

”تم پر (دشمنوں سے) جنگ کرنا فرض کیا گیا ہے، اور وہ تم پر گراں ہے، اور یہ عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو، حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو، اور (اصل حقیقت تو) اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔“

معاشی نظام سے اخراج کسی ملک یا فرد کو نئے طریقوں کی تلاش پر مجبور کرتا ہے۔ اگرچہ یہ مشکل ہوتا ہے، مگر اس کا نتیجہ زیادہ خودمختاری اور استحکام کی صورت میں نکلتا ہے۔ ملک کو اپنی زراعت اور پیداوار میں خود کفیل ہونا پڑتا ہے، اور عالمی بینکوں پر انحصار کے بجائے اپنا مالیاتی نظام خود تخلیق کرنا پڑتا ہے۔ یہ عالمی نظام کو منڈی کے ایک بڑے ممکنہ حصے سے بھی محروم کر دیتا ہے۔

لوگوں کے لیے، بینک اکاؤنٹ کھولنے پر پابندی انہیں اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ مالیاتی نظام پر کم سے کم انحصار کریں۔ یہ نہ صرف انسان کی سود کے لیے حمایت کو کم کرتا ہے، بلکہ صہیونیوں اور ان کے اتحادیوں کی بالواسطہ حمایت کو بھی کم کرتا ہے۔ اگرچہ مالیاتی نظام سے باہر نکلنا مشکلات اور نقصانات کا باعث بنتا ہے لیکن اس سے دشمن کو بھی نقصان اٹھانا پڑتا ہے

إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ○ (سورۃ آل عمران: ۱۴۰)

”اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی اسی جیسا زخم پہلے لگ چکا ہے۔ یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں، اور مقصد یہ تھا کہ اللہ ایمان والوں کو جانچ لے، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید قرار دے، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔“

اگر ہم جہاد میں شمولیت کے سبب مشکلات، نقصانات یا تکالیف جھیلتے اور پابندیوں کا سامنا کرتے ہیں، تو ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہم بھی دشمن کو ایسی ہی مشکلات، تکالیف اور نقصانات سے دوچار کر رہے ہیں۔

جن لوگوں کو اس دنیا کی محبت نے عسکری جدوجہد سے دور کر دیا ہے یا وہ لوگ جو کوئی راہ نہیں پاتے، ان کو چاہیے کہ مجاہدین کے ساتھ مالی تعاون کریں۔ اور اگر کوئی دنیا کی رنگینیوں میں اس حد تک کھویا ہوا ہے کہ وہ یہ بھی نہیں کر سکتا، تو چاہیے کہ جہاد کی زبانی حمایت کرے اور اس کی طرف بلائے۔ یہ معمولی اقدامات بھی صہیونیوں کے زیرِ تسلط مالیاتی نظام سے اخراج کا باعث بن سکتے ہیں۔ مثلاً بعض مسلمانوں کو مجاہدین کی حمایت میں بولنے پر کفار کی

ملکیتی کمپنیوں میں ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے۔ یہ چیز انہیں اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ یا تو مسلمانوں کے بیچ روزگار تلاش کریں یا معاشی خود مختاری حاصل کریں۔

معاشی نظام قانونی بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں، اور ایک حقیقی اسلامی معیشت کی بنیاد شریعت کو ہونا چاہیے۔ شریعت کا نفاذ اور اس کا تحفظ صرف قوت سے جہاد کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ صہیونیوں کے زیر تسلط مالیاتی نظام کا متبادل کھڑا کرنے کے لیے آبادیوں اور وسائل پر قدرت حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ جتنے زیادہ علاقے شریعت کے تابع ہوں گے اور جتنا ان کے مابین معاشی تعلق مظبوط ہو گا، اتنا ہی اسلامی معیشت بین الاقوامی مالیاتی نظام کے متبادل کے طور پر مضبوط اور قابلِ عمل ہو گی۔

ہجرت

عَنْ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ حَتَّى تَنْقَطِعَ التَّوْبَةُ، وَلَا تَنْقَطِعُ التَّوْبَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ فرماتے تھے: ”ہجرت ختم نہیں ہو سکتی، حتیٰ کہ توبہ منقطع ہو جائے، اور توبہ اس وقت تک منقطع نہیں ہو گی، حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔“[1]

ہجرت کی شرعی تعریف یہ ہے کہ گناہوں کی سرزمین کو چھوڑ کر نیکیوں اور اچھائیوں کی سرزمین کی طرف منتقل ہو جانا۔ بنیادی طور پر یہ دارالکفر یا دارالحرب کو چھوڑ کر دارالاسلام کی طرف منتقل ہو جانے کو واضح کرتا ہے۔ دارالاسلام وہ جگہ ہے جہاں لوگوں کے معاملات پر اسلامی قانون غالب ہو۔

علماء کی ایک بڑی تعداد نے دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کو فرض قرار دیا ہے، اور قدرت کے باوجود دارالکفر میں سکونت اختیار کیے رکھنے کو گناہ کہا ہے۔ جبکہ دیگر نے اس کو مستحب قرار دیا ہے لیکن فرض نہیں سمجھتے، اور حالیہ برسوں میں اسی رائے کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

یہ ایک پیچیدہ بحث ہے اور اس کتاب کا موضوع بھی نہیں ہے۔ لیکن اس کا جو بھی حکم ہو، بہر حال ہجرت بائیکاٹ کا سب سے طاقتور اور جامع طریقہ ہے۔ ایسی جگہ منتقل ہونے کا مطلب جہاں اسلامی حکومت قائم ہو یہ ہے کہ آپ کے ٹیکس اور آپ کی تمام معاشی سرگرمیاں اُن حکومتوں اور معاشروں کے بجائے جو اسلام کے مخالف ہیں اسلامی قانون، معیشت اور فوجی مہمات کی نصرت کریں گی۔

دنیا میں اگر آج کوئی ہیں تو بہت کم ایسی جگہیں ہیں جن کو حقیقی معنوں میں اسلامی حکومتوں کے تحت کہا جا سکتا ہے۔ تاہم، اس میں درجات ہیں، لہٰذا اس کو دو ٹوک انداز میں دیکھنے کے بجائے، زیادہ بہتر ہے کہ ایک تسلسل یا طیب (spectrum) کی صورت میں دیکھا جائے۔ بعض جگہیں ایسی ہیں جہاں حکومت اور معاشرہ شریعت کے زیادہ قریب ہیں اور ان میں اسلام کی مخالفت کم ہے، اور کچھ وہ ہیں جہاں حکومت اور معاشرہ پر شریعت کا اثر کمتر ہے اور وہ اسلام کی مخالفت میں زیادہ شدید ہیں۔ عام طور پر، بہتر یہی ہے کہ ایسی جگہوں پر رہا جائے، اور کام کاج اور کاروبار کیا جائے جہاں اسلام اور شریعت کی جڑیں مضبوط ہوں اور جہاں صہیونی تسلط شدہ نظام سے ہم آہنگی کم ہو۔ ایسی جگہوں پر ہجرت کا مطلب ہے کہ آپ کی خرید و فروخت، محنت، اور ٹیکس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دشمنوں کے کم معاون و مددگار ہوں گے۔

وہ جگہیں جہاں اسلام کی مخالفت کم ہے اور جو کفار کے زیرِ قبضہ مالیاتی نظام کے ساتھ کم مربوط ہیں، ان کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

زُہد

زُہد سنت کا حصہ ہے، اور تاریخ کے ہر دور میں اولیاء اللہ اور علماء کرام نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اس موضوع پر روحانی نقطہ نظر سے کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ زُہد کا بنیادی مقصد اپنے آپ کو دنیاوی حرص سے پاک کرنا ہے تاکہ اپنے حقیقی مقصد، اللہ تعالیٰ کی عبادت، کے لیے خود کو وقف کیا جا سکے۔

زُہد گراں قدر معاشی اثرات مرتب کر سکتا ہے۔ جدید طرزِ زندگی کے لیے ضروری سمجھے جانے والے بہت سے اخراجات در حقیقت غیر ضروری ہیں۔ ان غیر ضروری اخراجات کو پورا کرنے کے لیے پیسہ کمانے کی دوڑ دھوپ اکثر ہمیں عبادات سے غافل کر دیتی ہے۔ بعض ایسی آسائشوں کو ترک کر کے اور اللہ تعالیٰ کی یاد، حصولِ علم، اور دیگر عبادات کے ذریعے سکون اور لذت حاصل کر کے ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دشمنوں کو پہنچنے والی معاونت کو کم کر سکتے ہیں۔

غیر قانونی تجارتی سرگرمیاں

کئی ایسی سرگرمیاں ہیں جو اصلاً تو حلال ہیں لیکن بعض خطوں میں غیر قانونی تصور کی جاتی ہیں۔ مثلاً، لوگوں اور اشیاء کی بین الاقوامی سرحدوں کے پار سمگلنگ، حوالہ، ہنڈی، سرمایہ جاتی پابندیوں سے بچنے کے لیے سونے، قیمتی جواہرات اور کرنسی کی سمگلنگ، غیر قانونی نقل و اشاعت بالخصوص سافٹ ویئرز کی، کاپی رائٹ شدہ سافٹ ویئر کی غیر قانونی تقسیم، نیٹ ورک اور کمپیوٹر پروگراموں میں دراندازی یا ان میں تبدیلی کرنے والے سافٹ ویئر کی تیاری، فروخت اور دیکھ بھال، غیر لائسنس یافتہ اسلامی سکولوں کا چلانا، اور دیگر غیر لائسنس

---

[1] ابو داود: ۲۴۷۹

شدہ سروسز یا کاروبار چلانا، یہاں تک کہ بغیر لائسنس یا ٹیکس دیے ہلکی پھلکی خوراک یا کھانے تیار کر کے بیچنا۔

بعض اوقات اس طرح کے کاروبار سے حاصل ہونے والی رقم کو ایسے اثاثوں میں منتقل کرنا غیر قانونی ہوتا ہے جن کو ضبط کرنا مشکل ہو، اسے عرفِ عام میں منی لانڈرنگ کہا جاتا ہے۔ تاہم یہ سرگرمیاں بعض مواقع پر حلال ہو سکتی ہیں۔ مثلاً سونے کی سمگلنگ سے حاصل ہونے والے منافع کو ایک ایسی عمارت کی تعمیر پر خرچ کیا جا سکتا ہے، جس کی ملکیت ایسے شخص کے نام ہو جو سمگلنگ سے غیر متعلق ہو۔

اگرچہ غیر مسلم حکومتیں ان سرگرمیوں کو "مجرمانہ" تصور کرتی ہیں، مگر کئی گروہ ایسے ہیں جو انہی ذرائع سے اپنے مالی وسائل پیدا کرتے ہیں اور معاشرے میں وقار اور سیاسی اثر و رسوخ بھی رکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایسے دین دار اور سیاسی بیداری رکھنے والے مسلمان جو یہ کام شروع کریں انہیں عام گروہوں کی نسبت زیادہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے لیکن اس سب کے باوجود کچھ علاقوں میں ان کے لیے اپنی جگہ بنانے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

غیر قانونی تجارتی سرگرمیوں میں ملوث ہونا آمدن کے ایسے متبادل ذرائع فراہم کر سکتا ہے جو روایتی "قانونی" ملازمتوں اور کاروبار کی نسبت دشمن حکومتوں کے لیے کم معاون ہوں۔ یہ متبادل بعض اوقات دشمن حکومتوں کی پالیسیوں کو براہ راست نقصان پہنچا سکتے ہیں، جیسے اسلامی مزاحمت کو غیر مسلح کرنے یا سرمائے کے بہاؤ کو روکنے کی کوشش۔ لہٰذا یہ سرگرمیاں صہیونیوں کی ہم خیال حکومتوں کے سیاسی اور معاشی عدم استحکام میں معاون ہو سکتی ہیں، آمدنی کے حلال ذرائع فراہم کر سکتی ہیں، اور محنت مزدوری اور ٹیکس میں رکاوٹ کے ذریعے دشمن حکومتوں کی معاونت کو روک سکتی ہیں۔

یہ سرگرمیاں حکام کے ساتھ تصادم، قید و بند، اور دولت ضبط کیے جانے کا باعث بن سکتی ہیں، لیکن ساتھ ہی خوب منافع بخش بھی ہو سکتی ہیں۔ بڑے اور منظم گروہوں کے لیے قید و بند اور مال و دولت کے نقصان کو کاروبار کا عام حصہ سمجھا جا سکتا ہے۔

قومی کرنسی سے اجتناب

مرکزی بینک اور قومی کرنسیاں صہیونیوں اور ان کے غلاموں و اتحادیوں کی طرف سے دنیا کے سیاسی اور معاشی نظام کو قابو میں رکھنے کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ ان کی قوت کو کم کرنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دشمنوں کے اثر و رسوخ کو کم کرنے کا ایک مؤثر طریقہ ہے۔ اس پر تفصیلی بیان آگے آئے گا۔ انشاء اللہ

کاغذی کرنسی اپنی اصل میں کوئی قدر نہیں رکھتی۔ اس کی قیمت طلب اور رسد کے حساب سے طے ہوتی ہے، اس لیے جتنی زیادہ اس کی طلب ہو گی اتنی ہی اس کی قیمت زیادہ ہو گی اور اس کا اجراء کرنے والوں کا اثر و رسوخ بھی۔ قومی کرنسی کی طلب بڑھانے کا بنیادی طریقہ تو ٹیکس لگانا ہے، لیکن تجارت، محنت مزدوری اور کھپت بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ چونکہ صہیونی اور ان کے اتحادی اکثر کرنسیوں کے اجرا پر قابو رکھتے ہیں، لہٰذا ان کا استعمال جتنا کم کریں گے اُن کا اثر و رسوخ اتنا ہی کم ہو گا۔ مالیاتی سرگرمیوں کو چھوڑ کر غیر مالیاتی معاشی سرگرمیوں کی طرف منتقل ہونا قومی کرنسیوں اور صہیونیوں و ان کے اتحادیوں کے اثر و رسوخ کو کم کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔

شمالی امریکہ اور یورپ کے طاقت کے مراکز سے باہر بھی صہیونی اور ان کے اتحادی کرنسی مارکیٹوں کے ساتھ خورد برد کر کے قومی کرنسیوں کے ذریعے دوسرے ممالک کے وسائل کی لوٹ مار کرتے ہیں۔ قومی کرنسیوں کی قیمت کم کرنے کا مطلب ہے کہ مضبوط کرنسیوں والے ممالک چھوٹے ممالک سے کم قیمت پر برآمدات خرید سکتے ہیں۔ کرنسی کے اس نظام کو ترک کرنا، صیہونیوں اور ان کے اتحادیوں کے لیے قوموں کا خون چوسنا مشکل بنا دے گا۔

قومی کرنسیوں پر انحصار کو کم کرنے کے کئی طریقے ہیں:

تحفہ جاتی معیشت

جب لوگ آپس میں تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں تو، ان کے مابین احسان مندی کا رشتہ پروان چڑھتا ہے۔ اگر یہ تعلق مناسب حد تک مضبوط ہو جائے، تو وہ بینک، انشورنس، حتیٰ کہ قومی کرنسی کی حاجت کو بھی ختم کر سکتے ہیں۔

ایسے غیر مالیاتی تعلقات کی ایک عام مثال ہمسایوں کا ایک دوسرے کے گھر کھانا بھجوانا۔ رشتہ داروں کا ایک دوسرے کی اولاد کی دیکھ بھال میں مدد کرنا۔ ایک مضبوط قبیلہ اور برادری انشورنس کی ضرورت کو ختم کر سکتے ہیں، کیونکہ لوگ بحرانوں میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپس میں تحائف کے تبادلے کی ترغیب دلائی ہے:

> عن أبی هريرة عن النبی صلى الله عليه وسلم قال تهادوا تحابوا
>
> حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "آپس میں تحائف کا تبادلہ کیا کرو، تم میں محبت بڑھے گی"۔[۲]

اسلام نے جواب بالمثل کے اصول یعنی تحفے کا بدلہ اسی نوعیت کے تحفے سے دینے کو لازم قرار دیا ہے۔

عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[۲] ادب المفرد: ۵۹۴

ومن صنع إليكم معروفا فكافئوه، فإن لم تجدوا ما تكافئونه فادعوا له حتى تروا انكم قد كافاتموه

”جو تمہارے ساتھ احسان کرے اس کا بدلہ دو۔ اگر بدلہ دینے کے لیے کوئی چیز نہ پاؤ تو اس کے حق میں دعا کرو یہاں تک کہ تم سمجھ لو کہ اس (کے احسان) کا بدلہ دے دیا ہے۔“[3]

اگر ہمسائے، دوست، اور گھر کے افراد آپس میں تحائف کا تبادلہ کریں اور ایک دوسرے کی مدد کریں اور اس کو لوٹانے کی کوشش بھی کریں، تو آپس میں احسان مندی کے رشتے پروان چڑھتے ہیں۔ جتنا زیادہ یہ تعلقات مضبوط ہوں گے اتنا ہی روپے پیسے کی معیشت پر انحصار کم ہو گا۔ تحفہ جاتی معیشت کے سبب محصولاتی آمدنی بھی گھٹ جاتی ہے، کیونکہ غیر روایتی تبادلوں پر ٹیکس لگانا نقد لین دین کی نسبت کہیں مشکل ہوتا ہے۔

سب سے بہتر یہ ہے کہ احسان مندی کے تعلقات دین دار مسلمانوں کے ساتھ قائم کیے جائیں۔ چونکہ تحائف کے تبادلے سے محبت والفت بڑھتی ہے، ہمیں چاہیے کہ اللہ کی رضا کی خاطر محبت کریں اور امت کے باہمی تعلقات کو مستحکم بنائیں۔ جب اقتصادی تعلقات اس قدر مضبوط ہو جائیں کہ مفادات آپس میں ملنے لگیں، تو یہ اتحاد کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح کے غیر رسمی قرض کا نظام قائم کرنے کی کوشش کا محور مسلم آبادیاں ہونی چاہئیں۔ اگرچہ کاروبار کفار کو دعوت کا ایک اچھا ذریعہ ہو سکتے ہیں، لیکن ایک مضبوط اور باہمی تعاون کرنے والی امت زیادہ مؤثر دعوت ہو گی۔

خوراک اور وسائل کی بازیافت

خوراک یا وسائل کی بچت بھی قومی کرنسی کی قوت کو کم کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صہیونیوں کے زیرِ اثر معیشتوں میں ایسے عمارتی قوانین متعارف کرائے جاتے ہیں جو روایتی اور مقامی طرزِ تعمیر پر پابندی لگاتے ہیں اور لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ایسی عمارتیں تعمیر کریں جن میں استعمال ہونے والا تعمیراتی سامان پیسے سے خریدنا پڑے۔ مثلاً مٹی کے گھروں پر اکثر پابندی عائد ہوتی ہے یا ان کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے تاکہ سیمنٹ اور تعمیراتی لوہے کی صنعت کو فروغ دیا جا سکے۔ ایسا شخص جو مقامی طور پر دستیاب مٹی اور پتھر سے تعمیرات کرتا ہے، اس کو دوسرے شخص کی نسبت جس کو ہر چیز خریدنی پڑتی ہے، قومی کرنسی کی ضرورت نہایت کم ہے۔

گھروں کی تعمیر کو مہنگا کرنا ان کی فراہمی کو محدود کر دیتا ہے جس سے گھروں کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ زیادہ قیمتوں اور زیادہ تعمیراتی اخراجات کے سبب لوگ مجبور ہوتے ہیں کہ وہ رہائش کے حصول کے لیے صہیونی یا ان کے اتحادی بینکوں سے قرض حاصل کریں۔

دوسرے الفاظ میں، یہ قوائد وضوابط لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ صہیونیوں کے زیرِ اثر اس نظام میں مزید دھنستے چلے جائیں۔

یہ صورتحال اس امر کو مزید واضح کرتی ہے کہ شریعت کے تحت زندگی گزارنا کس قدر اہم ہے، کیونکہ سود کی عدم موجودگی میں یہ سب ناممکن ہو جائے گا۔ ساتھ ہی یہ اس بات کو بھی واضح کرتی ہے کہ ان پالیسوں سے بچاؤ صہیونیوں کے قابو میں موجود مالیاتی نظام کو کمزور کرنے کے ایک مؤثر ذریعے کے طور پر کتنا اہم ہے۔ ایسے علاقوں کی طرف ہجرت کر جانے کا مطلب جہاں قوانین نرم ہوں بعض آسائشوں اور سہولیات سے ہاتھ دھونا تو ہو سکتا ہے لیکن بدلے میں ایسے علاقے میں زندگی گزارنا ممکن ہو گا جہاں صہیونیوں اور ان کے اتحادیوں کے اداروں کی حمایت کے لیے دباؤنہ ہونے کے برابر ہو گا۔

تعمیرات اس کی ایک نمایاں مثال ہیں، لیکن بچت کا یہ طریقہ علاج اور خوراک کے معاملے میں بھی اپنایا جا سکتا ہے۔ روایتی ٹوٹکوں اور علاج معالجے کا علم حاصل کرنے سے مقامی پودوں کو براہِ راست طبی ضروریات کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ شہروں میں بھی بعض اوقات یہ ممکن ہوتا ہے کہ بازاروں ہوٹلوں سے بچ جانے والی سبزیاں جمع کر کے مرغیوں اور بکریوں وغیرہ کو کھلائی جائیں، اور پھر ان کے انڈے اور دودھ خود کو اپنے استعمال میں لایا جائے۔

صہیونیوں کی طرف سے اس کی روک تھام کی ایک بہت ہی نمایاں مثال اُن کا اہلِ فلسطین پر جنگلی زعتر اکٹھا کرنے پر پابندی لگانا ہے۔ اگر آپ ایسی حکومتوں کی پالیسیوں کا مطالعہ کریں جو قومی کرنسی پر انحصار کرتی ہیں، تو آپ کو ایسی بے شمار مثالیں ملیں گی جہاں لوگوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے براہِ راست فائدہ اٹھانے سے روکا جاتا ہو، اور انہیں اس بات پر مجبور کیا جاتا ہو کہ وہ اپنے معاملات اور لین دین قومی کرنسی کے ذریعے طے کریں۔

قومی کرنسی کے نظام میں شمولیت کم کرنے کے ساتھ ساتھ، یہ سرگرمیاں مجموعی طور پر اِضاعت کی مقدار بھی کم کرتی ہیں، جو کہ اسلام میں پسندیدہ اور قابلِ تعریف ہے۔

يٰبَنِيۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِيۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّكُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا‌ ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ○ (سورۃ الاعراف: ۳۱)\

”اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! جب کبھی مسجد میں آؤ تو اپنی خوشنمائی کا سامان (یعنی لباس جسم پر) لے کر آؤ، اور کھاؤ اور پیو، اور فضول خرچی مت کرو۔ یاد رکھو کہ اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔“

باہمی تبادلہ یا مقامی کرنسی

بعض صورتوں میں، یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ لین دین کے لیے نقدی کے استعمال کے بجائے براہِ راست تبادلے (بارٹر) کے طریقے کو اپنایا جائے۔ مسلمانوں کے گروہوں کے لیے یہ

---

[3] ابو داود: ۱۶۷۲

بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ ایسا نظام ترتیب دیں اور اس پر اتفاق کر لیں جہاں وہ سونے، چاندی، اناج یا دیگر قیمتی اشیاء کے ذریعے لین دین اور تجارت کریں۔ یہ ایسے مسلم گروہوں کے مابین ممکن ہے جو ایک دوسرے کے قریب رہنے اور باہمی تجارت کرنے پر متفق ہوں، یا کسی شہر یا آبادی کی سطح پر منظم سوشل میڈیا گروپوں کے ذریعے۔

روایتی شادیاں

عورتوں کو گھر سے نکال کر پیشہ ورانہ مشقت میں دھکیلنا صہیونیت زدہ عالمی نظام کا بنیادی ایجنڈا ہے۔ خاندان احسان مندی کے تعلقات کا سب سے مضبوط ذریعہ ہیں، اور خاندان کی سالمیت کا انحصار شادی کے تقدس پر ہے۔ مرد و عورتوں کا مخلوط ماحول میں کام کرنا لا محالہ ناجائز تعلقات کو پروان چڑھاتا ہے، چاہے جذباتی تعلق ہو یا جنسی۔ اور یہ شادیوں کے معیار میں گراوٹ کا باعث ہے۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ بات چیت اور ناجائز تعلقات شادی سے پہلے ہوں یا بعد میں، ایک ساتھی کارکن کے ساتھ جذباتی تعلق مستقبل کی شادیوں کے ساتھ ساتھ موجودہ شادیوں کو بھی شدید نقصان پہنچاتا ہے۔

یوں ایک شیطانی چکر وجود میں آتا ہے، جتنا زیادہ خواتین کو دفتروں کی طرف دھکیلا جاتا ہے اتنا زیادہ ہی گھر ٹوٹنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس سے مزید خواتین نوکریوں کی طرف جاتی ہیں جس سے طلاقیں مزید بڑھ جاتی ہیں۔

صنعتی طور پر تیار کردہ ایسی کئی اشیاء جو قومی کرنسی سے خریدی جاتی ہیں غیر ضروری ہو جاتی ہیں اگر خواتین گھروں میں رہیں اور گھریلو صنعت کی ترقی کو فروغ دیں۔ یہ اسلام کے نقطہ نظر سے بھی پسندیدہ ہے:

وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاہِلِیَّۃِ الۡاُوۡلٰی وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ وَاَطِعۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ۚ○ (سورۃ الاحزاب: ۳۳)

”اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو اور (غیر مردوں کو) بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو، جیسا کہ پہلی بار جاہلیت میں دکھایا جاتا تھا۔ اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو۔ اے نبی کے اہل بیت! (گھر والو) اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور رکھے، اور تمہیں ایسی پاکیزگی عطا کرے جو ہر طرح مکمل ہو۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا، وَصَلَاتُهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”عورت کی نماز اس کے اپنے گھر میں صحن کے بجائے کمرے کے اندر زیادہ افضل ہے، بلکہ کمرے کی بجائے (اندرونی) کوٹھڑی میں اور زیادہ افضل ہے۔“[۴]

علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: میں نے فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے پوچھا، ”عورت کے لیے سب سے بہتر کیا ہے؟“ انہوں نے جواب دیا ”یہ کہ نہ وہ کسی مرد کو دیکھے اور نہ کوئی مرد اسے دیکھے“۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: ”پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ بات عرض کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یقیناً، فاطمہ مجھ سے ہیں“۔

ایک وجہ کہ جدید مغربی معاشرہ اسلام میں عورت کے معاملے کو اتنے تنقیدی انداز میں دیکھتا ہے یہ ہے کہ جدید معیشت نے معاشی سرگرمیوں کے مرکز کو گھر سے نکال کر کارخانوں، دفتروں اور بازاروں میں منتقل کر دیا ہے۔ اس تبدیلی نے گھروں کو، جو کبھی پیداوار اور تجارت کے زندہ مراکز ہوا کرتے تھے، مقبروں یا قید خانوں میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ اس تناظر میں، کسی عورت کو یہ کہنا کہ وہ اپنا سارا وقت گھر پر ہی گزارے ظالمانہ محسوس ہوتا ہے۔ جب کسی عورت کی پڑوسی اور رشتہ دار خواتین سب کام پر ہوں، ایسے میں گھر پر رہنا تنہا ہونے کا احساس دلا سکتا ہے۔

گھر کے زوال کا اصل فائدہ انہی کو ہے جن کے مفادات اس صہیونیت زدہ نظام سے جڑے ہیں۔ جب عورتیں گھر کے بجائے تنخواہ کے عوض کام کرتی ہیں، تو قومی کرنسی کی مانگ بڑھتی ہے کہ کئی ایسی ضروریات جو بغیر پیسے کے گھر سے ہی پوری ہو جایا کرتی تھیں اب ان کو خریدنا پڑتا ہے۔ جو عورتیں گھر سے باہر کام کرتی ہیں عین ممکن ہے کہ ان کے پاس بینک اکاؤنٹ، ریٹائرمنٹ فنڈ، انشورنس، کار لونز وغیرہ بھی ہوں۔ یہ سب چیزیں صہیونیوں اور ان کے اتحادیوں کے زیر قبضہ مالیاتی نظام کو مضبوط کرتی ہیں۔

گھروں میں رہنے والی خواتین بے شمار اشیاء خود تیار کر سکتی ہیں جن میں صابن، کاسمیٹکس، خوشبوئیں، کپڑے، زیورات، کھانے پینے کی اشیاء، مشروبات، آرٹ اور طبی سامان کی تیاری شامل ہیں۔ یہ ممکن ہے بازاری چاکلیٹ اور مٹھائی خریدنے کے بجائے خود مٹھائی تیار کی جائے۔ تقریباً ہر کاسمیٹک اور خوبصورتی کا سامان مقامی طور پر دستیاب اجزاء کے ذریعے گھر پر ہی تیار کیا جا سکتا ہے۔ (باقی صفحہ نمبر ۸۱ پر)

[۴] ابو داود: ۵۷۰

مع الأستاذ فاروق

معین الدین شامی

دو سفر

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء.

اللّهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمین!

پچھلی یا اس سے پچھلی نشست میں ذکر کیا تھا کہ فاروق بھائی کے ساتھ ڈوگہ سے بطرفِ مائزر سفر کا ایک واقعہ لکھوں گا۔ یاد پڑتا ہے کہ ہم نوا اڈہ، دتہ خیل سے گزر چکے تھے کہ اسی میں لاہور کے ایک عالمِ دین کا ذکر چھڑ گیا، میں ابھی آیا بھی تازہ تازہ لاہور ہی سے تھا۔ ان عالمِ دین کا تقویٰ و قربانی اور حق گوئی معروف ہے، جدید نظاموں خصوصاً جمہوریت وغیرہ پر بہت جان دار رد کیا کرتے تھے، اب پاکستانی انٹیلی جنس اداروں کے دباؤ کے سبب ملک بدر ہیں۔ انہی کی مجلس میں مجھے ایک اچنبھے کی بات محسوس ہوئی، وہ دیگر واقعات کے ہمراہ بیان کرتا ہوں۔ ہم ایک دن بعد از نمازِ جمعہ انہی حضرت کی مجلس میں جا کر بیٹھ گئے، ساتھ میں میرا برادرِ نسبتی شہید علی طارق رحمہ اللہ بھی تھا۔ ان عالم سے وہاں کسی نے شیعہ روافض کی پولیس ڈیوٹی کے متعلق سوال کیا تو کہنے لگے کہ روافض کی حفاظت کسی صورت میں جائز نہیں[۱]، تو جس سپاہی کی اس کام پر ڈیوٹی لگے اس کو چاہیے کہ کوئی بہانہ بنا کر جان چھڑائے۔ پھر کسی نے علماء کی حق گوئی کے متعلق سوال پوچھا تو بولے کہ علماء پر حق گوئی لازمی ہے اور میں کہتا ہوں کہ جو عالم حق گوئی نہ کر سکے اور وقت کا طاغوت اس سے کوئی اپنے حق میں فتویٰ مانگے اور اس عالم کے پاس اس طاغوت کے حق میں بات کرنے یا بظاہر دوسری طرف قید و بند یا موت ہو تو جس مجلس میں اس سے فتویٰ طلب کیا جائے تو اس عالم کو چاہیے کہ اسی مجلس میں بیٹھے بیٹھے اپنے کپڑوں میں قضائے حاجت کر دے، حکمران بھی سوچے گا کہ کیسا جاہل آدمی ہے اور اس کو اپنی مجلس سے ذلیل کر کے نکال دے گا، لیکن فائدہ یہ ہو گا کہ یہ عالم غلط فتویٰ دینے سے بچ جائے گا، دنیا میں تو ذلیل ہو گا لیکن آخرت کی ذلت سے بچ جائے گا۔ یہ صاحب تقویٰ و ادب میں ایسے تھے کہ مجھ جیسا نوجوان جو ان کے سامنے ہی بیٹھا تھا تو اس سے انہوں نے اجازت طلب کی کہ مجھے ٹانگوں میں تکلیف ہے تو کیا میں اپنی ٹانگیں پھیلا لوں؟ میں تو شدید شرمندہ ہو گیا اور شرمندگی ہی کے سبب کچھ نہیں بولا، لیکن جب تک انہوں نے مجھ سے میری زبان سے اجازت نہیں لے لی پاؤں نہیں پھیلائے، حالانکہ یہ کوئی سُوئے ادب نہ تھا اور وہ بھی میرے جیسے کے حق میں!؟

اس کے بعد، میں نے فاروق بھائی کو بتایا کہ ان سے حجۃ الاسلام مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ 'میں اگر ان کی توحید دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ ان سے بڑا موحد کوئی نہیں، اور اگر ان کا شرک دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ ان سے بڑا مشرک کوئی نہیں'۔ میں نے یہ بات سنی تو طبیعت شدید مکدر ہو گئی اور ایک لحہ بھی وہاں مزید بیٹھنا ناممکن ہو گیا، میں وہاں سے بس اٹھا اور باہر نکل کر ٹہلنے لگا اور اپنے ساتھیوں کا انتظار کرنے لگا۔

میں نے فاروق بھائی کو یہ بات بتائی، رات کا وقت تھا اور ہم گاڑی میں جا رہے تھے۔ فاروق بھائی نے بڑی صراحت سے مجھ سے دوبارہ یہ واقعہ پوچھا، میں نے سنایا اور پھر انہوں نے کہا کہ پکی بات ہے کہ یہی واقعہ ہوا ہے؟ میں نے کہا کہ بالکل پکی بات ہے اور چند دیگر راویوں کے حوالے سے بھی بتایا کہ انہی صاحب نے چند دیگر مجالس میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی کچھ باتیں کی ہیں (ایسے واقعات کا راوی صرف میں نہیں ہوں، بلکہ ان حضرت کی مجالس میں شریک ہونے والے عام و خاص لوگ اس کے شاہد ہیں)۔ یہ سن کر فاروق بھائی نے بہت افسوس کا اظہار کیا۔

پھر فاروق بھائی بولے کہ جب ہم نے دستاویزی فلم 'امام برحق' بنائی (جو مولانا عبد الرشید غازی شہید پر بنائی گئی تھی) تو انہی صاحب نے مشائخ کو ایک خط لکھا اور کہا کہ اس میں جو آپ نے سید احمد شہید اور دیگر بزرگوں کا ذکر کیا ہے تو یہ بڑا غلط کیا ہے اور ساتھ میں سید احمد شہید کے بارے میں لکھا کہ 'هذا المبتدع' [(یعنی بدعتی)، حاشا وکلا، معاذ اللہ من ذلک!] تو شیخ عطیہ رحمہ اللہ نے بہت حلم سے ان صاحب کو جواب لکھا اور اپنا موقف و منہج بیان کیا۔ فاروق بھائی نے کہا کہ شیخ عطیہ نے مجھے کہا کہ ان صاحب کے خط میں جو بات مجھے سب سے بری لگی وہ یہ الفاظ تھے جو انہوں نے سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھے 'هذا المبتدع'۔ فاروق بھائی نے کہا کہ یہ ان صاحب کی بڑی ہی فاش غلطی ہے اور یہ بالکل غلط طریقہ ہے، ہم اس کے شدید مخالف ہیں اور ایسی باتوں سے بری ہیں۔ یہاں لطیف نکتہ یہ ہے کہ فاروق بھائی اور ہم ان کے تلامذہ جو مسلکاً حنفی ہیں یہاں شیخ عطیہ کا ذکر کر رہے ہیں اور سلفی عالم شیخ عطیہ، سید احمد شہید کا دفاع کر رہے ہیں، وہ سید احمد شہید جنہوں نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا اور یہ مکتوب اب بھی سید صاحب کے عوام میں معروف قبر و مزار کے

---

[۱] یہ تب ہے جب رافضی پاکستان یا اس طرح کے کسی ملک میں ہوں۔ اگر یہ رافضی اپنا شر و فساد نہ پھیلاتے ہوں اور مستامن یا معاہد وغیرہ کی حیثیت میں کسی اسلامی حکومت کے تحت رہتے ہوں تو ان کو بھی باقی کفار یا اہلِ کتاب کی طرح تحفظ وقت کی اسلامی حکومت فراہم کرے گی یا جس طرح آج کل امارتِ اسلامی افغانستان ان کو ملک کے باشندوں کے طور پر حفاظت و دیگر حقوق فراہم کرتی ہے، جس طرح سکھوں یا ہندوؤں کو حاصل ہیں۔

احاطے میں لکھا لگا ہوا ہے کہ 'میں ابًا عن جدٍ حنفی ہوں' اور یہ کتبہ مولانا شاہ نفیس الحسینی صاحب رحمہ اللہ (صاحبِ مکتبہ سید احمد شہید و خانقاہِ سید احمد شہید) نے لکھوا کر لگوایا تھا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ فاروق بھائی کو حضرت سید احمد شہید سے عشق تھا اور اس عشق پر حضرت الأستاذ کو شیخ المجاہدین اور شیخ الأستاذ شیخ احسن عزیز شہید رحمہ اللہ نے مبتلا کیا تھا۔ سید صاحب سے فاروق بھائی کو پھر اتنا لگاؤ ہو گیا کہ حضرت سید بادشاہ ہی کے نام پر فاروق بھائی نے اپنے جہادی مجموعے کا نام 'کتیبہ سید احمد شہید' رکھا۔ فاروق بھائی اکثر سید بادشاہ کی تحریک سے اپنی نسبت کرتے، ان کی تاریخ سے اپنے حال کو جوڑتے، سمجھتے، سمجھاتے، اپنے ساتھیوں کو ان کی سیرت پڑھاتے۔ مرشد ظہیر بھائی نے مجھے بتایا کہ جنوبی وزیرستان کے علاقۂ محسود میں جب مشائخ حضرات کا ہمارے ساتھیوں کے مراکز میں آنا جانا ہوتا تھا تو مشائخ میں سے کسی نے ہمارے حضرات سے ایک دن کسی 'احمد بن عرفان' کا پوچھا، سبھی خاموشی سے مشائخ کو تکتے رہے کوئی احمد بن عرفان کو نہیں جانتا تھا۔ مشائخ ان احمد بن عرفان صاحب کی تعریف کرتے اور تعجب کرتے کہ آپ کیسے برِ صغیر پاک و ہند کے لوگ ہیں جو احمد بن عرفان جیسی شخصیت کو نہیں جانتے۔ ظہیر بھائی کہتے ہیں کہ بعد میں یہ عقدہ وا ہوا کہ سید احمد شہید عالمِ عرب میں احمد بن عرفان کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ سید بادشاہ ایک ایسا موضوع ہیں کہ مجھ جیسا بے بضاعت بھی یہاں ذکر کرنے بیٹھے تو فاروق بھائی کی محفل ایک طرف کو رہ جائے۔

ہمارا مائزر جانا پھر واپس آنا، پھر میرا ریحان بھائی کے ہمراہ لواڑہ جانا پچھلی دو نشستوں میں گزر چکا ہے۔ لواڑہ سے ہم دوبارہ ڈوگہ پہنچے۔ ڈوگہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ فاروق بھائی پھر وہیں تشریف فرما ہیں۔ جب ظہیر بھائی مجھے لاہور سے وزیرستان بھیج رہے تھے تو وہاں ہمیں کچھ ساتھیوں کے ساتھ ایسے معاملات درپیش تھے جن کی تفصیل ظہیر بھائی نے مجھے فاروق بھائی کے سامنے رکھنے کو کہی۔ دونوں ہی معاملات کچھ ساتھیوں سے منسلک تھے اور امنیت کی نسبت سے تھے۔ میں اب کی بار جب فاروق بھائی سے ملا تو اس معاملے پر بات شروع ہوئی۔ فاروق بھائی نے کچھ بات سنی تو کہنے لگے، بھیا جہاں تک امنیات سے متعلق بات ہے تو آپ کو ایسے ساتھیوں سے اپنے آپ کو دور کرنا چاہیے جو اپنا رویہ بار بار بتانے کے باوجود بھی (جان بوجھ کر) نہ بدلتے ہوں تاکہ گڑیں تو وہ خود ہی گڑیں باقیوں کو ساتھ نہ گڑوائیں، باقی میں ان ساتھیوں کے تذکروں کی باتوں سے بہت تنگ ہوتا ہوں، لوگوں کی برائیاں سن کر میری نمازیں خراب ہو جاتی ہیں، اس لیے بس مجھے مزید نہ بتائیں، میران شاہ جا کر فلاں بھائی (فاروق بھائی نے اپنے نائب کا نام لیا) کو بتائیں تاکہ جو ہینڈل کرنا ہے وہ خود ہینڈل کر لیں۔

فاروق بھائی کی پہلی بات یعنی امنیات سے متعلق تو کچھ اچنبھے کی بات نہ تھی، دنیا بھر کا یہی اصول ہے۔ لیکن دوسری بات سن کر میں بہت چونکا بھی اور متاثر بھی ہوا۔ امورِ سیاسی و انتظامی میں عام مشاہدہ و تجربہ ہے کہ انسانوں کی اچھی بری صفات کا ذکر عام طور سے بار بار آتا ہے اور جیسا کہ علمائے کرام نے اس میں صراحت و وضاحت کی ہے یہ غیبت میں شامل نہیں، بلکہ چونکہ اس گفتگو سے مسلمانوں کی ایک بڑی مصلحت خصوصاً ذمہ داریوں کا تقرر وغیرہ مقصود ہوتا ہے تو یہ ایک جائز امر ہے (تفصیل کے لیے علمائے کرام ہی سے رجوع کیا جائے)۔ لیکن فاروق بھائی اب ایسے معاملات سے بھی گزر چکے تھے۔ جیسے مشاہدے و تجربے کی بات پچھلی ہے تو سچ یہی ہے کہ مشاہدہ و تجربہ یہ بھی کہتا ہے کہ ایسی ڈسکشنز جن کا مقصد اگرچہ اصلاح و مصلحت ہوتا ہے، بہر کیف انسان کے دل پر منفی اثرات چھوڑتی ہیں، مکرر، نہ تو میری ایسی حیثیت ہے اور نہ ہی میں یہ کہہ رہا ہوں کہ جس امر کو شریعت نے جواز کے درجے میں بیان کیا ہے اس کو مصلحتِ مسلماناں کی خاطر کرنے والے اچھا نہیں کرتے، میں تو بس ایک وارداتِ قلب بیان کر رہا ہوں۔

ہم یہی بات چیت کر رہے تھے کہ میں نے ہی فاروق بھائی کو بتایا کہ معلوم ہوا ہے کہ فلاں ساتھی نیچے (شہروں کی طرف سے) میران شاہ آئے ہیں۔ یہ سنتے ہی فاروق بھائی کہنے لگے نجانے وہ کیوں آئے ہیں، بہر حال جس لیے بھی آئے ہیں مجھے ان سے ملنے جانا ہے۔ یاد پڑتا ہے کہ فاروق بھائی نے مجھے کہا کہ مخابرے (واکی ٹاکی وائرلیس سیٹ) پر ریحان بھائی یا مولانا صابر صاحب سے رابطہ کروں۔ فاروق بھائی خود امنیت ہی کے سبب مخابرے پر بات نہیں کیا کرتے تھے۔ میں کچھ دیر رابطہ کرتا رہا، لیکن جواب نہیں ملا۔ پھر فاروق بھائی نے مجھے کہا کہ میں آپ کو ایک خط لکھ کر دیتا ہوں، آپ یہ عمران بھائی کو دے دیں۔ عمران بھائی، عمر میں ہمارے والد صاحب یا ان سے بڑے، لیکن میدانِ جہاد کے عرف کے مطابق 'بھائی' ہی تھے (از راہِ مزاح عرض ہے کہ ان کے داماد بھی ان کا بھائی کہہ کر ذکر کر دیا کرتے تھے)، عمران بھائی یعنی میجر عادل عبد القدوس خان۔ فاروق بھائی نے خط لکھا اور میں وہ لے کر عمران بھائی کے گھر کی طرف روانہ ہوا جو شاید دو منٹ پیدل کے فاصلے پر تھا۔ میں نے دروازہ بجایا، عمران بھائی نے دروازہ کھولا، حالانکہ ایک خط ہی تھا اور بس وہ جلدی سے پڑھ کر مجھے وہیں سے جو بھی پیغام دینا ہوتا، دے کر واپس بھیج سکتے تھے، لیکن وہ کمالِ شفقت و اکرام سے مجھے گھر کے اندر اپنی بیٹھک میں لے گئے۔ وہیں جا کر فاروق بھائی کا خط پڑھا، خط پڑھتے جاتے اور اپنے مخصوص دھیمے اور پھر قدرے عیاں انداز سے مسکراتے جاتے اور پھر ان کی مسکراہٹ خوب خوب پھیل گئی۔ خط پڑھ کر مجھے کہنے لگے آپ چلیں میں آتا ہوں تھوڑی دیر میں۔ میں چل پڑا اور جا کر فاروق بھائی کو اطلاع دی۔ فاروق بھائی نے عمران بھائی کے لیے دعائیہ کلمات کہے اور پھر میران شاہ جانے کی تیاری کرنے لگے۔

کچھ دیر میں عمران بھائی آ گئے، فاروق بھائی ان کی بنجو (ٹویوٹا کرولا سٹیشن ویگن، ۹۰ء کی دہائی کا ماڈل) میں آگے بیٹھے اور میں پیچھے، اور ڈوگہ سے میران شاہ جانے کا سفر شروع ہوا۔

نجانے مجھے عمران بھائی کے متعلق پہلے کبھی لکھنے کا کچھ موقع ملا ہے یا نہیں۔ ان شاء اللہ ذرا فرصت سے پچھلی تحریریں کھنگالوں گا، اگر کچھ لکھا ہوا نہ ملا تو ضرور ان کے بارے میں چند سطور لکھوں گا، ان شاء اللہ۔

راستے میں ہم برِّ صغیر کے علماء و داعی حضرات کے مزاج وغیرہ پر گفتگو کرتے رہے اور مختلف طبقات کو کیسے مخاطب کیا جائے، فاروق بھائی یہ نصیحت کرتے رہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۳۴ پر)

خیالات

معین الدین شامی

قلب وذہن میں گزرنے والے چند خیالات: ستمبر ۲۰۲۵ء

تمام تعریفیں، بلا شرکتِ غیرے، اللہ ربّ العالمین کے لیے ہیں جس نے ہم پر فضل و رحمت کا ارادہ فرمایا اور اپنے حبیبؐ کو ہمارے لیے رحمت و مغفرت کی کنجی و دروازہ بنا کر بھیجا، صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ کے احسان کے بعد، یہ آپؐ ہی کی محنتوں کی برکتیں اور فیوض ہیں کہ ہم آج اللہ کا کلمہ پڑھنے والے ہیں۔ الٰہی! اتنی رحمتوں کے بعد اب ہم پر اپنی رحمتیں مزید بھی بڑھادے، آئندہ ہر ثانیے میں اتنی اتنی رحمتیں ہم پر اتار جتنی اس سے قبل کی زندگی میں تُونے ہم پر نازل فرمائیں۔ ہمیں نبی علیہ الصلاۃ والسلام ہی کے راستے پر چلا، ہماری حاجات کو پورا فرما اور خاتمہ بالخیر اہلِ 'صراطِ مستقیم' کی مانند عطا فرما، بصورتِ قتل فی سبیلک، مقبلاً غیر مدبرٍ، آمین!

ہماری فوج کے جہاز

کسی بندۂ خدا نے کہا:

میری بندوق میرے بھائی کے کام نہ آئے، صرف شادی پر ہوائی فائرنگ کے کام آئے تو ایسی بندوق کا کیا فائدہ؟

ہمارے جنگی جہاز کرتب ہی دکھا سکتے ہیں، ان کا غزہ تک پہنچنا...... این خواب است و محال است و جنون!

مدنی مسجد اسلام آباد

اسلام آباد کی انتظامیہ نے مدنی مسجد کو دوبارہ تعمیر کرنے کا معاہدہ کر لیا ہے اور ساتھ ہی دیگر مساجد کو گرانے کی گردش کرتی فہرست کو جعلی قرار دیا ہے۔ اسلام آباد انتظامیہ / ریاست و حکومتِ پاکستان کا یہ اقدام کچھ اسباق لیے ہوئے ہے۔ ہم اہلِ دین اگر تمام اختلافات کو پیٹھ پیچھے پھینک کر متحد ہو کر کسی امر پر ڈٹ جائیں تو سامنے کی جابر حکومتیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جایا کرتی ہیں۔

انتظامیہ و ریاست کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ مدنی مسجد کا معاملہ بھی مسجد امیر حمزہ کی مانند نہ ہو جائے (جس کی شہادت کے بعد اسلام آباد میں تحریکِ لال مسجد اٹھی تھی) اور مدنی مسجد کی بحالی کی حالیہ تحریک، نفاذِ شریعت کی تحریک کا رُوپ نہ دھار لے۔

پس ہم اہلِ ایمان مدنی مسجد کی بحالی پر قانع نہ ہو رہیں، بلکہ یہ ارضِ پاکستان جو ہمارے لیے مسجد کی مانند ہے، اس مسجد کو حقیقی معنوں میں مسجد بنانے کے لیے ڈٹ جائیں۔ پاکستان میں نفاذِ شریعت و اقامتِ دین کرنا ہم اہلِ دین پر واجب ہے۔ اگر ہمارے اہلِ دین متحد ہو کر شریعتِ مطہرہ کے بتائے تمام طریقوں اور احکام کے مطابق وقت کے جابر و بے دین حکمرانوں کے خلاف ڈٹ جائیں تو یہ پاکستان بھی حقیقی معنوں میں مسجد بن سکتا ہے۔ بس ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اہلِ دین پہلے ملک میں نافذ طاغوتی نظام کی حقیقت و اصلیت کو سمجھیں اور پھر اس کے خلاف دامے، درمے، قدمے، سخنے میدانِ عمل میں نکل آئیں۔ نہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا کریں اور نہ اللہ کے دین کی خاطر جانیں دینے سے دریغ کریں۔ اس کے نتیجے میں یہ ملک وہ اسلامی سلطنت بنے گا جس کی خاطر آٹھ دہائیاں قبل ہمارے بزرگوں نے قربانیاں دی تھیں۔

سنوار کا محل

حماس کے ایک ذمہ دار جاسر البرغوثی کہتے ہیں:

میں یحییٰ السنوار کے گھر گیا، اور ہمیں بیٹھنے کے لیے مناسب جگہ نہ مل سکی کیونکہ گھر بہت چھوٹا تھا، حالانکہ وہ ابو ابراہیم تھے، یعنی غزہ حکومت کے تمام وسائل کے نگران۔ جب ہمیں اندر جگہ نہ ملی، تو یحییٰ السنوار نے گھر کی دہلیز میں ایک چٹائی بچھا دی، اور ہم وہیں بیٹھ گئے۔

جب ہم بیٹھے تو میں نے ان سے کہا:

''ابو ابراہیم! آپ حماس کے رہنما ہیں۔ آپ کا گھر، جہاں لوگ آپ سے ملنے آتے ہیں، کشادہ ہونا چاہیے۔''

انہوں نے جواب دیا:

''میرے پاس ایک دفتر ہے جو بہت سے لوگوں کو سمو سکتا ہے۔ یہ گھر قریبی لوگوں کے لیے ہے۔ اور میں ایک اصول پر جیتا ہوں:

'دنیا میں جتنا چھوٹا گھر ہو گا، آخرت میں اتنا ہی بڑا ملے گا'۔''

اے غزہ کے شریر بچو!

(خالد جمعہ کی ایک انگریزی نظم کی آزاد ترجمانی)

کہاں گئے میرے غزہ کے وہ نونہال

میرے وہ بچے جو ہر صبح میری کھڑکی کے نیچے

شور و غل سے ایک آسمان سر پر اٹھا لیتے تھے

جو میرا کوئی گملا

میرا کوئی گلدان توڑتے

اور بھاگ جاتے

میرے وہ بچے جو میری بالکونی میں کھلا واحد پھول توڑ دیتے تھے

کہاں گئے؟

کہاں گئے تم سب؟

میرے غزہ کے شریر بچو، کہاں ہو؟!

اے شریرو!

لوٹ آؤ

جتنا شور مچانا ہے مچاؤ

آؤ میرا یہ گلدان، میرے یہ گملے توڑو

میری بالکونی میں بہت سے پھول کھل کر مرجھا گئے

آؤ، ان پھولوں کو توڑنے کی خاطر آؤ

اے شریرو!

جو بھی کرنا ہے کرو، لیکن......

بس آجاؤ!

اصل بات جنگوں کا بیانیہ (Narrative) ہوا کرتا ہے

جب کہنے والے مقتول پیشہ ور سپاہیوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی ڈھائی سال کی بچی تھی، تو ہم یہ تبصرہ لکھنے والے بھی کوئی بے جان، پتھر دل نہیں۔ ہمارا دل بھی ڈھائی سال کی بچی اور نوزائیدہ بچوں کو دیکھنے جانے والی خبریں سن کر پگھلتے ہیں۔ لیکن......

ایسے پروپیگنڈے کو اپنانے سے پہلے یہ بھی یاد رکھیے کہ جنگ دونوں طرف کے سپاہیوں کا خون پیتی ہے، جنگوں میں مرنا مارنا، قربانیاں دینا کوئی بڑی بات نہیں ہوتی۔

اصل بات جنگوں کا بیانیہ (Narrative) ہوا کرتا ہے۔ کون حق کی خاطر لڑ کر مرتا ہے اور کون باطل کی خاطر مرتا ہے۔

ورنہ چھوٹے چھوٹے بچے بچیاں دونوں طرف کے لوگوں کے ہوتے ہیں۔ سبھی بال بچے دار ہوتے ہیں، کسی کے پاس پروپیگنڈے کے سرکاری وسائل ہوتے ہیں تو وہ ہیرو اور مظلوم ایک ہی وقت میں بن جاتا ہے تو کوئی بے آسرا رہ جاتا ہے۔

بس خدا کی صف کا سپاہی ہو تو کیا ہی شاندار موت ہے چاہے لاشہ گھسیٹا جائے اور فرنٹ لائن اتحادی ہو تو تُف ایسی زندگی پر اور تُف ایسی موت پر!

قطر کس کا اتحادی ہے؟

عرب صحافی سامی الحمدی کے بقول (تین دہائیاں قبل) قریب تھا کہ دولتِ قطر کو سعودی عرب اپنا باج گزار بنا لیتا، جیسے بحرین کو اس نے بنایا۔ اس غلامی سے بچنے کے لیے قطر نے امریکہ کی مدد چاہی اور امریکی مدد کے لیے instant طریقہ اس طوطے سے تعلق بنانے میں تھا جس طوطے میں امریکہ نامی جن کی جان قید تھی، یعنی اسرائیل۔

۹۰ء کی دہائی میں قطر نے اسرائیل کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اسرائیل کے راستے امریکی اتحاد میں داخل ہو گیا کہ ہمیں سعودی عرب سے بچایا جائے ہم براہِ راست آپ کی غلامی کے لیے آمادہ ہیں۔ قطر میں العدید ائیر بیس اسی غلامی کو قبول کرنے کے بعد قائم ہوئی۔

آج قطر اسرائیلی حملے کی مذمت اور معاً ساتھ ہی جو یہ کہہ رہا ہے کہ ہم امریکی اتحاد سے نہیں نکلے، اس میں ہمارے لیے بڑی عبرت ہے۔ اہلِ دین و جہاد جس مصلحت کی خاطر قطر میں ہیں، ان کے لیے نہیں، لیکن جو قطر کو 'اچھا' جانتے ہیں ان کے لیے کسی شاعر نے کہا تھا:

نا بینا جنم لیتی ہے اولاد بھی اس کی
جو نسل دیا کرتی ہی تاوان میں آنکھیں

افغانستان تا شام، کس way of life کی دعوت عالَمِ کفر دے رہا ہے؟

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (سورۃ البقرۃ: ۱۲۰)

”اور کبھی بھی آپ سے یہود اور نصاریٰ راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی نہ کریں۔“

امام ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”المراد ملتهم: طريقتهم ودينهم.“۔ یعنی ملت سے مراد ان کا طریقہ اور دین ہے۔

آج ملتِ کفر کا عقیدہ و طریقہ و دین (دین یعنی طرزِ حیات یا way of life) عموماً گلے میں صلیب لٹکانا اور تحریف شدہ کتابیں پڑھنا اور ان کی پیروی کرنا نہیں ہے۔ آج ملتِ کفر کا طریقہ و دین، جمہوریت، عالمی سرمایہ دارانہ نظام، اقوامِ متحدہ کا تمام انسانوں کو (ایمان و کفر کی تفریق کے بغیر) برابر قرار دینا، جہاد کو غیر قانونی قرار دینا وغیرہ ہے۔ غور کیجیے، یہی طریقہ امریکی ٹرمپ کا بھی ہے، برطانوی سٹارمر اور فرانسیسی میکرون کا بھی، وہ گلے میں صلیبیں نہیں لٹکاتے، ان کی ملت یہی جمہوریت و جدید انظمہ ہیں۔ پس آج اگر کسی ''مسلم'' حکمران سے ملتِ کفر راضی ہے تو اس حکمران سے بھی تقاضا گلے میں صلیب لٹکانا نہیں، بلکہ نیو ورلڈ آرڈر کو ماننا اور اس کا قلب و زبان سے تصدیق و اقرار ہے، جمہوریت پر ایمان ہے، یہی دینِ جدید ہے!

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً

کبھی آپ نے سوچا ہے کہ کسی نے مکان بدلنا ہو، کچھ سفر کرنا ہو، کسی سے ملنا ہو، کوئی وعدہ نبھانا ہو، کوئی چیز بازار سے خریدنی ہو، کسی محبوب کے پاس جانا ہو...... یہ سب لوگوں کی زندگی میں کتنا آسان ہوتا ہے، ایک فون کال کی دوری پر، ایک واٹس ایپ میسج کی دوری پر، بس گاڑی سٹارٹ کیجیے اور پہنچ جائیے۔

لیکن اے اہلِ جہاد!

آپ کی زندگی ایسی نہیں ہے!

آپ نے ان مذکورہ کاموں یا ان کے علاوہ کچھ کرنا ہو تو آپ کو کئی کئی دن صبر کرنا پڑتا ہے۔ کئی کئی ہفتے دعاؤں میں کٹتے ہیں۔ مہینوں مہینوں، سالوں سالوں آپ اپنے پیاروں سے مل نہیں پاتے۔ کیوں!؟ اس لیے کہ آپ نے اہلِ شرف، اہلِ مجد، اہلِ عزیمت کی راہ چنی ہے۔ ان لوگوں کی راہ جن کو قاعدین یعنی بیٹھنے والوں پر اللہ جل جلالہ نے فضیلت بخشی ہے۔ اب رتبۂ بلند ملا ہے تو اس کی محنتیں، اس کی خواریاں، اس کی زحمتیں بھی بڑی ہی ہوں گی۔ اب مالک جل جلالہ کا قرب بھی مشکل راہوں سے، بار بار فلک کو دیکھتی ترستی نگاہوں سے، راتوں کو تہجدوں میں اٹھ اٹھ کر مانگنے سے ملے گا۔ وہ جل جلالہ آپ کا محب بھی ہے اور محبوب بھی، آپ کا قوی و متین رب بھی اور جبار و قہار مولا بھی۔ وہ چاہتا ہے کہ میرا یہ بندہ جس کو میں نے رتبہ دیا ہے میرے سامنے مزید بچھے، مجھ سے مانگے پھر میں اس کو عطا کروں۔

اے سعادت و شہادت کے سفر پر نکلنے والو!

غم نہ کرو!

اک ذرا صبر کہ فریاد کے دن تھوڑے ہیں......

☆☆☆☆☆

بقیہ: آپ ﷺ کے حقوق

(کیونکہ یہ تو وہ جانتا ہی ہے کہ میرے توسط سے تو یہ بات نصیب ہوئی اور اس جاننے کے بعد ممکن نہیں کہ واسطہ سے محبت نہ ہو گو التفات نہ ہو۔ سو امر ضروری محبت ہے نہ کہ التفاتِ دائم۔) اور بعض نے کہا کہ یہ واقعہ ایک انصاری عورت کا سرکار نبوی ﷺ کے ساتھ جاگنے میں پیش آیا تھا۔ لیکن کمال حال یہ ہے کہ جس واسطہ کی طرف اسی واحدِ حقیقی[1] نے التفات کرنے کو اپنی رضا کا ذریعہ فرمایا ہے اس کی طرف التفات کرنے کو ذوق بھی شاغل عن التوحید[2] نہ سمجھے بلکہ مکمل توحید جانے جیسا کوئی اپنے معشوق کے پاس جانا چاہے اور وہ معشوق اپنا ایک مقربِ خاص اس کے پاس بھیج دے کہ اس کو اپنے ہمراہ لے آوے تو مقتضائے عقل یہ ہے کہ جس قدر اپنے محبوب کی مقصودیۃ حقیقیہ اس کے دل میں بسی ہوئی ہو گی اسی قدر ہر قدم پر اس موصل الی المقصود[3] کے قدم و زبان پر اس کی توجہ ہو گی کیونکہ اس میں کمی ہونے سے خود وصول الی المقصود[4] ہی مشکوک ہو جاوے گا۔ جس کو یہ ناگوار اور محبوب بالذات کی مقصودیۃ حقیقیہ کے خلاف سمجھے گا سی طرح جب اس عاشق کو معلوم ہو گا کہ میں جس قدر اس کا اکرام اس محب کی نظر میں ہو گا اس درجہ کا التفات موصل کی حرکت و سکون پر ہو گا۔ اسی طرح حضور ﷺ کی طرف جس قدر التفات[5] ہو وہ عین علامت ہو گی واحد تعالیٰ کے مطلوب و ملتفت الیہ ہونے کی۔ پس دونوں التفاتوں میں تزاحم[6] نہ ہوا بلکہ تلازم[7] ہوا۔ پس اس ذوقی نقص کے رفع کرنے کے لیے درود شریف مشروع ہوا گویا صلوا علیہ و سلموا تسلیما میں حکم ہوا کہ اس واسطہ کی طرف توجہ بالاحترام کرنے سے ہم خوش ہوتے ہیں۔

پس اگر کوئی ہمارا اور ہماری رضا کا طالب ہے تو اس واسطہ کی طرف توجہ بالاحترام کرے اور اس کو اشتغال بالغیر[8] نہ سمجھے کیونکہ اشتغال بالغیر بالمعنیٰ الاعم[9] منافی توحید نہیں بلکہ اشتغال بالغیر بایں معنیٰ کہ وہ غیر حاجب ہو مقصود سے منافی توحید ہے اور جو غیر کہ خود موصل ہو اس کی طرف توجہ کرنا تو لوازم توحید سے ہے کہ بدون اس کے توحید ہی تک وصول نہیں ہوتا۔ وھاتان الحکمتان من سوانح سالف الوقت۔

☆☆☆☆☆

---

[1] اللہ تعالیٰ

[2] توحید سے روکنے والا

[3] مقصود تک پہنچانے والا

[4] مقصود تک پہنچنا

[5] توجہ

[6] ٹکراؤ

[7] ایک دوسرے کے لازم

[8] غیر سے مشغول ہونا

[9] عام معنیٰ کے اعتبار سے

اخباری کالموں کا جائزہ

شاہین صدیقی

[اس تحریر میں مختلف موضوعات پر کالم نگاروں و تجزیہ کاروں کی آراء پیش کی جاتی ہیں۔ ان آراء اور کالم نگاروں و تجزیہ کاروں کے تمام افکار و آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)]

اگست کا مہینہ حالات کے اتار چڑھاؤ، جنگ، سیلاب اور زلزلے کی تباہ کاریاں دکھا کر ختم ہو گیا۔ جہاں سیلاب نے پاکستان میں تباہی مچا دی وہیں زلزلے نے افغانستان کو ہلا ڈالا اور بنگلہ دیش کے بعد اب نیپال میں بھی نوجونوں نے ناانصافی کے نظام کو اٹھا کر پٹخ دیا۔

فلسطین میں بھی غزہ اور مغربی کنارے پر ظلم ہے کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ ہمارا قبلۂ اول مسجد اقصیٰ کی حرمت ہر روز پامال کی جاتی ہے، اور یہ ایک ایسا موضوع ہے جو کسی بھی دوسرے موضوع پر آواز اٹھانے نہیں دیتا۔ ہماری امت کو انتہائی بے دردی سے پوری دنیا کے سامنے ذبح کیا جا رہا ہے اور امت پر مسلط حکمران اس جرم میں دشمن کے ساتھ شریک ہیں۔

ایسے میں ہم سے کسی اور موضوع پر بات ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا اس ماہ کالموں کے جائزے کا موضوع صرف فلسطین ہے!

صحافیوں کا قتل

صحافی کسی بھی ملک کے حالات کو لوگوں تک پہنچانے کا سب سے مصدقہ ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ اور غزہ میں جاری اسرائیلی ظلم و بربریت کو صرف وہاں کے مقامی صحافی ہی اپنی جان پر کھیل کر پوری دنیا کے سامنے لائیں ہیں جہاں غاصب اسرائیل نے حقیقی حالات چھپانے کی لیے باہر سے کسی بھی صحافی کے داخلے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ لہٰذا دو سال سے غزہ پر مسلط اس جنگ میں اسرائیل کے اعلانیہ نشانے پر حماس کے ساتھ وہاں کے وہ تمام بہادر صحافی بھی ہیں جو مسلسل بمباری، بھوک، دربدری اور جان و مال کے نقصان سے بالاتر ہو کر دن رات پوری دنیا کو اسرائیل کے ظلم کی حقیقی شکل دکھا رہے ہیں۔

ان دو سالوں میں اسرائیل غزہ میں ۳۰۰ سے زیادہ صحافیوں کو شہید کر چکا ہے۔ اور جن کو اب تک نشانہ نہیں بنا سکا ان کے خاندان اور گھروں پر حملہ آور ہو کر ان کے گھر والوں کو شہید کر چکا ہے۔ اصل مقصد ان کی آواز کو خاموش کرنا ہے تاکہ اپنے بھیانک جرائم کو دنیا کے سامنے آنے سے روک سکے۔

صرف ایک اگست کے مہینے میں بارہ صحافی شہید ہوئے۔ ”غزہ کی آواز“ کہلانے والے انس الشریف جو پہلے صرف فوٹو جرنلسٹ تھے، اسرائیل کے حملے کے بعد کیمرہ کے سامنے آ کر اہلِ دنیا کے ضمیروں کو جھنجھوڑتے رہے، اور ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اہالیان غزہ پر ٹوٹنے والی بھوک، قحط، بمباری اور مسلسل دربدری کی رپورٹنگ کرتے رہے۔

اس دوران جذبات سے لبریز ہو کر رو بھی پڑتے۔ اور دنیا بھر سے لوگ الجزیرہ اور ان کے سوشل میڈیا اکاونٹ کے ذریعے حالات کی سنگینی سے آگاہ رہتے۔ اس مجاہد صحافی کو اسرائیل کی طرف سے نہ صرف ڈرایا دھمکایا گیا بلکہ رپورٹنگ روکنے کے بدلے خاندان سمیت غزہ سے باہر مراعات دینے کا لالچ بھی دیا گیا۔ لیکن جواب مین انہوں نے صرف یہی کہا: ”غزہ سے صرف جنت کی طرف“ اور آخری سانس تک یہ فریضہ انجام دیتے رہے، بلکہ ان کی شہادت کے بعد آنے والی وصیت بھی دنیا کو جھنجھوڑنے والی تھی۔

یہ صرف انس الشریف ہی نہیں بلکہ غزہ میں رپرٹنگ کرنے والے ہر صحافی کی کہانی ہے جنہیں چن چن کر اسرائیل ختم کر دینا چاہتا ہے۔ اس واقعے کے بعد چند صحافیوں کو ان کے گھروں میں اسرائیل نے نشانہ بنایا، جبکہ دوسرا بڑا حملہ الناصر ہسپتال میں کیا جس میں صحافیوں اور پیرامیڈیکل ٹیم کو ڈبل ٹیپ حملے میں شہید کیا (پہلے ایک دفع ٹارگٹ کیا، جب امدادی کارکنان وہاں مدد کے لیے پہنچے تو دوبارہ اسی جگہ کو نشانہ بنایا)۔ لیکن بہادری اور ڈٹے رہنا فلسطینیوں کے خمیر میں شامل ہے کہ ایک شہید ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اور حتی المقدور دنیا کو حقیقت دکھا رہے ہیں، حالانکہ جو ظلم اسرائیل نے برپا کر رکھا ہے جو میڈیا پر دکھایا جا رہا ہے وہ اس حقیقت کا عشر عشیر بھی نہیں۔

صہیونی غاصب ریاست کے صحافیوں کو ٹارگٹ کر کے قتل کرنے پر چند کالموں سے اقتباسات پیش خدمت ہیں:

Yes, we kill journalists and the world can go to hell | Dr. Mustafa Fetour

”ماضی میں اسرائیلی رہنماؤں نے عالمی رائے عامہ کو کوئی وقعت نہ دینے کا اظہار کیا ہے۔ اس سوچ کو سابق وزیر اعظم اسحاق رابین کے اس مشہور جملے نے اجاگر کیا جس میں اس نے خواہش ظاہر کی تھی کہ ’غزہ سمندر میں ڈوب جائے‘۔ پیغام کو مارنے کے لیے پیغام رساں کو مارنے کی دانستہ مہم، دنیا کو کنٹرول کرنے کی عینک سے دیکھنے کی طویل تاریخ میں، جڑیں رکھتی ہے۔ یہ انفارمیشن جنگ کی ایک نئ قسم ہے۔ تقریباً مکمل انفارمیشن بلیک آؤٹ پیدا کر کے، اور پھر ان چند صحافیوں کو منظم انداز میں ختم کر کے، جو حقیقت کو دستاویزی شکل دے سکتے ہیں، اسرائیل نے ایک ایسا ماحول پیدا کیا ہے جہاں وہ بغیر کسی جواب دہی کے کاروائی کر سکے۔ یہ ایک نپی تلی تباہی کی حکمت عملی ہے، جس کا مقصد دنیا کو تنازع کی اصلی شکل دیکھنے سے محروم رکھنا ہے۔ یہ جنگ

صرف بموں اور ٹینکوں سے نہیں لڑی جا رہی بلکہ آزاد صحافت کو خاموش کرنے کی ایک دانستہ طور پر چلائی گئی، ظالمانہ اور سنگین مہم کی شکل میں بھی لڑی جا رہی ہے، جس کی قیمت انسانی جانوں کے ہولناک ضیاع اور صحافتی دیانت کے شدید زوال کی صورت میں ادا کی جا رہی ہے۔

جب دنیا غزہ میں شہید ہونے والے فلسطینی صحافیوں کا سوگ منا رہی ہے، اسرائیل نے اپنی قاتلانہ پالیسی بلا روک ٹوک جاری رکھی ہوئی ہے۔"

[Middle East Monitor]

Every time Israel kills a Palestinian journalist, we lose a piece of our truth | Ghada Ageel

"یہ قتل محض اتفاقیہ نہیں ہیں۔ غزہ میں صحافی چھتوں اور پہاڑوں پر چڑھ کر معمولی سا سگنل حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تصاویر اپلوڈ کرتے ہیں، حملے کے مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس کی کہانی سناتے ہیں۔ اسرائیلی حملوں نے انہی مقامات، ہسپتالوں، میڈیا دفاتر اور گھروں، کو موت کے پھندے میں تبدیل کر دیا ہے۔ ہر حملہ صرف انفرادی زندگیوں پر ہی نہیں بلکہ گواہی دینے کے عمل پر بھی حملہ ہے۔

یہ نکتہ واضح طور پر اجاگر کیا جانا چاہیے کہ ہدف صرف یہ صحافی نہیں بلکہ خود فلسطینی بیانیہ ہے۔ یہ ثبوت مٹانے کی ایک حکمت عملی ہے۔ ہر خاموش کیے گئے صحافی کا مطلب صرف ایک زندگی کا چھن جانا نہیں ہے بلکہ حقائق کا چھن جانا ہے، سچائی کا ایک ٹکڑا جو گم کر دیا گیا، فلسطینیوں کو تاریخ سے مٹا دینے کی ایک اور کوشش۔

ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزر گیا جب سے فلسطینیوں کو خاموش کرایا جا رہا ہے، ان کی گواہیوں کو رد کیا گیا، ان کے ریکارڈ مٹا دیے گئے، ان کی یادداشتوں پر حملے کیے گئے۔ آج صحافیوں کے قتل کے ذریعے اسرائیل اسی طویل منصوبہ بند جبر کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ فلسطینیوں کو اپنی تاریخ خود بیان کرنے کا حق چھین لینے کی کوشش۔"

[Middle East Eye]

غزہ شہر پر قبضے کا اعلان اور ابو عبیدہ کی شہادت کی افواہ

اسرائیل نے آخری رہ جانے والے غزہ شہر پر قبضہ کرنے کے لیے زمینی آپریشن شروع کر دیا ہے۔ غزہ شہر میں دس لاکھ سے زائد آبادی اور بلند و بالا عمارتیں تھیں۔ صہیونیوں نے ان عمارتوں کو زمین بوس کر دیا اور وہاں کے لوگوں کو جنوب کی طرف چلے جانے کا کہا، جہاں پہلے ہی لاکھوں لوگوں نے پناہ لی رکھی ہے۔ شیطان نیتن یاہو اور اس کے وزراء بار بار غزہ پر مکمل قبضہ اور غزہ سے فلسطینیوں کے مکمل خاتمے کے مذموم عزائم کا اعلان کر رہے ہیں۔ ایسے میں مسلم حکمرانوں کی بے حسی اور ۳۰ اگست کو حماس کے ترجمان اور دنیا کے کروڑوں لوگوں کے لیے عزم و ہمت اور امید و حوصلے کی ایک کرن، ابو عبیدہ کو شہید کرنے کا اسرائیلی اعلان تکلیف و مایوسی پھیلانے کا سبب بنا، لیکن ایسے جھوٹ اسرائیل پہلے بھی بولتا رہا ہے اور حماس نے ایسی کسی خبر کی تصدیق نہیں کی۔ اس بنیاد پر بہت حوصلہ ملا، ابو عبیدہ جن کا چہرہ چھپا رہا، لیکن جب وہ اپنی انگلی سے اشارہ کر کے دشمن کو للکارتے ہیں تو دشمن کے دل بھی لرز جاتے ہیں۔ اللہ انہیں اپنی امان میں رکھے اور دشمن پر قہر بن کر وہ برستے رہیں۔ (آمین) اور اگر وہ اب ہم میں نہیں ہیں تو انہیں عظیم شہداء میں قبول فرمائے اور ان کا بہترین نعم البدل عطاء فرمائے جو دشمن پر قہر بن کر ٹوٹے۔

اپنی ایک پرانی تقریر میں ابو عبیدہ کہتے ہیں:

"اگر اسرائیل یہ اعلان کرے کہ ابو عبیدہ شہید ہو گیا ہے، تو جان لو کہ میں نے اپنی زندگی فلسطین کی اور اپنے لوگوں کی آزادی کے لیے قربان کر دی۔ ہر شہادت ہماری مزاحمت کو مضبوط کرتی ہے، اور ہمارا جہاد جاری رہے گا۔ اسرائیل جھوٹ بولتا ہے تاکہ ہمارے حوصلے توڑ سکے لیکن ہمارا ایمان اور صمود (استقامت) ان کے پروپیگنڈے سے بڑا ہے۔"

گلوبل صمود فلوٹیلا

جیسا کہ قارئین کے علم میں ہو گا کہ ان دو سالوں میں فریڈم فلوٹیلا کی تحریک (امدادی کشتیوں پر مشتمل قافلہ) غزہ پر مسلط کیا گیا ناجائز حصار توڑنے کے لیے دو دفعہ کوشش کر چکی ہے۔ لیکن دونوں دفعہ صہیونی غاصب فوج نے غزہ کے ساحل پر پہنچنے سے پہلے ہی انہیں گرفتار کر لیا اور امدادی سامان ضبط کر لیا۔ لیکن اس مرتبہ "گلوبل صمود فلوٹیلا" کے نام سے کشتیوں کا ایک قافلہ غزہ کی جانب رواں دواں ہے جس میں ۴۵ ممالک سے سینکڑوں سماجی کارکن اور غزہ میں جاری اسرائیلی نسل کشی کو روکنے اور غزہ کے لوگوں تک امداد، غذا، ادویات اور بے بی فارمولا پہنچانے اور ناجائز اسرائیلی محاصرہ توڑنے کے لیے نکلے ہیں۔ یہ تمام لوگ اسی لیے نکلے کیونکہ ان کی حکومتیں بھی اس جرم میں برابر کی شریک ہیں، لیکن ان کے ضمیر نے یہ نہ گوارا کیا کہ غزہ تباہ ہوتا رہے اور دنیا والے تماشہ دیکھتے رہیں۔

بھوک اور قحط کے بدترین دنوں میں جبکہ عالمی طاقتیں بھی دشمن کے ساتھ کھڑی ہیں اور امت پر مسلط حکمرانوں نے بھی آنکھیں پھیر رکھی ہیں، جیسا کہ شیر امت ابو عبیدہ نے اپنی تقریر میں کہا:

"کیا ایک عظیم اور شاندار امت غزہ میں بھوک سے مرنے والوں کے لیے خوراک، دوا اور پانی نہیں پہنچا سکتی؟ کیا تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی حمایت نہیں کر سکتے؟ تمہاری خاموشی ہمارے خون کی ذمہ دار ہے اور تم قیامت کے دن جواب دہ ہو گے۔ اے امت مسلمہ اب وقت آ گیا ہے کہ تم حرکت میں آؤ، محاصرہ توڑو اور فلسطین کی آزادی کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔"

محاصرہ توڑنے کے مشن سے نکلے اس قافلے سے جہاں غزہ کے مکینوں کو بہت امیدیں وابستہ ہیں وہیں فلسطینیوں کا درد رکھنے والے ہر شخص کی نظریں اور دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ اسی موضوع پر ذیل میں چند کالموں سے اقتباس نکال کر پیش کیے گئے ہیں:

قافلۂ عزم وہمّت سلامت رہے | ذوالفقار احمد چیمہ

”پاکستانی قوم بھی دوسروں کی طرح بلکہ کچھ زیادہ ہی بے حسی کا شکار رہی ہے۔ ان حالات میں مظلومینِ غزہ کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کرنے اور ان کے لیے خوراک اور ادویات لے کر جانے والا عالمی صمود فلوٹیلا (صمود کا مطلب استقامت ہے اور فلوٹیلا کشتیوں کے قافلے کو کہتے ہیں) جو ستّر کشتیوں پر مشتمل ہے، موسمی خطرات اور اسرائیلی حملوں سے بے پرواہ ہو کر غزہ کی جانب رواں دواں ہے۔ بلاشبہ یہ کاروانِ عزم وہمّت امید اور حوصلے کا وہ چراغ ہے جس کی کرنیں پوری دنیا کو یہ پیغام دے رہی ہیں کہ بے حسی اور مفاد پرستی کے اس دور میں بھی انسانیت زندہ ہے۔

اس کاروانِ استقلال میں ۴۵ ملکوں کے افراد شامل ہیں جو زیادہ تر غیر مسلم ہیں۔ پاکستانی وفد کی قیادت سابق سینیٹر مشتاق احمد صاحب کر رہے ہیں جو بلاشبہ پوری قوم کی تحسین اور دعاؤں کے مستحق ہیں۔ یہ قافلۂ عزم و استقلال غزہ کا محاصرہ توڑ کر مظلومین تک پہنچنے کی کوشش کرے گا تاکہ انہیں خوراک اور ادویات پہنچا سکے۔ ایسے قافلے تب سمندر میں اترتے ہیں جب حکمران بے حس ہوں اور اپنی ذمے داریوں سے غافل ہو جائیں۔ یہ معلوم نہیں کہ انسانیت کے بے لوث خیر خواہوں کا یہ قافلہ منزل تک پہنچ پاتا ہے یا نہیں (یہ بھی خبر ہے کہ قیادت کرنے والی کشتی پر اسرائیل نے ڈرون سے حملہ کیا ہے) مگر اس نے دنیا کے سوئے ہوئے ضمیر پر دستک ضرور دی ہے اور گہری بے حسی کے اندھیروں میں انسانی ہمدردی کا چراغ روشن کر دیا ہے۔

اس فلوٹیلا نے ایسی اذان بلند کی ہے جس نے دنیا کے بڑے بڑے ایوانوں کے در و دیوار ہلا دیے ہیں۔ دنیا بھر میں رنگ، نسل، علاقے اور مذہب سے بالاتر ہو کر گلوبل صمود فلوٹیلا کی سلامتی اور کامیابی کی دعائیں کی جا رہی ہیں۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا فرض ہے کہ انسانیت کے ناطے اس قافلے کی سکیورٹی کو یقینی بنائے اور انھیں بھوک اور بیماری سے مرتے ہوئے انسانوں تک پہنچنے میں مدد کرے تاکہ وہ روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کے منتظر انسانوں تک خوراک اور دوائیں پہنچا سکیں۔“

[روزنامہ ایکسپریس]

صمود فلوٹیلا: غزہ کے لیے سفرِ حیات وممات | میر بابر مشتاق

”اٹلی کی بندرگاہی مزدور یونین (USB) اور یورپ کی دیگر یونینز نے دوٹوک اعلان کیا ہے کہ اگر ہمارے جہازوں کو روکا گیا یا ان سے رابطہ منقطع ہوا تو پورے یورپ کی بندرگاہیں بند کر دی جائیں گی۔ ایک کیل بھی اسرائیل نہیں جائے گا! یہ اعلان بتاتا ہے کہ یورپی مزدور طبقہ بھی فلسطینی عوام کے ساتھ کھڑا ہے۔

یہ قافلہ صرف جذبات پر نہیں نکلا۔ تیونس میں شرکاء کو کئی دن خصوصی تربیت دی گئی۔ انہیں موسم کی شدت، کشتی ڈوبنے کی صورت، اسرائیلی حملے کی کیفیت، گرفتاری کی صورت میں رویے اور قانونی پہلوؤں سے آگاہ کیا گیا۔ حتیٰ کہ یہ ہدایت دی گئی کہ کوئی ایسا کاغذ نہ سائن کریں جو اپنی زبان میں نہ ہو، کیونکہ اسرائیل اسے بطور اعتراف استعمال کر سکتا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ یہ تحریک باشعور، بامقصد اور منظم ہے۔ ہمارے لیے باعثِ فخر ہے کہ اس قافلے میں پاکستان کی نمائندگی بھی موجود ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ بطورِ ریاست پاکستان کہاں کھڑا ہے؟ جس ملک کی بنیاد ”لا الہ الا اللہ“ پر رکھی گئی، اس کی حکومتیں فلسطین کے لیے عملی اقدام سے قاصر کیوں ہیں؟ اگر غیر مسلم اپنی جان خطرے میں ڈال سکتے ہیں تو امتِ مسلمہ کی حکومتیں کیوں خاموش ہیں؟ یہ لمحہ ہمیں جھنجھوڑتا ہے کہ کیا ہم صرف بحثوں اور سوشل میڈیا پر نعرے بازی کے لیے زندہ ہیں یا عملی قدم اٹھانے کے لیے بھی تیار ہیں۔

قرآن ہمیں یاد دلاتا ہے:

”تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے جنگ نہیں کرتے؟“ (النساء: ۷۵)

یہ آیت آج بھی ہم سے سوال کرتی ہے: تم کیوں خاموش ہو؟ اگر غیر مسلم اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہیں تو تمہارا ایمان تمہیں کیا سکھاتا ہے؟ صمود فلوٹیلا محض کشتیوں کا قافلہ نہیں، بلکہ ایک پیغام ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ ظلم کے اندھیروں میں بھی کچھ چراغ جلتے رہتے ہیں۔ چاہے یہ قافلہ غزہ پہنچے یا نہ پہنچے، چاہے اسے روکا جائے یا شہادت کا نشان بنے، اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسانیت اب بھی زندہ ہے، اور فلسطین کی داستان مزاحمت ابھی ختم نہیں ہوئی۔ یہ قافلہ دنیا کو یاد دلا رہا ہے کہ مظلوموں کے ساتھ کھڑا ہونا ہی اصل انسانیت ہے۔ اور یہ اعلان ہے کہ فلسطین کی مزاحمت ایک دن ضرور فتح میں بدلے گی۔“

[روزنامہ جسارت]

اسرائیل مغربی کنارہ ہڑپ کر رہا ہے

دو سال سے مغربی کنارے میں غیر قانونی آبادکاروں کی جانب سے قابض صہیونی فوج کی سرپرستی میں زبردستی فلسطینیوں کی املاک اور زمینوں سے انہیں بے دخل کر کے ان پر قبضہ کرنے کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ دوسری طرف ان دو سالوں میں بالخصوص مغربی کنارے پر آباد فلسطنیوں کے کیمپ جنین اور طولکرم سے بھی ۴۰ ہزار سے زائد فلسطینیوں کو نہ صرف بے دخل کر دیا گیا بلکہ وہاں سے مجاہدین کی مزاحمت کو ختم کرنے کے

لیے بڑے پیمانے پر آپریشن اب تک چل رہے ہیں اور انہی آپریشنز کی آڑ میں وہاں کا انفراسٹرکچر بھی بڑے پیمانے پر تباہ کر دیا گیا ہے۔

اور اس وقت وہاں کی اہم پیش رفت صہیونی غنڈے نیتن یاہو کی طرف سے ناجائز اور غیر قانونی اسرائیلی آبادکاری کے منصوبے پر دستخط ہیں۔ یہ منصوبہ ای ون (E-1A) کہلاتا ہے۔ یہ منصوبہ ۹۰ء کی دہائی میں پیش کیا گیا لیکن بین الاقوامی مخالفت کی وجہ سے روبہ عمل نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ سابق امریکی صدر بائیڈن نے بھی اس منصوبے کا لاگو کرنے کی مخالفت کی۔ لیکن ٹرمپ نے چونکہ اسرائیل کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے لہٰذا ۱۱ ستمبر کو نیتن یاہو نے اس منصوبے پر دستخط کر کے اعلانیہ کہا:

"We are going to fulfil our promise that there will be no Palestinian state. This place belongs to us."

"ہم اپنا وعدہ پورا کرنے جا رہے ہیں کہ کوئی فلسطینی ریاست نہیں ہو گی۔ یہ جگہ ہماری ہے۔"

جبکہ شدت پسند صہیونی وزیر سموٹرخ نے کہا:

"This reality finally buries the idea of a Palestinian state because there is nothing to recognize and no one to recognize".

"یہ حقیقت بالآخر فلسطینی ریاست کے تصور کو دفن کر دیتی ہے، کیونکہ تو تسلیم کرنے کے لیے کچھ ہے اور نہ ہی کوئی تسلیم کرنے والا ہے۔"

E-1 منصوبہ کیا ہے؟

E-1 یا ایسٹ ون منصوبہ فلسطینیوں کی سرزمین ہتھیا کر ایک ایسی غیر قانونی صہیونی بستی تعمیر کرنے کا منصوبہ جو ایک آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کو ہی ناممکن بنا دے گی۔ یہ غیر قانونی بستی مغربی کنارہ کو شمال اور جنوب کے دو حصوں میں بانٹ دے گی اور مشرقی بیت المقدس کو فلسطینی علاقوں سے کاٹ کر یہودی بستیوں سے جوڑ دے گی اور مشرقی بیت المقدس سے مغربی کنارے کو الگ کر کے علاقائی تسلسل توڑ دے گی۔ یہ منصوبہ رام اللہ، بیت المقدس اور بیت لحم کو ملانے والی زمین کے آخری باقی ماندہ حصے کو بھی خطرے میں ڈالتا ہے، جہاں تقریباً دس لاکھ فلسطینی رہتے ہیں۔

۱۲ مربع کلومیٹر پر محیط یہ منصوبہ ایک ایسی ناجائز اور غیر قانونی بستی ہو گی جو ایک طرف پہلے سے موجود غیر قانونی بستی 'معالے ادومیم'[1] Ma'ale Adumim سے جا کر جڑتی ہے دوسری طرف مشرقی بیت المقدس سے۔ اس منصوبے کی تحت تین ہزار چار سو نئے گھروں کی تعمیر شامل ہے۔ یہ علاقہ فلسطینیوں کے لیے بہت اہم ہے کیونکہ یہ مشرقی بیت المقدس کو مغربی کنارے سے جوڑتا ہے۔ نئی غیر قانونی یہودی بستیاں بننے کے بعد یہ مشرقی بیت المقدس کو مغربی کنارے سے الگ کر دے گا۔ جبکہ خود مغربی کنارے کو شمال اور جنوب کے دو حصوں میں تقسیم کر دے گا۔

اس طرح ایک آزاد فلسطینی ریاست کا قیام، جس کا اقوام متحدہ اور فلسطینی اتھارٹی مطالبہ کر رہے ہیں، نہ صرف ناممکن ہو جائے گا بلکہ اس طرح فلسطینیوں کی آبادیوں کو ٹکڑیوں میں بانٹ کر ان کی نقل و حرکت اور آمد و رفت کو بھی مزید کنٹرول کیا جا سکے گا۔

یوں تو ابھی بھی فلسطینیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے سینکڑوں چیک پوسٹوں اور تذلیل آمیز رویے کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن اس طرح اہم اور بنیادی گزرگاہوں کو صرف صہیونیوں کے لیے مخصوص کر دیا جائے گا اور باڑ اور دیوار بنا کر فلسطینیوں کو ان کے اپنے ہی علاقے میں قید کر دیا جائے گا۔ اسی لیے تمام متشدد صہیونی خوشیاں منا رہے ہیں کہ یہ منصوبہ "گریٹر اسرائیل" کے قیام کی طرف ایک اہم قدم ہے۔

صہیونی جس بے شرمی اور غنڈہ گردی سے فلسطینی زمین اور املاک پر قبضہ کر رہے ہیں اس کی مثال نہیں ملتی، اور مسلمان ممالک صرف زبانی بیان بازی اور قرار دادیں منظور کرنے سے آگے نہیں نکل رہیں۔ وسعت اللہ خان اس موضوع پر رقمطراز ہیں:

قانوناً حرام بستیوں کو حلال کرنے کا راستہ | وسعت اللہ خان

"بی بی سی کے ایک سینیر ایڈیٹر جیرمی بووین صحافتی زندگی کا بیشتر حصہ مشرقِ وسطیٰ میں گزار چکے ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں آنکھوں دیکھی (عینی شہادت) کے لیے مقبوضہ علاقے میں چند دن گزارے اور آبادکاروں سے ملاقات کی۔ جیرمی کے مطابق مغربی کنارے پر ایک مسلح جتھے 'ہل ٹاپ یوتھ' کے سرخیل مائر سمچا کے بقول:

'کل (یعنی اکتوبر ۲۰۲۳ء) سے آج تک حالات بہت بدل گئے ہیں۔ اب ہم اس خوف کے بغیر پورے علاقے میں جب اور جہاں چاہیں گھوم سکتے ہیں کہ کوئی ہم پر حملہ کر دے گا۔ اگرچہ دوسری جانب (فلسطینی) تھوڑی بہت مزاحمت ضرور ہے مگر دشمن آہستہ آہستہ سمجھ چکا ہے کہ اب اس کا یہاں کوئی مستقبل نہیں۔ چنانچہ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ دنیا اس چھوٹے سے گروہ (فلسطینی) کے درد میں اب تک کیوں مبتلا ہے۔'

......اس وقت مغربی کنارے اور مشرقی یروشلم میں سات لاکھ آبادکار ہیں۔ ۱۹۶۷ء سے ۹۱ء تک جتنی یہودی بستیاں اس زمین پر تعمیر کی گئیں ان سے دوگنی گزشتہ چونتیس برس میں ابھر آئی ہیں۔ اس پورے خطے کی شکل تیزی سے بدل رہی ہے۔ فلسطینیوں کی زمینوں میں سے دورویہ باڑھ والی سڑکیں گزار کے انہیں ایک

[1] معالے ادومیم ۵۸ مربع کلومیٹر پر پھیلی صہیونیوں کی غیر قانونی و ناجائز بستی ہے جو مشرقی بیت المقدس کے نزدیک ہے اور وہاں ۴۷،۵۰۰ سے زیادہ صہیونی آبادکار رہتے ہیں۔

دوسرے سے الگ تھلگ کر دیا گیا ہے۔ کئی آبادکار بستیاں قصبوں کا روپ دھار چکی ہیں۔

ان بستیوں کی تعمیر یا فلسطینیوں کی املاک بلڈوز کرنے کے کام سے پیدا ہونے والا ملبہ فلسطینیوں کی بچی کھچی زمینوں پر پھینک دیا جاتا ہے۔ زمین کا مالک خصوصی اجازت نامے کے بغیر اپنے ہی کھیت میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ اکثر یہ اجازت نامہ سال میں ایک بار تب جاری ہوتا ہے جب بوائی یا کٹائی کا موسم گزر جائے۔ بڑی بڑی شاہراہوں کے اطراف جو باغات یا کھیت ہیں ان میں فلسطینی کسانوں کو سکیورٹی خدشات کے سبب داخلے کی قطعاً اجازت نہیں۔

گزشتہ ہفتے میں رملہ کے قریب المغیر گاؤں کی ملکیت زیتون کے تین ہزار درخت اسرائیلی فوج نے یہ کہہ کر کاٹ دیے کہ ان درختوں کی آڑ لے کر سامنے کی یہودی بستی پر حملہ ہو سکتا ہے۔

اسرائیلی فوج اور پولیس کے سائے میں مسلح یہودی آبادکار جس بستی، قصبے، کھیت اور باغ میں جب چاہیں گھس سکتے ہیں، سامان اور فصل لوٹ سکتے ہیں اور آگ بھی لگا سکتے ہیں۔ کسی فلسطینی کسان کو قتل کر دیں تو گرفتاری کے بعد ہفتے بھر میں ضمانت ہو جاتی ہے۔ تاہم کوئی فلسطینی پتھر اٹھالے تو اسے خصوصی قانون کے تحت چھ ماہ بنا فردِ جرم جیل میں رکھا جا سکتا ہے اور چھ ماہ کی اس مدت میں عدالتیں توسیع کا بھی اختیار رکھتی ہیں۔ یعنی قانون کے انجیر پتے (فگ لیف) کی آڑ میں کوئی بھی فلسطینی بچہ، مرد، عورت، ضعیف غیر معینہ مدت تک قید میں رکھا جا سکتا ہے۔"

[روزنامہ ایکسپریس]

اسرائیل کا قطر کی سرزمین پر حماس کے رہنماؤں پر حملہ

یہ حملہ دراصل حماس کی قیادت کو نشانہ بنا کر ختم کرنے کے لیے تھا۔ لیکن قطر جو اسرائیل اور حماس کے درمیان ثالث کا کردار ادا کر رہا ہے، اور امریکہ کا ایک بہت قریبی اور اہم اتحادی ہے، براہ راست اس کے دار الحکومت میں حملے نے قطر اور خطے کے تمام ملکوں کے ایک دفعہ ہوش اڑا دیے۔

اس حملے میں جہاں خطے کے ان تمام ممالک کا زعم ٹوٹا کہ امریکہ کی پناہ میں ہوتے ہوئے انہیں اسرائیل نشانہ بنانے کی جرات نہیں کرے گا، وہیں اس نکتہ کو بھی تقویت ملی کہ صرف فلسطین ہی نہیں بلکہ اسرائیل کے شر سے خطے کا کوئی ملک بھی محفوظ نہیں اور اسرائیل اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے کہیں بھی اور کسی پر بھی حملہ کر سکتا ہے اور اسے اس متعلق امریکہ کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔

یوں تو امریکہ نے قطر کو یقین دہانی کروائی ہے کہ دوبارہ ان کی سرزمین پر حملہ نہیں ہو گا۔ لیکن قطر نے اسلامی کانفرنس کی تنظیم (OIC) اور عرب لیگ کے ممالک پر مشتمل ایک ہنگامی اجلاس بلایا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب یہ ممالک مل کر کس حد تک اسرائیل کے خلاف جا سکتے ہیں۔ حالانکہ انہیں بہت اچھا موقع ملا ہے اسرائیل کو سخت جوابی حملے کا کہ جس سے اس کے عزائم کو لگام ڈالی جا سکے۔ لیکن اب تک کے حالات یہی بتاتے ہیں کہ سوائے زبانی کلامی تنقید و مخالفت کے اس اجلاس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ یہ موضوع صحافیوں میں بھی زیر بحث ہے۔ چند اقتباس ملاحظہ کریں:

قطر پر اسرائیلی حملہ | قاسم جلال

"قطر پر حملے سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ امریکہ ناقابل اعتبار ہے۔ امت مسلمہ کے حکمرانوں میں معمولی شرم غیرت اور حمیت باقی ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ اس جارحیت پر خاموش نہ رہیں اور عالمی غنڈے کو اچھی طرح سے سبق سکھایا جائے۔ ورنہ ان سب کا حشر اور انجام قطر سے مختلف نہیں ہو گا۔ غزہ کے مظلوم بچوں خواتین اور ہزاروں شہداء کی بد دعائیں انہیں نشان عبرت بنا دیں گی۔"

[روزنامہ جسارت]

With the Doha strike, Netanyahu has declared war on the world | Belén Fernández

"اسرائیلی وزیر اعظم بنجمن نیتن یاہو نے دریں اثنا قطر کو واضح طور پر دھمکی دی ہے، یہ اشارہ دیتے ہوئے کہ یہ آخری بار نہیں ہو گا کہ یہ امارت اسرائیلی میزائلوں کا سامنا کرے گی:

'میں قطر اور تمام ان ملکوں سے کہتا ہوں جو دہشت گردوں کو پناہ دیتے ہیں، تم یا تو انہیں نکال دو یا انہیں انصاف کے کٹہرے میں لاؤ، کیونکہ اگر تم نے ایسا نہیں کیا، تو ہم کریں گے۔'

ہمیشہ کی طرح، اس وقت علاقائی دہشت گردی پر اجارہ داری رکھنے والے ملک نے، اس کے علاوہ تقریباً آٹھ دہائیوں سے فلسطینیوں کی نسل کشی، بے دخلی اور قتل عام سے قطع نظر، اپنی مرضی سے یہ فیصلہ لینے کی آزادی حاصل کی ہے کہ 'دہشت گردوں' کا کردار کس کو تفویض کیا جائے اور پھر حملہ کیا جائے۔

اسرائیل کی طرف سے 'دہشت گردی' کی بالکل جھوٹی تعریف کو مد نظر رکھتے ہوئے، صرف قطر ہی کو فکر مند نہیں ہونا چاہیے، جیسا کہ نیتن یاہو نے خود کہا، 'تمام وہ ممالک جو دہشت گردوں کو پناہ دیتے ہیں'، اسرائیل کے 'انصاف' کے ورژن کے اہل ہیں، جو بالآخر جنگی جرائم اور عالمی قوانین کی بے تحاشہ خلاف ورزیوں پر منتج ہوتا ہے۔

......اب یہ کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ اسرائیل کے 'لمبے ہاتھ' سے کون محفوظ رہ سکتا ہے، لیکن امکانات بہت کم ہیں۔ کئی دہائیاں قبل، اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنسی موساد

نے یورپی سرزمین میں پوری سہولت کے ساتھ فلسطینیوں کو قتل کرنے کا مظاہرہ کیا تھا، اور اب جبکہ غزہ میں نسل کشی جاری ہے، جتنا زیادہ 'دہشت گردوں' کو بیرون ملک تلاش کیا جاسکے، اتنا ہی اسرائیل کے لیے اس کی خون آلود کارروائیوں سے توجہ ہٹانے اور انہیں جائز قرار دینے کے لیے بہتر ہے۔

اسرائیل فی الحال جو مکمل استثنیٰ اسے حاصل ہے، اور جو وہ اپنی مرضی سے تباہی مچانے کی اپنی صلاحیت پر فخر کر سکتا ہے۔ لیکن ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ اس 'لمبے ہاتھ' کے پاس اور کون سے شیطانی حربے باقی ہیں۔ نیتن یاہو کی دنیا کے خلاف جنگ کے اس مؤثر اعلان کو کم از کم ان لوگوں کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہونا چاہیے جو ابھی بھی اسرائیلی 'انصاف' کے مہلک تضاد سے متاثر ہیں۔"

[Al Jazeera English]

موجودہ حالات میں جبکہ ظلم وبربریت ہر طرف نظر آتی ہے، فلسطین خصوصاً غزہ میں جس قدر تکلیف دہ حالات ہیں، پھر جب ظلم کے اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں امید کی کرن بھی نظر نہ آئے تو دل بیٹھنے لگتا ہے اور مایوسی سی ہونے لگتی ہے اور احساس جرم بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ایسے میں اللہ کی مدد ونصرت کی ایک جھلک بھی ایمان کو تقویت دینے کے لیے اور عمل پر ابھارنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ کیونکہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور اللہ اپنے بندوں کو تنہا نہیں چھوڑتا۔

انہیں تکلیف دہ خبروں کے دوران یہ خبر بھی نظر سے گزری کہ دشمن کی صفوں میں کس قدر مایوسی، خوف اور بزدلی پھیل رہی ہے کہ ڈھائی سو سے زائد ریزرو فوجیوں نے نیتن یاہو کی جنگ میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ یہ اس قدر بزدل فوج ہے کہ صرف نہتے بچوں اور عورتوں پر گولیاں برسا سکتے ہیں، قیدیوں پر ہر طرح کا تشدد روا رکھ سکتے ہیں لیکن بے سرو سامان نہتے مجاہدین کا سامنا نہیں کر سکتے۔

اسرائیلی وزارت دفاع نے حالیہ اعداد وشمار جاری کیے ہیں جن کے مطابق اب تک بیس ہزار سے زائد فوجی زخمی ہوئے ہیں۔ جن میں:

- ۵۶ فیصد کو PTSD یا دیگر ذہنی امراض لاحق ہوئے،
- ۴۵ فیصد فوجیوں کو جسمانی زخم لگے ہیں جبکہ ۲۰ فیصد فوجی جسمانی زخم اور ذہنی امراض، دونوں حالتوں سے نبرد آزما ہیں،
- کم از کم ۹۹ فوجیوں کو اعضاء کاٹنے کے بعد مصنوعی اعضاء کی ضرورت پڑی اور ۱۶ فوجی مفلوج ہوئے
- ان میں سے چھپن فوجی کو جزوی معزور، جبکہ ۲۴ کو مکمل معزور قرار دیا گیا ہے۔
- ان بیس ہزار کیسز میں ۶۴ فیصد ریزرو فوجی تھے، اور ہر ماہ تقریباً ایک ہزار (۱۰۰۰) نئے زخمی فوجیوں کا علاج کیا جا رہا ہے۔
- اب تک ۶،۲۳۶ (چھ ہزار دو سو چھتیس) فوجی جہنم واصل ہوئے ہیں۔

یہ اعداد وشمار خود صہیونی حکومت کے جاری کردہ ہیں اور ظاہر ہے انتہا درجے کم کر کے دکھائے گئے ہیں۔ ذرا اندازہ کریں کہ یہ اعداد وشمار حقیقت میں کتنے ہوں گے۔ مزید براں صہیونی فوجیوں میں خودکشی کی شرح میں بھی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔

لہٰذا اللہ کی مدد تو فلسطینیوں کے شامل حال ہے۔ البتہ ہم جو دین وجہاد کے علمبردار ہیں ہمیں اور باقی امت مسلمہ کو اللہ کے حضور اپنی جوابدہی کی فکر کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس لشکر میں شامل کر لے جو قبلۂ اول کی حفاظت اور فلسطینیوں کو آزادی دلائے۔ (آمین)

وإنه لجهاد نصر أو استشهاد

☆☆☆☆☆

بقیہ: کفار کا معاشی بائیکاٹ

صابن، چاہے ذاتی استعمال کا یا کپڑے دھونے والا، مقامی طور پر تیار کردہ جانوروں کی چربی یا تیل کے ذریعے تیار کیے جاسکتے ہیں۔ خوشبوئیں پھولوں اور پودوں کو جمع کر کے گھریلو کشید کے برتنوں میں تیار کیا جاسکتا ہے۔ غذائی اور طبی پودے گھر کے اندر بھی اور باغیچے میں بھی اگائے جاسکتے ہیں۔ خواتین کی ایک بڑی تعداد سلائی کڑھائی کے کام میں خوشی محسوس کرتی ہیں۔

صحت مند اور مضبوط ازدواجی زندگی میں خواتین گھروں کے اندر بے شمار اہم ذمہ داریاں ادا کرتی ہیں۔ جن میں تعلیم وتربیت، ذہنی سکون اور معاونت، طبی نگہداشت، صفائی ستھرائی، زیبائش اور حفظانِ صحت شامل ہیں۔ یہ سب صہیونیوں کے زیر قبضہ قومی کرنسیوں کی ضرورت کو کم کرتا ہے۔ جتنا زیادہ عورتیں گھروں سے باہر کام کریں گی، اتنا ہی ان ضروریات کے لیے قومی کرنسی پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

گھروں میں تیار کردہ اشیاء کے بائیکاٹ کی ضرورت سے واقف مسلمانوں کے مابین قائم کردہ نظام کے اندر باہمی تبادلہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ جتنا زیادہ یہ سلسلہ مضبوط ہو گا، اتنا ہی یہ صہیونیت زدہ کمپنیوں کے مقابلے میں مؤثر اور قابلِ عمل ہو تا جائے گا۔

قومی کرنسی پر انحصار کم کرنے کے ساتھ ساتھ گھریلو پیداوار اس پریشانی کو بھی دور کر دیتی ہے کہ بار بار یہ تحقیق کی جائے کہ کہیں فلاں کمپنی صہیونیوں یا امریکیوں سے منسلک تو نہیں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

ہر گز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

نجانے کیا ہوا کہ تمام مظاہرِ فطرت نے ہمارے خلاف ایکہ کر لیا۔ مون سون بارشوں کے عنوان سے پے در پے حملے سمندروں سے چل پڑے۔ خلیج بنگال اور بحیرۂ عرب ہم سے دشمنی پر اتر آئے۔ مہینوں کی بارش چند گھنٹوں میں دیوانی غضبناک لہروں میں ڈھل کر سڑکوں کا حوصلہ آزمانے لگی۔ نکاسیٔ آب سے بے غم انتظامیہ، الل ٹپ تعمیرات، بلا منصوبہ بندی۔ پہلے بارش، بارانِ رحمت، لگے بندھے طے شدہ موسم تھے۔ اب ہر طرف موسمیاتی بحرانوں کے تذکرے ہیں۔ پہلے صرف کہر ہوتی تھی اب سموگ ساری آکسیجن نگل جاتی ہے سانس اٹکنے لگتا ہے۔ دھواں دھار دھواں آسمانوں کا حسن، نگاہ کی بینائی نگل جانے کو ہوتا ہے۔

اب ہر طرف 'برسٹ' (بوچھاڑ) کا تذکرہ ہے۔ 'امریکی جنگ برائے دہشت گردی' ختم ہوئی تو ہم نے جانا کہ اب توپوں، ہیلی کاپٹروں، ڈرونوں کے ڈراؤنے برسٹ ختم۔ سکھ سے جئیں گے۔ مگر پھر یہی سب بلکہ انسانی تاریخ کے بدترین برسٹ غزہ میں 'حیوانہ وار' ٹوٹ پڑے۔ ٹنوں بارود پھٹ پڑا۔ زمین کی تہوں، ہواؤں، فضاؤں میں اتر گیا۔ اس سے پہلے امریکہ نے ہمارے ہمسایہ ملک میں 'ڈیزی کٹر' میزائل بے رحم برسائے۔ ڈیزی، گل بہار سفید نرم و نازک پتیوں اور پیلے بور دانے والا پھول! ننھے معصوم بچوں کا سا حسن! اب اسرائیل کی بے رحمی دیکھ کر سمجھ آیا کہ یہ تو مسلمان بچوں کے درپے رہے ہیں۔ اب کہہ بھی دیا اسرائیلیوں نے کہ ہم نے پہلے حماسی مار دیے ہوتے (جب بچے تھے) تو ۷ اکتوبر کا دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اس سے ان کی نفسیات پڑھیے! یہی بارود بہت بڑا عنصر ہے موسمیاتی بحران کا۔

ہاں تو تذکرہ تھا برسٹ کا۔ ہم ۲۰ سال امریکہ کے ہمہ جہت اتحادی و مددگار رہے۔ برسٹ جو مارے گئے، ہمارے ہوائی اڈے، سبھی شاہراہیں استعمال ہوئیں۔ پھر غزہ شروع ہو گیا ہم چپ رہے۔ محتاط نیم دلانہ بیانوں، کبھی کبھار کی مدد بھیجنے کے سوا۔ اہم کردار جو ایٹمی پاکستان، قائد اعظم کے کڑے موقف بسلسلہ اسرائیل کے شایانِ شان ہوتا۔ یا اسرائیل پر پالیسی، لیاقت علی خان کے امریکہ میں بیان کے مطابق ہوتی۔ (اسرائیل تسلیم کرنے کے سوال پر مضبوط لہجے میں کہا: 'ہماری روحیں برائے فروخت نہیں ہیں!') آج ہم امریکی جنگ، قرضوں، کرپشن کے ہاتھوں اتنے کمزور ہو گئے کہ گھر کا قیمتی ترین اثاثہ بیچنا پڑ گیا، یعنی نظریۂ پاکستان (اسلامی شناخت) بیچا۔ لہلہاتا خطہ ریگ زار بنا ڈالا یا پھر بھارتی چھوڑے گئے سیلابوں میں غرقاب! کھیرے، پیاز، ٹماٹر، لہسن، ادرک، پھل تک سے تہی دامن ہو گئے۔ ہر سطح پر پیسہ کہاں جاتا رہا؟ ڈیم کیوں نہ بن سکے؟ نکاسیٔ آب نظام سے صوبائی دارالخلافے، تمام بڑے شہر کیوں محروم رہے؟ اتنی قسموں کے 'برسٹ' کیوں اللہ ہمیں مارے جا رہا ہے۔ گلیشیئر بھی برسٹ ہو گئے!

ہمارے ہاں قطبین کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ یعنی ۱۳ ہزار سے زائد گلیشیئر ہیں۔ جن میں سے ۳۳ خطرناک ہیں۔ خوف ہے کہ پھٹ نہ پڑیں۔ اب ہم 'گلوف' کی اصطلاح سن رہے ہیں۔ گلیشیئر پگھل کر جو جھیلیں بنتی ہیں وہ اچانک بے حساب پانی کا برسٹ دے مارتی ہیں اور وہ قابو سے باہر ہو کر سبھی کچھ کر گزرتا ہے۔

۷۱ ملین گلگت بلتستان، نیز کے پی میں آبادی نشانہ بن سکتی ہے۔ اور یہ غریب آبادیاں ہیں ۶ء۲۷ فی صد خطِ غربت سے نیچے جو زد میں ہیں۔ پورا پاکستان انہی عوامل، بادل پھٹنے اور فلیش فلڈ اچانک بلا اطلاع بن بلائے ٹوٹ پڑنے کی بلا میں گرفتار ہے۔ حتیٰ کہ اتوار پیر کی درمیانی رات زمین بھی بپھر گئی اور زلزلے نے ہلا مارا۔ خبریں پڑھتے اور مناظر دیکھتے ہیں تو وہی ٹینٹ، بے دخلی، سکول بچوں کی بجائے بے گھر خاندانوں کا مسکن، خواتین بچوں کی کسمپرسی۔ غزہ کے سارے منظر یہاں آ گئے۔ ایک ہفتے میں سیلاب سے ۴۰ لاکھ تک متاثر ہوئے! وہاں زمین ہلاکت خیز بمباریوں سے لرزتی تھی۔ یہاں زلزلے سے، شدید کڑک گرج چمک سے لرزتی ہے۔ قدرتی آفتیں یک جا ہو گئیں۔ ہم اپنے فرائض بھول گئے، مقام بھول گئے تو فطرت کا ہر مظہر ہماری گستاخیوں، حد شکنیوں، طاغوتی طغیانیوں پر پھٹ پڑا۔

سیلاب قدموں تلے تھے۔ ادھر خوبصورت آوازوں کے انتخاب کے آڈیشن کا ملک گیر اختلاطی مقابلہ تھا۔ سیر و سیاحت کی فکر، غم، سجدہ، دعا سے بے نیاز تھے۔ استغفار کا تو ذکر ہی کیا۔ تصورِ زندگی ہی یہ ہے کہ 'ہم نے کون سا گناہ کیا ہے!' راگ رنگ، حرام دوستیاں، لاہور میں قوم لوط سے یک جہتی کا اظہار، رشوت، چور بازاری، سود کا دور دورہ، وراثتی ہیر پھیر، فحاشی و عریانی، کم لباسی کچھ بھی تو گناہ نہیں۔ اس ہولناک منظر نامے میں ملکی و غزہ کی تباہی کے باوجود ہماری ترجیحات؟ ۱۵-۲۷ ستمبر بچیوں (عمر ۹ تا ۱۵ سال) کو Cervix کینسر سے آگاہی دینے اور ان کی ویکسی نیشن! اسے ہم پبلک ہیلتھ کا بڑا سنگ میل (ترقی) کہہ کر متعارف کروا رہے ہیں جو ایک اضحوکا ہے۔ اتنی چھوٹی عمر میں ۹ سالہ بچی کو اس کے جسم کے نازک، حساس، حیا طلب، جسمانی مقامات سے آگاہی دینا؟ رہا یہ کینسر تو اعداد و شمار کی ہیرا پھیری چھوڑیے۔ ناقص غذاؤں، آلودہ پانی، ہسپتالوں اور طبی سہولیات کی شدید کمی اور عدم فراہمی۔ معدہ، جگر، گردے، دل، انتڑیاں سبھی جواب دے رہے ہیں۔ رہی سہی کسر بازاری ناقص خوراک، فوڈ پانڈوں کے ہاتھوں، مضرِ صحت بوتلوں، رنگ برنگے مشروبات ان بچیوں کی جان کے زیادہ بڑے دشمن ہیں۔ کووڈ میں ہم ویکسینوں کے سکینڈل، مابعد اثرات، اموات تک بھگت چکے ہیں۔ بین الاقوامی ادارے ہماری جان بخشی کریں۔ ایک طرف مسلمانوں کو، مغربی حکومتیں، ادارے ختم کرنے کے درپے ہیں۔ ہمیں فراہم کیے جانے والے نت نئے پیکج ہماری نسلوں کی بربادی کا سامان لاتے ہیں۔ (بانجھ پن دینا، تحدید

آبادی ان کے پروگراموں کا اصل ہدف ہے!) صرف غزہ میں امدادی ادارے GHF کے ہاتھوں امریکہ اسرائیل کے حقیقی عزائم و کردار دیکھ لیجیے! والدین ہوشیار باش! اساتذہ اپنی ذمہ داری پہچانیں۔ یہ بچیاں قوم کی امانت ہیں۔ حقیقی ترقی جو درکار ہے اس کی کہانی سیلاب سنا رہے ہیں۔ ڈیم، نہریں عنقا!

باہر دنیا کے مناظر دیدنی ہیں۔ نیویارک پوسٹ کا پول بتاتا ہے کہ ۶۰ فی صد امریکی نئی نسل حماس کو اسرائیل پر ترجیح دیتی ہے۔ ایک اور پول میں ۶۰ فی صد امریکی ووٹر اسرائیل کی فوجی امداد کی مخالفت کر رہے ہیں۔ الٹرا میراتھان فرانس میں جیتنے والا چینی فلسطینی جھنڈا بلند کرتا ہے اور منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموشی اس ظلم کے خلاف احتجاجی ہے! لوگ جوق در جوق دنیا میں اسلام قبول کر رہے ہیں۔ جاپان میں یہ شرح تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ میکسیکو، جرمنی، برازیل، آسٹریلیا ہر طرف اشتیاق بڑھ رہا ہے۔ ایک سیاہ فام کو جب قرآن (مغرب میں صرف ترجمے والے قرآنِ پاک عام تقسیم کے لیے ہوتے ہیں) دیا جاتا ہے تو وہ خوشی سے دیوانہ ہو جاتا ہے۔ کیا واقعی یہ قرآن ہے۔ میں ضرور پڑھوں گا! ہم ہوئے کافر، تو وہ کافر مسلماں ہو گیا۔ سیلاب کیوں نہ اُمڈیں ہر جا!

ابوعبیدہ! وہ تو ہر صورت کامیابی کا شاندار استعارہ ہے! بھیانک شکست امن نوبل انعام کے حریص ٹرمپ اور نیتن یاہو، دونوں کا مقدر ایک ہے باذن اللہ۔ بی بی سی نے اسرائیلی ذرائع کے حوالے سے ابوعبیدہ کی 'شہادت' رپورٹ کی۔ ۵ میزائل ۶ منزلہ عمارت پر دو اطراف سے دوسری اور تیسری منزل پر برسائے۔ عینی شاہد نے بتایا ہر طرف خون ہی خون تھا لوگ چہرے پر خون لیے، ننھے زخمی بچے خون آلود تھے۔ ابوعبیدہ حفظہ اللہ یا زندہ ہیں یا بہت زیادہ زندہ ہیں۔ ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق! البتہ مارنے کی کوشش میں مرے جانے والے مر مر جا رہے ہیں۔ البتہ ام ابراہیم، اہلیہ ابوعبیدہ اور ان کے بچے صبر و ثبات، ایمان و عزیمت کی بے پناہ مشکل زندگی گزار کر شہادت پا چکے۔ جب نیتن یاہو کی بیوی کے لیے چارٹر جہاز میں آئس کریم یورپ سے آتی تھی، ام ابراہیم اور بچوں کے پاس آیاتِ قرآنی قوت کا واحد ذریعہ تھیں۔ بے دخلی کی شدتوں کے شب و روز ان کے گزر گئے۔ اب راحتوں، رب تعالیٰ کی میزبانی کے عظیم اعزاز کے دروازے سب کھل گئے۔ رہے ابوعبیدہ! اللہ سلامتی دے انہیں۔ دنیا بھر میں نئے ابوعبیدہ تیار ہو گئے ہیں۔ غزہ اسی کی فیکٹری ہے!

جبل الطارق سے جہاں طارق بن زیادؒ نے کشتیاں جلائیں، کشتیوں کے قافلے قدس کی مدد کو روانہ ہوئے۔ اٹلی میں ان کے استقبال میں ہزارہا لوگ جذبات، احساسات کی شدتیں لیے، روشنیوں سے ساری تاریک دنیا روشن کرتے رہے! اللہ اکبر! جب ہم سیلاب میں کشتیاں اتار کر مجبور بے گھر ہم وطنوں کو سنبھال رہے ہیں! سوچیے گا ضرور!

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

القاعدہ کی عمومی پالیسی

”میں آپ کو عسکری اور اسلامی میدان میں القاعدہ کی عمومی پالیسی سے متعلق یاد دہانی کروانا چاہتا ہوں۔ القاعدہ نے اپنی تمام صلاحیتیں اندرونی دشمن سے پہلے، اپنے عظیم تر بیرونی دشمن پر مرکوز کرنے میں خود کو ممتاز کر لیا ہے۔ اگرچہ اندرونی دشمن کفر میں شدید ہے لیکن درحقیقت بیرونی دشمن یعنی امریکہ سب کے نزدیک واضح طور پر کافر ہے اور اس مرحلے پر سب سے زیادہ نقصان دہ ہے کیونکہ امریکہ اس وقت کفر کا سرغنہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے امریکہ کا سر کاٹ دیا تو اس کے بازو سرکشی نہیں کر سکیں گے۔

جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے فرمایا تھا: 'مجھے اہلِ فارس کے ساتھ جنگ میں نصیحت کرو، کیونکہ تم ان کے بارے میں زیادہ جانتے ہو'۔

اس نے کہا: 'آج فارس کا ایک سر اور دو بازو ہیں'۔

فرمایا: 'سر کہاں ہے؟'

اس نے کہا: 'نہاوند'۔ پھر اس نے بازوؤں کی جگہ کا ذکر کیا اور کہا: 'اے امیر المومنین، میری رائے یہ ہے کہ اگر آپ بازوؤں کو کاٹ دیں تو سر کچھ نہیں کر سکے گا'۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: 'تم نے جھوٹ کہا اے اللہ کے دشمن، بلکہ میں اس کے سر پر جا کر اسے کاٹ دوں گا، اگر اللہ اس کا سر کاٹ ڈالے تو بازو سرکشی نہیں کر سکیں گے'۔

اگرچہ یہ پالیسی اکابر مجاہدین بھائیوں کے ذہنوں میں واضح ہے، تاہم تمام بھائیوں کو تحریری طور پر اس کی یاد دہانی کرائی جانی چاہیے، اس بات کا ادراک کرتے ہوئے کہ نوجوانوں کی نئی نسلیں جہاد کی تحریک میں شامل ہوئی ہیں اور انہیں اس اہم معاملے کے بارے میں تعلیم و آگاہی نہیں دی گئی ہے، جس کی وجہ سے ان کے ذہن اصل بنیاد پر توجہ مرکوز کرنے کے بجائے ثانوی کارروائیوں کے نفاذ کی طرف جاتے ہیں۔“

شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ

بیت المقدس اور صومالیہ میں اپنے ابطال کے اقدامات پر امت کو مبارک باد

تنظیم قاعدۃ الجہاد فی جزیرۃ العرب

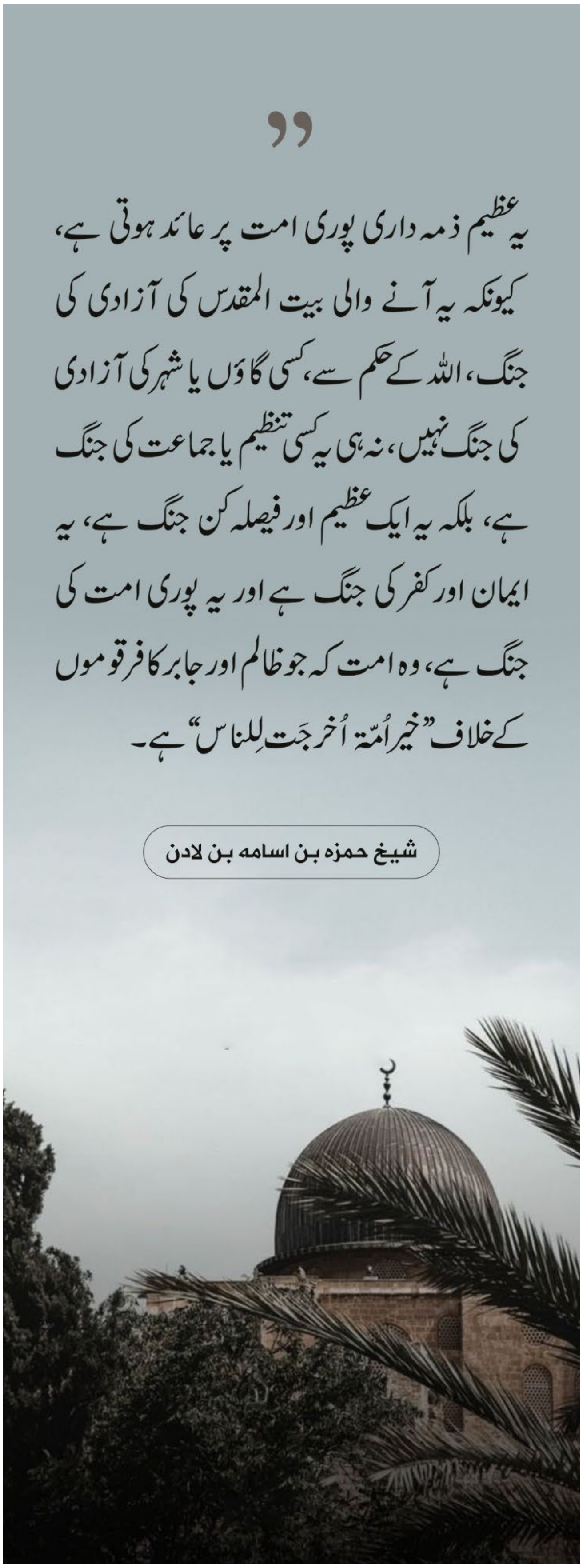

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

ہم اپنی امت مسلمہ کو بیت المقدس میں اس کے ابطال کے اقدامات پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ دو بھائیوں نے مقبوضہ بیت المقدس میں متعدد صہیونیوں کو ہلاک اور زخمی کیا، اور غزہ میں جو کچھ وہ ہمارے لوگوں کے ساتھ کر رہے ہیں ان کا کچھ مزہ انہیں بھی چکھایا اور اس کے بعد شہید ہو کر سرخرو ہو گئے۔

اسی طرح ہم اپنی امت کو بالعموم اور صومالیہ میں اپنے بھائیوں کو بالخصوص ان کی عمدہ کارروائی کی وجہ سے مبارک باد پیش کرتے ہیں، جس میں انہوں نے شیطان کے مرکز (کسمایو ہوائی اڈے پر امریکی کمانڈ سنٹر) کو نشانہ بنایا۔ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ انہیں صہیونیوں (امریکیوں) پر کاری ضرب لگانے، ان کی مشینری اور سہولیات کو تباہ کرنے اور ان کے فوجیوں کو قتل کرنے اور زخمی کرنے کے قابل بنایا۔ یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ وہ ان مجاہدین کے ذریعے ہماری امت مسلمہ کے شدید ترین دشمنوں کو بھاری نقصان پہنچاتا ہے۔

اے اللہ! اسلام کی نصرت فرما، مسلمانوں کو عزت عطا فرما، فلسطین اور دیگر اسلامی علاقوں میں ہمارے بھائیوں کی پریشانی دور فرما۔ یہود و نصاریٰ اور تمام دشمنانِ دین کو شکست سے دوچار فرما اور ان سے سخت ترین انتقام لے، اے طاقت والے، اے غالب حکمت والے۔

AL-MALAHEM MEDIA

تنظیم قاعدة الجهاد في جزيرة العرب

۲۳ ربیع الاوّل ۱۴۴۷ھ بمطابق ۱۵ ستمبر ۲۰۲۵ء

☆☆☆☆☆

یہ غزہ ہے: اپنوں کی خیانتوں سے چور پیکرِ صبر

فضیلۃ الشیخ سیف العدل

اے میری محبوب سرزمین فلسطین! تو اس وقت سے میرے دل میں بسی ہے جب میں اسکول میں زیرِ تعلیم ایک چھوٹا سا بچہ تھا اور تجھے بھیجی جانے والی سرمائی امداد کے لیے کوپن خریدتا تھا۔ اپنے پڑوس میں رہنے والے اس فلسطینی کے خدوخال بھی میرے ذہن سے اوجھل نہیں ہوتے جو کئی کئی بار غائب ہو جاتا پھر ایسے حال میں لوٹتا کہ زخموں پر پٹیاں ہوتیں اور ٹوٹی ہڈیوں پر پلستر چڑھا ہوتا۔ میں تجھے بھول بھی کیسے سکتا ہوں، میں مصر کا فرزند ہوں اور تو میری زمین کی ماں جائی ہے۔ اے اہلِ صبر کی آماجگاہ! تیری محبت تو مجھے گھٹی میں ملی ہے اور میں اس نسل کا ایک فرد ہوں جو تیری آزادی اور تیرے دین کی نصرت کی خاطر جیتی ہے۔ میرے بچپن کے کوپن خریدنے کے وقت سے تاحال پچپن برس بیت چکے ہیں، لیکن تو اب بھی اجر کی امید لیے صبر کا دامن تھامے ہوئے ہے۔

زندگی کے تجربات نے ہمیں سکھایا ہے کہ جرأت مندانہ فیصلہ حکمت کے لوازم میں سے ہے، اور بردباری کے لوازمات میں غضب ناک ہونا بھی شامل ہے، سخت سزا دینا بھی رحمدلی ہی کا ایک پہلو ہے، ہوشیاری بہادری کا ایک تقاضہ ہے، سیاست کا ایک حصہ چالبازی ہے، نیز غالب آنے کے لیے دشمن کا خوب خون بہانا ضروری ہے، لیکن فتح پا لینے کے لوازمات میں سے ایک معاف کرنا ہے، اس ترتیب سے ہماری جنگ شروع ہو کر اختتام پذیر ہوتی ہے۔

حق و باطل کی معاصر کشمکش میں امتِ مسلمہ ایک اہم ترین تاریخی موڑ سے گزر رہی ہے، اگر امت اس سے بخوبی فائدہ اٹھالے تو یہ اس کے لیے اہم اور مفید ثابت ہو گا، اس عیسوی صدی کے آغاز میں اللہ جل جلالہ نے امریکہ اور یہود کے ساتھ نبرد آزما اپنے مجاہد بندوں کو توفیق دی اور انہوں نے اس دشمن پر بڑی کاری اور بھاری ضرب لگائی، جس سے اس کی داخلی کمزوری اور خارجہ پالیسی کی حماقت طشت ازبام ہو گئی۔

ہتھیاروں اور ٹیکنالوجی کے واضح فرق کے باوجود مجاہدین نے گوریلا جنگ کے اصولوں کو استعمال کیا اور دشمن کی قوت اور عسکری و ٹیکنالوجی کی برتری کو اسی کے خلاف استعمال کر ڈالا اور آج امت کے بیٹوں کو یہ موقع میسر ہے کہ وہ جنگ کو اگلے مرحلے میں منتقل کر دیں۔ نوے کی دہائی کے شروع میں امریکیوں کو صومالیہ سے ذلیل و خوار کر کے نکالا گیا تھا، چند سال قبل وہاں دوبارہ یہ تاریخ دہرائی گئی ہے، دو سال قبل افغانستان سے بھی اسے دُم دبا کر بھاگنے پر مجبور کیا گیا، نیز صہیونی دشمن کی کمزوری بھی طوفان الاقصیٰ کی کارروائی میں واضح ہوئی ہے۔ یہ مبارک کارروائی نائن الیون کے بعد اب تک کی سب سے شاندار کارروائی ہے۔ اس میں ایک خوبصورت پہلو یہ بھی ہے کہ جامعۃ الازہر نے امریکیوں پر مجاہدین کی برتری کی گواہی دی ہے، اس بیان پر القاعدہ کے نشریاتی پمفلٹ 'النفیر' میں تبصرہ بھی کیا گیا ہے، اور ہم ازہر شریف سے کہتے ہیں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تو نظام کی بیڑیاں اور طوق توڑ ڈالے، انقلاب کے رستے پر گامزن ہو جائے اور اپنا وہ تاریخی کردار ادا کرے جس کے ہم سب بے چینی سے منتظر ہیں۔

اب ہم لوٹ کر ارضِ عزت غزہ کی صورتحال کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیتے ہیں:

دشمن کے زاویے سے

امریکہ نے فلسطین پر قابض صہیونیوں کو ایک ہاتھ سے دس ارب ڈالر سے زیادہ کی امداد دی اور دوسرے ہاتھ سے اسے ہر طرح کا اسلحہ فراہم کیا اور ہر طرح کے بم اور بین الاقوامی سطح پر ممنوع میزائل فراہم کیے، تاکہ غزہ کے نہتے مسلمانوں پر انہیں برسائے۔ بلکہ امریکہ نے بے شرمی کی ساری حدیں پھلانگتے ہوئے اپنے بحری بیڑے اور افغان سرزمین پر شکست کھانے والی اپنی سپیشل فورسز کے دو ہزار فوجی بھی یہاں بھیجے۔ امریکہ کے فوجی جرنیلوں کے جنگی جرائم صرف غزہ کے نہتے عوام تک محدود نہیں، بلکہ پوری انسانیت ان کی درندگی کا نشانہ بن چکی ہے۔ یہ طرزِ عمل انسانی جانوں اور املاک کے خلاف ایک کھلی زیادتی ہے۔ یہ غزہ میں کوئی عسکری ہدف نہیں دکھا سکتے اور نہ اس قتل و وحشت کا کوئی جواز گھڑ سکتے ہیں، البتہ تحریفات کا شکار ان کی آسمانی کتاب تورات کی کتاب "تثنیہ، باب: ۲۰" میں اس بے جواز قتل و غارت کا جواز موجود ہے۔

> "صلح ان کے نزدیک غلام بنانے اور کام میں لانے کے مترادف ہے، اور اگر یہ دشمن سے لڑیں اور غالب آئیں تو تمام مردوں کو تلوار سے قتل کر دیں اور جو کچھ زمین پر ہو عورتیں، بچے اور مویشی انہیں بطورِ غنیمت لے کر استعمال میں لائیں۔ یہ قانون دور کے شہروں (کے باسیوں) کے لیے ہے، البتہ سرزمین انبیاء (مشرقِ وسطیٰ) میں دشمن کا حکم یہ ہے کہ ان کا اجتماعی قتل کیا جائے۔"

آگے چل کر اسی تحریف شدہ باب کے الفاظ ہیں:

> "رہے ان قوموں کے علاقے جو تیرا معبود رب تجھے بخش دے تو کسی جاندار کو زندہ مت چھوڑ، بلکہ اسے حرام (وتباہ) کر کے رکھ دے۔"

قوموں سے مراد حتی، اموری، کنعانی، فریسی، حوی اور یبوسی ہیں۔

تورات کی اس نص سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کے لیے عسکری اہداف کی کوئی خاص اہمیت نہیں، کیونکہ اصل ہدف تو انسان ہیں، دنیا بھر کے یہودیوں اور صلیبیوں کا یہی وطیرہ

ہے، کیونکہ ان کا اصل دستور اقوام متحدہ کا بین الاقوامی قانون نہیں، بلکہ عہد نامہ عتیق تورات ان کا اصل دستور ہے، اور انسانی حقوق کے بارے میں ان کی چکنی چپڑی باتیں بغیر معنی کے صرف الفاظ کی جگالی ہیں۔

بین الاقوامی قانون صرف کمزوروں، لاچاروں اور قابو میں آئے ہوئے لوگوں کے لیے ہے، مقبوضہ فلسطین کی امریکی ریاست کے صیہونی حکمرانوں نے کبھی اس قانون کی پرواہ نہیں کی۔ اسرائیل پچھلے پچھتر سال سے فلسطین پر قابض ہے، عرصہ بیس سال سے غزہ اور مغربی کنارے کا محاصرہ کیے ہوئے ہے، فلسطینی زمین پر ناجائز نو آبادیاں بنانے سے ایک دن کے لیے بھی نہیں رکا، تاریخ کا بدترین نسلی امتیاز کا نظام لاگو کر کر کھا ہے، قتل و گرفتار کرنے اور مکانات گرا کر زمین ہتھیانے کی منظم مہمات چلاتا ہے، وہاں بسنے والے انسانوں، تمام انسانوں، پر پانی، کھانا، ایندھن اور تمام ضروریاتِ زندگی کو بند کر رکھا ہے۔ یہ اسی اجتماعی قتل اور نسل کشی کی عملی تطبیق ہے جس کا حکم تحریف شدہ تورات میں ہے۔ یہ سبھی بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی ہے، لیکن بین الاقوامی قانون نے حق دار کو اس کا حق دلانے یا اس کا معاوضہ دلوانے میں کب کوئی بھی کردار ادا کیا؟ اس سب کے بعد متعصب صلیبی یورپ کہتا ہے کہ یہود کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے؟ اس بدبخت ظالم کو مظلوم کیسے کہا جاسکتا ہے؟ ہٹلر نے بڑی غلطی کی جو صرف چند سو یہودیوں کو مارا، یہ تو نسل کشی کے مستحق ہیں، اور ان شاء اللہ یہی ان کا انجام ہوگا اور ان پر کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا۔

غزہ کی صورتحال پکار پکار کر بتا رہی ہے کہ یہ یہود اپنے فرسودہ عقائد پر جمے ہوئے ہیں اور تمام انسانیت سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کے جرائم کے انکار کے لیے تو اب بودی سے بودی تاویل بھی نہیں بچی۔ کیونکہ موبائل فون نے ہر فرد کو ٹی وی چینل بنا دیا ہے جو ایسے دل دہلا دینے والے حقائق کو نشر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کتنے چینل بھی ان مظالم کو براہِ راست نشر کر رہے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہود بھی اپنے جرائم چھپانا نہیں چاہتے (ورنہ کلیدی خبر رساں ادارے انہی کی ملکیت ہیں) بلکہ ان کے ذریعے پوری دنیا کو ڈرانا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ یہود اور امریکہ اس بات کو نظر انداز کر رہے ہیں کہ وہ غزہ نامی بڑے سے شہر میں نہتے، کمزور اور محاصرے میں آئے لوگوں کا قتلِ عام کر رہے ہیں (اور اسے اپنی بہادری کی معراج کہہ رہے ہیں) لیکن اس دن کو بھول رہے ہیں جب افغانستان نامی ملک میں ان کے سارے حربے بے کار گئے اور ذلت و رسوائی ان کا مقدر ٹھہری۔ تو کیا یہ افغانی مسلمانوں کا بدلہ غزہ کے مسلمانوں سے لے رہے ہیں؟ باؤلی بمباری والی اس جنگ کی بابت کچھ اور سوالات بھی سر اٹھاتے ہیں:

- کیا تم غزہ کی حکومت (حماس) کو گرانے میں کامیاب ہوگئے؟ نہیں!
- کیا تم نے اپنے قیدی چھڑا لیے؟ نہیں!
- کیا تمہارے لیے وہاں اپنی وفادار حکومت قائم کرنا ممکن ہے؟ نہیں!
- کیا تم نے حماس کا نام و نشان مٹا دیا؟ نہیں!
- کیا تم نے افغانستان کے تجربے سے کچھ سیکھا؟ نہیں!
- کیا تم اپنے روندے گئے غرور کو واپس لانے میں کامیاب ہوگئے؟ نہیں!
- کیا تم نے اپنی ناقص عقل سے یہ معلوم کر لیا کہ اب صورتحال بدل چکی ہے اور دوبارہ پہلے کے جیسی (تمہارے حق میں) نہیں ہو سکتی؟ نہیں!
- اچھا! اب تم کیا کرو گے؟ افغانستان میں پڑنے والی مار کچھ زیادہ پرانی تو نہیں!

تمہارے سارے اندازے غلط ثابت ہوں گے، ساری کوششیں رائیگاں جائیں گی، محاصرے اور بمباری سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ نہ غزہ کو تنہا کیا جاسکتا ہے اور نہ وہاں کے باسیوں کو جلاوطن کیا جاسکتا ہے۔ زمانہ تمہارے لیے عار لکھے گا اور تاریخ گواہی دے گی کہ سنگ دل لوگوں کے ہاتھ جب اسلحہ لگا تو انہوں نے اپنے پڑوسیوں کے وسائل لوٹنے کے لیے انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ دنیا کی تمام قوموں، ملتوں اور نسلوں پر لازم ہے کہ وہ امریکہ اور یہود کے خلاف پوری دنیا میں ہر محاذ پر ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے خود کو تیار کریں، اور بغیر کسی حدبندی کے ہر طرح کا اسلحہ جمع کریں، اور اس اسلحے کو بلا جھجک استعمال کرنے کی جرات بھی ان میں ہونی چاہیے، ورنہ پھر یہود اور امریکہ کے کوڑوں کے لیے اپنی پیٹھ تیار رکھیں۔

اہلِ غزہ اور مجاہدین کے زاویے سے

سات اکتوبر کے کارنامے پر ہمیں کماحقہ سوچ بچار کرنی چاہیے کہ کیسے فاسد صیہونی حکومت کے تمام ادارے لرزہ براندام ہوگئے۔ قابض فوج کے عسکری ادارے کی بات کریں تو جنوب کی پوری بریگیڈ تباہ ہوگئی اور کئی افسران اور سپاہیوں کو مجاہدین نے قید کیا۔ حقیقی نقصان کا تاحال اعلان نہیں کیا گیا۔ استخباراتی ادارے کو بھی اپنی تاریخ کی بدترین ضرب لگی، کنکریٹ کی دیواروں اور برقی رکاوٹوں کو مجاہدین نے عبور کر لیا۔ یہودی آبادکار بھی اپنی حفاظت نہ کر سکے، رہا سیاسی ادارہ تو وہ ایک ایسی داخلی جنگ میں الجھ گیا ہے جس سے تاحال نکل نہیں سکا۔ چنانچہ امریکہ نے فلسطین میں جنگ کو منظم کرنے کے لیے خود ہنگامی مداخلت کر ڈالی۔ اگر امریکہ کی یہ ظالمانہ مداخلت نہ ہوتی تو حالات ایک دوسرا رخ اختیار کرتے جس سے پھر صیہونی نمٹ نہ سکتے اور انجام کار پورے خطے کا نقشہ بدل جاتا۔ اب بھی محض اللہ کی مدد سے عنقریب یہ نقشہ بدلے گا۔

یہ قتلِ عام (اسے جنگ نہ کہیں) چوتھے ہفتے[1] میں داخل ہو چکا ہے، دشمن کی زمینی افواج حرکت میں آگئی ہیں تو عنقریب کون سی تبدیلی آنے والی ہے؟

ہم سب کو پیکرِ صبر غزہ سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ انسانیت کے دشمن صیہونی درندوں کو یومیہ بنیادوں پر جو سبق غزہ سکھا رہا ہے ہمیں ان پر غور کرنا چاہیے۔ ایک غیرت مند قوم ایسی ہی ہوتی ہے۔ اپنے دشمن کا تر نوالہ نہیں بنتی۔ غزہ کا صبر اور ثابت قدمی دیکھیں! یہ قوم

---

[1] بوقتِ تحریر۔ اب تو اس قتلِ عام کو دو سال ہونے کو ہیں۔ (ادارہ)

ناقابلِ شکست ہے، بمباری، تباہی اور مقتولین کے ہوش اڑا دینے والے اعداد و شمار نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا اور دشمن کو فتح نہیں دلائی۔ مجاہدین کے فصیلوں کو پھلانگ کر حملہ آور ہونے کے وقت سے ہی صلیبی صہیونی ٹولہ اس جنگ کو ہار چکا ہے۔ اے دشمنو! تم ناکام ہو چکے ہو! پچھتر سال کا ظلم و ستم جب اہلِ اسلام کے ارادہ جنگ کو نہیں توڑ سکا تو یہ چند ہفتوں کی (اور بوقتِ ترجمہ تقریباً دو سال کی) بمباری کیسے اسے توڑ سکے گی؟ گو اس بدترین بمباری کی مثال پیش کرنے سے تاریخ کے صفحات قاصر ہیں! کیا روزانہ حملہ کر کے بھاگ جانے کی کارروائیوں میں تمہیں کچھ کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے یا ہمیشہ ناکام و نامراد بھاگنے پر مجبور ہوتے ہو؟ کیا تم اہل اسلام کے میزائیلوں کو اپنی زمین کے عین بیچ میں گرنے سے روکنے میں کامیاب ہوئے؟ کیا تمہاری بکتربندیں الیاسین ۱۰۵ کی ضربوں سے بچ نکلیں؟ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر تمہارے ٹینکوں پر دن دہاڑے بارودیں سرنگیں نصب کرتے سرفروشوں نے کیا تمہیں دہشت زدہ نہیں کر دیا؟ ابھی تم نے کچھ نہیں دیکھا، وقت دور نہیں جب امت کے بیٹے اٹھ کھڑے ہوں گے اور تمہیں اور تمہارے مفادات کو ہر جگہ نشانہ بنائیں گے۔

تمہارا پروپیگنڈہ ناکام ہو چکا، اب ہماری دعوت شروع ہو گی۔ سات اکتوبر کا حملہ اپنے عسکری اہداف کو حاصل کر چکا اور اس کے سیاسی اہداف حاصل ہونے کا ابھی انتظار ہے۔ لیکن ان بنیادی اہداف کے ساتھ مزید کچھ اور اہداف بھی حاصل ہو رہے ہیں۔ اس مبارک حملے سے یہود کی خودساختہ مظلومیت کا پول کھل گیا اور ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ مظلوم نہیں، بلکہ نسل پرست اور اعصاب زدہ درندے ہیں۔ اسی طرح مغرب (امریکہ اور اس کے تابعِ مہمل یورپ) کے انسانی حقوق، عالمی معاشرے اور برادری کے نعروں کی قلعی بھی اتر گئی اور ان کی شرمناک نسل پرستی، طبقاتی نظام، فساد اور یہود کی رسواکن طرف داری کھل کر سامنے آگئی۔ فی زمانہ ان کی نظر میں صرف یہود، پروٹسٹنٹ اور کیتھولک عیسائی ہی انسان ہیں۔ باقی سب کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ تقدیسِ انسانیت کے فریبی نعروں کے بالکل برعکس بقیہ انسانیت ان کے لیے محض اپنی مقصد برآری کا ایک آلہ ہے اور بس۔ اپنی پہچان سے دستبردار جاپان اور بت پرست بھارت چین کا راستہ روکنے کا ذریعہ ہیں، تائیوان بحیرہ چین میں واقع ایک دوسرا اسرائیل ہے جو مغرب کی سافٹ پاور (Soft Power)[1] کے نفوذ کی آسانی کے لیے ایک پل کا کام کر رہا ہے، جنوبی کوریا، شمالی کوریا کو بہکانے اور پھسلانے کا آلہ ہے، آسٹریلیا جنوب مشرقی ایشیا کے اسلامی جزیروں پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کا ایک اڈہ ہے، بقیہ حلیف بھی ایسے ہی کسی مفاد کی وجہ سے ہیں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے یہ پروپیگنڈے اب بھی اس کرہ ارض پر جاری اور موثر رہیں گے؟ ٹیکنالوجی نے ہر چیز کو ہر جگہ پھیلا دیا ہے۔ آج کے بعد تو کوئی تمہاری بات سننے پر بھی تیار نہ ہو گا، چہ جائیکہ وہ دھوکے میں آکر تمہیں کچھ دے۔ ٹیکنالوجی ایک عالمگیر انقلاب ہے، لیکن اس نے تمہارا پول کھول کر تمہیں وہاں پہنچا دیا ہے جس کے تم مستحق ہو۔

مکروہ چہرے والا جان کیربی برملا یہ کہہ رہا ہے کہ ابھی جنگ بندی کا وقت نہیں آیا! کیوں؟ کیونکہ مجاہدین کے حوصلوں کو توڑنے کا اصل ہدف ابھی پورا نہیں ہوا، اور ان شاء اللہ یہ ہدف کبھی پورا ہو گا بھی نہیں۔ بلکہ تمہیں مجاہدین کے فیصلے کے آگے جھکنا ہو گا۔ جیسے تمہارے ساتھ افغانستان میں ہوا۔ اے امریکیو اور صہیونیو! تم نے اپنی حماقت سے خود کو تنہا کر دیا ہے، دنیا اور خطہ بلکہ تمہارے قائم کیے ادارے تمہیں چھوڑ چکے ہیں۔ مغرب کو اور صہیونیوں کو یہ مان لینا چاہیے کہ سخت جنگ کے پچیس روز گزرنے کے بعد جان کیربی کی یہ وضاحت امریکیوں اور صہیونیوں کی شکست کا اعلان ہے۔ تمہاری جنگ عنقریب رکے گی اور سرحدی راہداریاں ضرور کھل کر رہیں گی۔ لیکن اب ہماری جنگ شروع ہو چکی ہے، آنے والا وقت تمہارے حق میں مزید بدتر ہو گا۔ یہاں تک کہ تم ہماری زمینوں سے نکل بھاگو اور تمہارے آلہ کار حکمرانوں کو بھی ہم تمہارے پیچھے ہی چلتا کر دیں گے۔ ہم امت کو ایک بار پھر متحد کریں گے، اور تمہارے خودساختہ قوانین اور اصولوں کے بجائے دنیا کو آسمانی ہدایت کے ساتھ جوڑ کر اسے حقیقی امن و سلامتی کی طرف لے چلیں گے۔ تم نے ایک طویل عرصے تک دنیا کو اسلام کے مہربان سائے میں پرسکون زندگی گزارنے سے محروم کر رکھا ہے۔ تم نے محض اپنی عیاشی کی خاطر اسلحے کی زور پر اور جھوٹ و دھوکے کے ذریعے دنیا کو حقیقی امن سے محروم کر رکھا ہے۔

عالمِ اسلام کے مطلق العنان حکمرانوں کے لحاظ سے

"بلنکن اور عرب حکام" نامی مضحکہ خیز، خواہ مخواہ کے لمبے اور بور ڈرامہ سیریل کو پوری دنیا دیکھ رہی ہے، "کسنجر اور عرب حکام" ڈرامہ سیریل کا پلاٹ اس سے کافی عمدہ اور پرتجسس تھا، اس کے علاوہ کسنجر کے شریک اداکار اپنی ایک شخصی وجاہت رکھتے تھے، بلنکن کے غیر معروف بالشتیوں کا کام تو محض اس کے تلوے چاٹنا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ سارے (یہود، مغرب، عرب حکام اور عالمِ اسلام کے حکمران) یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس سیاسی منظرنامے سے غزہ کے خونیں منظرنامے کی سنگینی (لوگوں کی نگاہ میں) کچھ کم ہو گی، ہرگز نہیں! خدا کی قسم! ہماری زمین پر تم نے جو آگ بھڑکائی ہے وہ تم سب کے لیے جہنم ثابت ہو گی، پوری دنیا کی اقوام غزہ کی نصرت کے لیے اٹھ کھڑی ہو چکی ہیں، یہ مظاہرے مایوسی کی طرف نہیں جا رہے، بلکہ تبدیلی اور انقلاب کی طرف بڑھ رہے ہیں، اگر تمہارے پاس ہتھیار ہیں تو لوگوں کے پاس بھی سِوِل نافرمانی کا ہتھیار موجود ہے، اور کچھ کے پاس اصل اسلحہ بھی ہے۔ عنقریب یہ عوامی تحریک ایک آگ بن کر بھڑکانے والوں کو بھسم کر ڈالے گی۔

اسلامی دنیا کے حکام کا طرزِ عمل کتنا ذلت آمیز ہے۔ دین اور انسانیت کے دشمن کے آگے مکمل سرینڈر کر چکے ہیں، سرحدی چوکیوں اور سلامتی کونسل کی دربان گاہوں پر منتظر کھڑے ہیں۔ کس قدر رسواکن بات ہے کہ یہ حکام رفح کراسنگ پر کھڑے دشمن کی اجازت

[1] یعنی مغربی تہذیب و ثقافت

کا انتظار کر رہے ہیں۔ کیسا عار کا مقام ہے! سلامتی کونسل سے سیز فائر کی التجا کرنا کتنا شرمناک ہے۔ اس التجا کا کیا فائدہ جب کہ امریکہ کو ہر چیز ٹھکرانے کا اختیار ہے اور یہود نے کبھی بھی اقوامِ متحدہ نامی ادارے کی کسی فیصلے کو تسلیم نہیں کیا؟ امت کی اقوام تو سات اکتوبر کے پیغام کو سمجھ چکی ہیں، لیکن اے حکمرانو! تم اب بھی ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں۔

اسلامی ملکوں کے حکمرانوں سے امت کو جو جائز توقع تھی وہ یہ تھی کہ وہ مصر، اردن، لبنان، سوریا اور ارضِ حرمین میں اپنی فوجوں کو جمع کرتے، اور اپنی اعلیٰ تربیت یافتہ خصوصی فورسز کو اجازت دیتے کہ وہ بھی ایسے کارنامے انجام دیں جو مجاہدین کے خصوصی دستوں نے انجام دیے۔

ہماری تاریخ میں فتح کا عدل وانصاف، حریت و آزادی اور عزت وشرف سے گہرا تعلق ہے۔ شکست اور ناکامیاں آمریت و قہر کا پرتو اور نتیجہ ہیں۔ کیا فلسطین پر قبضہ سیاسی قہر کی فضا میں نہیں ہوا تھا؟ جب حکمران اپنے عوام پر ظلم کرنے میں تو شیر بنے، لیکن دشمن کے مقابلے میں گیدڑ ثابت ہوئے۔ لہٰذا اس وقت جو یہ حکومتیں کر رہی ہیں وہ یہ ہے کہ بے نتیجہ مظاہروں سے عوامی غضب کو ٹھنڈا کیا جائے۔ اور اس مرحلے میں امریکہ اور اس کے چہیتے اسرائیل کو اس سے کوئی مسئلہ بھی نہیں، (یہ نہ سمجھیں کہ یہ اسلام دشمن غلام حکومتیں مظاہروں کی اجازت دے کر فلسطین کاز کا ساتھ دے رہی ہیں۔) یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ محمد ﷺ کے جزیرے میں بسنے والی مسلم قوم کہاں گئی؟ کیا وہ مظاہروں میں شریک ہوئی؟ یا ان کے طاغوتی حاکم بن سلمان اور اس کے احمق مشیروں نے انہیں اس سے بھی روک دیا ہے؟

اے ہماری پیاری امت! ان مظاہروں کا بھی کوئی فائدہ نہیں، اگر یہ آگے بڑھ کر وہ تحریک نہ بنیں جو تمہارے ہاتھوں کو باندھنے والی اور اپنے رب کی منشا کے مطابق مستقبل کی صورت گری میں رکاوٹ بننے والی ان حکومتوں کو گرا دے، تب کہیں جا کر تم اس قابل ہو گی کہ ہر جگہ اپنے فرزندوں کی مدد کر سکو، ظلم کا شکار کمزوروں کو انصاف دلا سکو اور اللہ کے دائمی پیغام کو عام کر سکو۔

عرب اور عالم اسلام کے حکام کا طرزِ عمل

عرب حکام اور عالم اسلام کے دیگر حکمرانوں کا ردِ عمل کیا رہا؟ کیا وہ لوگ اس تاریخی مرحلے کے اہل ثابت ہوئے؟ غزہ کے مسلمانوں کی نصرت کے لیے انہوں نے کیا اقدامات کیے؟ غزہ کے مجاہدین کی نصرت کا ان سے کیا پوچھنا! جب سے جزیرۂ عرب پر بے اختیار بادشاہ سلمان بن عبد العزیز اور اس کا احمق بیٹا براجمان ہوا ہے، انہوں نے اور ان کے ہم مشرب عرب حکام نے مجاہدین کی طرف پیٹھ پھیر لی ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے صلیبی صہیونی آقاؤں کے نقشِ قدم پر چل کر مجاہدین پر دہشت گردی کی تہمت لگانے لگے، بلکہ مزید تیرہ بختی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجاہدین کے خلاف فلسطین پر قابض صہیونی دشمن کے حلیف بن گئے۔ اس سے قبل ۲۰۲۱ء میں غزہ کے واقعات نے ہی انہیں بے نقاب کیا تھا۔

۲۸ اکتوبر ہفتے کی دن کی عصر تک یعنی کارروائی کے اکیس دن بعد تک ہم نے ان کی آواز تک نہیں سنی۔ البتہ، سر جھکائے منہ ہی منہ میں بہت سے باتیں کر رہے تھے۔ جن سب کا مطلب ایک تھا ”ہمیں جلد ان دہشت گردوں سے نجات دلواؤ، تم نے ہمیں ہماری قوم کے سامنے رسوا کر دیا“۔ ان عرب اور عالم اسلام کے دیگر حکمرانوں کو ابھی تک یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ پندرہ اگست کو افغانستان سے امریکی فوجوں کے بھاگنے کے بعد سے یہود کی قوت کا وہی ہالہ پاش پاش ہو چکا ہے، اس دن اعلان ہو گیا کہ اب مغرب اور اس کے پروردوں کے دن پورے ہو چکے ہیں، دنیا میں طاقت کی نئی مساوات سامنے آ چکی ہے، جو اسی دہائی میں آگے چل کر مزید نکھر کر سامنے آئے گی۔ کیا اب بھی تمہارے لیے ممکن نہیں کہ ایک مسلمان حاکم کی صحیح ذمے داری پوری کر سکو؟ مجھے نہیں لگتا کہ تم ایسا کرنے کا سوچو گے بھی۔

امریکہ کے پرشور سقوط نے لوگوں کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیے ہیں، لیکن تمہارے دلوں کے پردے نہیں اٹھے۔ یا پھر شاید تمہاری تمنا ہے کہ یہ نظام اسی طرح باقی رہے تاکہ تمہاری حکومتیں بچی رہیں، تمہاری بابت اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ ۝ (سورۃ المآئدۃ: ۵۲)

”چنانچہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے تم انہیں دیکھتے ہو کہ وہ لپک لپک کر ان (کفار) میں گھستے ہیں، کہتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت کا چکر آ پڑے گا، (لیکن) کچھ بعید نہیں کہ اللہ (مسلمانوں کو) فتح عطا فرمائے یا اپنی طرف سے اور کوئی بات ظاہر کر دے اور اس وقت یہ لوگ اس بات پر پچھتائیں جو انہوں نے اپنے دل میں چھپا رکھی تھی۔“

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ (سورۃ المجادلۃ: ۱۴)

”کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جنہوں نے ایسے لوگوں کو دوست بنا رکھا ہے جن پر اللہ کا غضب ہے؟ یہ نہ تو تمہارے ہیں اور نہ ان کے، اور یہ جان بوجھ کر جھوٹی باتوں پر قسمیں کھا جاتے ہیں۔“

پس تم میں سے کچھ تو ان کفار کے معبدوں کے رکھوالے ہیں (تمام عرب اور عالمِ اسلام کے حکمران) اور کچھ نے محمد ﷺ کے جزیرے میں ان کے مندر اور عبادت خانے بنائے، جیسا کہ خلیج کے اکثر حکام نے کیا، ان میں سرِ فہرست "خلیج کا شیطان" بن زاید ہے، کچھ نے مسلمانوں کی جاسوسی کرکے ان کی خبریں دشمن تک پہنچائیں (عبد الفتاح سیسی) کچھ نے یہود کا خیر خواہ بنتے ہوئے انہیں مشورہ دیا کہ غزہ کے مسلمانوں کو صحرائے نقب میں دھکیل دو (عبد الفتاح سیسی) اور کچھ مسلمانوں اور اپنی فوجوں کو سرحد بند کرکے یہود پر حملے سے روک رہے ہیں (اردن، مصر، سوریا، لبنان، ریاض، ترکی اور عراق کے حکمران)، اور تم میں سے کچھ، بے ضمیری کی ساری حدیں پھلانگ چکے ہیں،

تم سب اپنی امت کے خلاف دشمن کی خندق میں مورچہ زن ہو، غزہ میں بہتے خونِ مسلم میں برابر کے شریک ہو۔ اور مسلمانوں کے قاتل کو اللہ نے وعید سنائی ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○ (سورۃ النساء: ۹۳)

"جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر اپنا غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا اور اللہ نے اس کے لیے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

مصر میں زبردستی اقتدار پر قابض صہیونی مہرہ (عبد الفتاح سیسی)

آج کل مصر کے بہادرانہ موقف کی بڑے گن گائے جا رہے ہیں کہ اس نے اہلِ غزہ کو اپنے یہاں ٹھہرانے سے انکار کا فیصلہ کیا ہے۔ کیا اہلِ غزہ نے غزہ سے چلے جانے کی یہودی پیشکش کو قبول کر لیا تھا؟ اگر اہلِ غزہ خود غزہ چھوڑنے کا فیصلہ کرتے تو انہیں کوئی روک نہیں سکتا تھا اور وہ پہلے کی طرح راہداری کو عبور کرکے مصر میں داخل ہو جاتے۔ جلاوطنی سے انکار کا فیصلہ اس سیدھے سادے غزہ کے مسلمان کا ہے جس کے باپ دادا جلاوطنی کی تلخ جھیل چکے تھے کہ بعد میں انہیں ان کی زمین کبھی واپس نہ مل سکی۔ سیسی کہاں ان کا خیر خواہ ہے، یہ تو وہ بدبخت ہے جس نے اپنے کارندوں کے ہاتھ یہود کو پیغام بھجوایا کہ غزہ کے مجاہدین تمہارے خلاف کسی بڑی کارروائی کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ یہی وہ سیسی ہے جس نے یہود کو مشورہ دیا کہ وہ اہلِ غزہ کو صحرائے نقب میں جلاوطن کر دے، پھر یہود چاہیں تو وقت آنے پر انہیں واپس غزہ آنے دیں یا وہیں صحرا میں مرنے کے لیے چھوڑ دیں۔ اسی سیسی نے یہود کی طرف سے امداد پہنچانے کی اجازت ملنے تک سرحدی راہداری کے دروازے بند کرکے وہاں پہرے بٹھا دیے، حالانکہ اسے تو چاہیے تھا کہ عالمی طور پر دسویں نمبر کی حامل اپنی فوج کو فلسطین کی حفاظت کے لیے سرحد پر لے آتا۔ اگر خود کمزور تھا تو دیگر اسلامی حکمرانوں کو اپنی مدد کے لیے بلاتا۔ اسے یہودی فضائیہ کو غزہ پر بمباری سے روکنا چاہیے تھا، کیونکہ اس سے مصر کی سلامتی وابستہ ہے۔ اور پھر اپنی فوج لے کر فلسطین کی آزادی کے لیے نکل کھڑا ہوتا، یہ کیا بات ہے کہ سلامتی کونسل کے آستانے پر بڑی شرمناک تابعداری کے ساتھ جنگ بندی کے فیصلے کا انتظار کر رہا ہے۔ کیا یہی نہیں تھا جس نے دھمکی دی تھی کہ جو بھی مصر کے قریب آئے گا اسے سبق سکھا دوں گا (شاید اس کی مراد اپنی کرسی تھی)۔ سیسی نے اپنے عمل سے واضح کر دیا کہ مصری فوج کا مقصد فقط اپنی سرحدات کی حفاظت ہے، اس سے زیادہ کی اس سے توقع نہ رکھی جائے (کتنی شرم و عار کی بات ہے)۔ سات اکتوبر کے جانبازوں نے جو کیا یہ فوج اس کا سوواں حصہ کرنے سے بھی قاصر ہے، کیونکہ ان کا قائد سیسی ہے، ذیل کے اشعار میں شاید شاعر نے سیسی کے حال کا نقشہ کھینچا ہے:

اسد علی وفی الحروب نعامة
فتخاء تنفر من صفیر الصافر
هلا برزت الی غزالة فی الوغی
بل کان قلبک فی جناحی طائر

"مجھ پر تو تُو شیر ہے لیکن جنگ میں ایسا شتر مرغ بن جاتا ہے جو سیٹیوں کی آواز سے بگٹٹ دوڑتا چلا جاتا ہے۔

تو جنگ میں ہرنی کے مقابل کیوں نہیں نکلا؟ تو کیا نکلتا! تیرا تو مارے خوف کے دل سینے سے باہر نکلا جا رہا تھا۔"

اے مصر کے معزز لوگو! اور ہر وہ فوجی جس کے دل میں ذرہ بھر بھی غیرت و حمیت ہے! کیا اپنی اس حالتِ زار پر تم خوش ہو؟ کیا تم نہیں چاہتے کہ دنیا کے بہترین فوجی بنو اور یہود اور ان کے حلیفوں کے خلاف جہاد کا جھنڈا اٹھاؤ؟ بخدا! تم سے کم درجے کے اور کمزور لوگ بھی یہود اور ان کے کرتوتوں کو برداشت نہیں کرنے والے اور نہ سیسی اور اس کی فوج و خفیہ اداروں کے کمانڈروں اور ان کی شرمناک حرکتوں پر چپ کرکے بیٹھنے والے ہیں۔ آنے والے دنوں میں ہمیں تم سے بڑی توقعات ہیں، ورنہ تم پر رہتی دنیا تک ایسی عار مسلط ہو گی جس سے خود رسوائی بھی پناہ مانگے گی۔

جزیرۂ عرب کے مشرق میں واقع چند انتہائی مالدار شہروں کا صہیونی حاکم (خلیج کا شیطان: بن زاید)

تیرے جہاز لیبیا اور مالی میں مسلمانوں پر بم برسانے پہنچ گئے، لیکن اپنے پڑوس میں واقع فلسطین کی مدد کے لیے نہیں پہنچ سکے، کیوں؟ جب تو نے ہندوستان میں اللہ کے گھر مساجد کی شہادت پر کوئی غیرت نہیں دکھائی، نہ کوئی مخالف عندیہ ظاہر کیا۔ نہ ہندوؤں کو ملک بدر کرنے کی دھمکی دی نہ خود تو نے حرمین کی زمین پر ان کے لیے جو مندر بنایا ہے اسے بند کرنے کی دھمکی دی۔ جب تو ہندوستان کے خلاف کچھ نہیں کر سکا تو اپنے پاسبان امریکہ اور اپنے صہیونی آقا کے خلاف کیا کر سکتا ہے؟ میں اکثر اپنے ساتھیوں سے کہتا تھا کہ آلہ کاری کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ آلہ کار مکمل جھکتا نہیں، بلکہ اس نے ایک حد مقرر کی ہوتی ہے

جس سے وہ نیچے نہیں جاتا۔ لیکن تیری آلہ کاری کی کوئی حد نہیں، تیرے جہازوں نے یمن، لیبیا اور مالی میں مسلمانوں پر جو ستم ڈھائے وہ فلسطین میں یہودی جہازوں کے جرائم سے کم نہیں۔ کتنے فلسطینی تیرے ملک میں کام کرتے ہیں لیکن تو نے انہیں شہریت نہیں دی، جبکہ سات ہزار سے زائد یہودیوں کو تو نے شہریت دی ہے۔ تو نے ویٹی کن کے پوپ کی دعوت کی اور اس کے سامنے ذلت سے کھڑا رہا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تو صلحِ کل اور وحدتِ ادیان کے عقیدے کو مانتا ہے؟ لیکن یہ بھی تب ہوتا ہے جب تیرے سامنے کافر ہوں، جیسے مسلمان سامنے آئیں تو تو اس عقیدے کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ سو تیری یہ بدعقیدگی تجھے مبارک ہو۔

ریاض کا حاکم ولی عہد بن سلمان، زنا اور گناہوں کو ترویج دینے والا

محمد ﷺ کے جزیرے میں دین، پاک دامنی اور تمام اچھائیوں کے خلاف اس کے احمق حاکم کی قیادت میں ہمہ جہت جنگ لڑی جا رہی ہے۔ اہلِ علم کو گرفتار کیا جا چکا ہے، اور ایک بڑی تعداد کو دار پر چڑھا دیا ہے۔ باقیوں کو خاموش کر دیا گیا ہے، صرف اسی کو بولنے کی اجازت ہے جو اس بدبخت کے نام کی مالا جپے اور اسے بخشش کے پروانے دے۔ اس نے زنا اور منکرات کی محفلوں کو عام کر کے (حتیٰ کہ حرم کے قرب میں بھی یہ گندگی کی گئی) بے غیرتی کو فروغ دیا ہے۔ دولت مندوں کی دولت کو بزور چھینا ہے، بن لادن کی ٹھیکے دار کمپنی کو بھی ضبط کر لیا، اب اسے بیچ ڈالا ہے یا یہود کے سپرد کر دیا ہے۔ امریکی سفارت خانے کو القدس شہر منتقل کرنے کے نذرانے کے طور پر مجرم ٹرمپ کو ایک ٹریلین ڈالر دیے۔ مسلمانوں کے جمع کیے مال سے اپنے نام و نمود کے لیے فٹ بال کے کھلاڑی خریدے، تاکہ مسلمان نوجوانوں کا لایعنی کاموں میں مشغول کر کے جہاد و استشہاد سے دور اور غافل کر دے۔ میں حرم کے امام (سدیس) سے پوچھتا ہوں: کیا اب بھی ریاض اور امریکہ دنیا کی قیادت کر رہے ہیں (غزہ کے خلاف جنگ میں)؟ جن حکام کا اپنا یہ حال ہو ان سے کیا توقع کہ وہ غزہ یا اس کے علاوہ کمزور و مظلوم مسلمانوں کی مدد کریں گے؟

سب رکاوٹوں کے باوجود برپا ہونے والے سات اکتوبر کے مبارک حملے نے بہت سے حقائق کو آشکار کر دیا۔ امت کے ابطال اس کے ہر اول مجاہد دستے اور مخلصین سے یہ بات مخفی نہیں کہ اس دور رس اثرات کی حامل ضرب نے اسلام، اہلِ اسلام اور ان کی زمینوں اور وسائل کے خلاف بنائے گئے بہت سے منصوبوں کو ناکام بنا دیا ہے۔ یہ حکومتیں اور ان کے کرپٹ کرتا دھرتا خود اپنی خوشی سے صلیبی صہیونی شکنجے میں بے بس پڑے ہیں۔ عنقریب پوری بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ آلِ سعود اور یہود کے مابین تعلقات کی بحالی کا اعلان ہو جائے گا، اور نیوم کی نو آبادی میں چھپی یہ دوستی کھل کر سامنے آ جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ بن سلمان میں بے باکی ہے کہ وہ پہلی فرصت یہ کر ڈالے گا۔ شاید رواں ریاض فیسٹیول کے اختتام پر۔

شاید ہم بن سلمان (اللہ اسے ہلاک کرے) کے بارے میں کچھ زیادہ بدگمانی کا شکار ہو رہے ہیں۔ ممکن ہے وہ ریاض فیسٹیول میں سے حاصل شدہ آمدنی کو غزہ کے بنیادی ڈھانچے کی تعمیر میں خرچ کرے۔

میں ان چند حکام کی مثالوں پر بس کرتا ہوں، کیونکہ دیگر بھی انہیں کے نقشِ قدم پر ہیں، البتہ فلسطینی اتھارٹی کے سربراہ محمود عباس کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کا اپنا کوئی لائحہ نہیں، وہ تو بس اتھارٹی کے دفتر میں پڑا یہود کے احکام کا منتظر رہتا ہے۔ اگر شاعر احمد مطر کے "قصیدے" اور غزہ کی موجودہ صورتحال نہ ہوتی تو کسی کو یاد بھی نہ ہوتا کہ رام اللہ میں محمود عباس نام کا کوئی حاکم بھی ہے۔ کیا واقعی احمد مطر تمہاری ذات کے "قصیدے" لکھتا تھا یا پھر وہ تمہارے نام کو بے بس حکمرانوں کے لیے ایک استعارے کے طور پر استعمال کرتا تھا۔

سیسی اور مصری فوج کے بارے میں جو میں نے کہا، بعینہ اسی کو میں دیگر اسلامی ملکوں کے لیے بھی دہراتا ہوں۔ آج کسی کے پاس کوئی عذر نہیں کہ وہ یہود اور امریکہ کو نشانہ نہ بنائے، کیونکہ دشمن فلسطین تک محدود نہیں، بلکہ اس کے مفادات پورے عالمِ اسلام میں پھیلے ہوئے ہیں، ان کے سفیر محض سفیر نہیں ہوتے، بلکہ متعلقہ ملک کے عملی اور اصلی حکمران ہوتے ہیں۔ ہم نے تاحال کسی ملک کے بارے میں نہیں سنا کہ اس نے یہود اور مغرب کا بائیکاٹ کیا ہو یا اس کے ساتھ تجارت روکی ہو۔ اور کسی ایسے حاکم کا بھی نہیں سنا جس نے مونچھوں کو تاؤ دے کر بہادری دکھاتے ہوئے امریکہ یا یہود کے سفیر کو ملک بدر کیا ہو! کریں بھی کیسے؟ وہ خود یہود سے بڑھ کر یہودی ہیں، بلکہ ان کے آقا امریکہ نے تو یہ کہہ کر انہیں برملا رسوا کر دیا ہے کہ 'عرب حکام' حماس کی تباہی کے یہود سے بھی زیادہ خواہش مند ہیں اور اگر ایسا ہو گیا (لا قدر اللہ) تو یہ یہود سے زیادہ خوش ہوں گے۔

آج یکم نومبر ۲۰۲۳ء ہے، میرا سوال ہے: غزہ کی خاطر عرب لیگ کا اجلاس منعقد ہو گیا؟ یا ابھی کورم پورا نہیں ہوا؟

سالم الشریف

جنگ کا چوتھا ہفتہ

☆☆☆☆☆

بقیہ: قبلہ اوّل سے خیانت کی داستان (مصر)

یہ خاموشی ایسی بے حسی ہے جو اللہ کے عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے۔ ہم سب کو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے کہ کیا ہم، غزہ کے لیے وہ سب کچھ کر رہے ہیں جو ہمارے بس میں ہے؟ یا ہم بھی تو کہیں خدانخواستہ اللہ کے عذاب کے مستحق تو نہیں بن رہے؟ یہ بارشیں، طوفان، سیلاب اور زلزلے غزہ سے متعلق ہماری بے حسی پر تنبیہ تو نہیں؟

☆☆☆☆☆

قبلۂ اوّل سے خیانت کی داستان

(مصر)

نعمان حجازی

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو مصر اور اسرائیل کے تعلقات ایک ایسی داستان رقم کرتے ہیں جو سیاسی مصلحتوں، سفارتی چال بازیوں اور مفادات کی جنگ کی عکاس ہے۔ ۱۹۷۹ء میں کیمپ ڈیوڈ معاہدے سے لے کر آج تک مصر فلسطینیوں کے زخموں پر نمک پاشی کرتا ہی نظر آیا ہے۔ غزہ پر مسلط موجودہ جنگ میں جہاں ایک طرف معصوم بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کا خون پانی کی طرح بہہ رہا ہے، تو دوسری طرف بھوک اور پیاس سے نڈھال ہڈیوں کا ڈھانچا بنے اہل غزہ، پڑوس میں بسے اپنے مسلمان مصری بھائیوں سے مدد و نصرت کے منتظر ہیں۔ لیکن مصر کی بے حسی اور خاموشی ایسی کان پھاڑ دینے والی ہے کہ اس میں اہلِ غزہ کی آہیں، چیخیں اور پکار کہیں دب کر رہ جاتی ہے۔ غزہ پر مسلط اس جنگ نے فلسطینیوں کے حوالے سے مصر کے گھناؤنے کردار کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا ہے۔

یہ تحریر اسی تلخ حقیقت کا جائزہ لیتی ہے کہ کس طرح مصر نے اپنے مفادات کو ترجیح دیتے ہوئے فلسطینیوں کے ساتھ غداری اور قبلۂ اوّل کے ساتھ خیانت کی۔

شاہ فاروق (۱۹۳۶ء تا ۱۹۵۲ء)

فلسطین میں صہیونیت کے اثر و رسوخ میں اضافہ اور بالآخر صہیونی ریاست کے قیام کے زمانے میں مصر میں خاندانِ محمد علی کی سلطنت کا دسواں بادشاہ شاہ فاروق حاکم تھا۔ جو اپریل ۱۹۳۶ء میں اپنے والد شاہ فواد کے مرنے کے بعد ۱۶ سال کی عمر میں مصر کا بادشاہ بنا۔

شاہ فاروق کے دور کے زیادہ تر عرصے میں وہ خود، اور مصری عوام بالعموم، عالم اسلام بالخصوص فلسطین کے معاملے سے پوری طرح لاتعلق تھے۔ لیکن اس صورتحال میں ۱۹۴۶ء میں تبدیلی آئی جب بیت المقدس کے مفتیٔ اعظم شیخ امین الحسینی جو مختلف یورپی ممالک میں یہود مخالف (antisemite) ہونے کے الزام میں مطلوب تھے، فرانس سے فرار ہو کر مصر آ گئے اور شاہ فاروق نے انہیں سیاسی پناہ دے دی۔

مفتیٔ اعظم امین الحسینی کی مصر میں موجودگی نے مصریوں کی توجہ مسئلہ فلسطین کی جانب مبذول کروائی، اور اس میں مزید اضافہ تب ہوا جب مفتیٔ اعظم نے اخوان المسلمون کے مرشدِ عام شیخ حسن البناء کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ اس وقت تک اخوان المسلمون مصر کی مقبول ترین جماعت بن چکی تھی اور اس کے ارکان کی تعداد دس لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی۔ مفتیٔ اعظم نے اخوان کے عوامی اجتماعات میں صہیونیت کے خلاف جہاد کی اہمیت کو اجاگر کیا جس کی وجہ سے پورے مصر میں مسئلہ فلسطین کے حوالے سے آگاہی میں اضافہ ہوا۔

نومبر ۱۹۴۷ء میں جب برطانیہ نے اعلان کیا کہ وہ فلسطین سے اپنا تسلط مئی ۱۹۴۸ء میں ختم کر رہا ہے تو اس اعلان کے فوری بعد فلسطین میں خانہ جنگی چھڑ گئی۔ صہیونی نیم فوجی دستوں نے فلسطینیوں کا قتل عام شروع کیا اور ان تمام مظالم کی خبریں مصر میں بھی پہنچنے لگیں۔

دسمبر ۱۹۴۷ء میں اخوان المسلمون نے قاہرہ میں ایک مظاہرے کا اہتمام کیا جس میں ایک لاکھ سے زائد مصریوں نے شرکت کی جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ حکومت فلسطین میں مداخلت کرے اور جاری مظالم رکروائے۔

اس عرصے میں مصر میں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ جب برطانوی فلسطین کو چھوڑیں گے اور اس کے نتیجے میں جو اسرائیلی ریاست قائم ہو گی تو نتیجے میں چھڑنے والی جنگ بہت آسان ہو گی اور مصری فوج چند ہی دنوں میں بیت المقدس پہنچ جائے گی۔

شاہ فاروق کو اپنی فتح کا اس قدر یقین تھا کہ اس نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی قاہرہ میں فتح کے جشن کی تقریبات شروع کر دیں، لیکن شاہ فاروق نے اپنے جنگ کے ارادے اپنے وزیر اعظم اور سیاسی حکومت سے مخفی رکھے۔ مئی ۱۹۴۸ء میں جنگ سے کچھ وقت قبل ہی وزیر اعظم محمود پاشا کو جنگ کا علم ہوا تو اس نے مخالفت کی اور کہا کہ مصری فوج جنگ کے لیے تیار نہیں۔ شاہ فاروق نے جواب میں کہا کہ جنگ ناگزیر ہے کیونکہ اخوان المسلمون ایک عرصے سے اسرائیل سے جنگ پر زور دے رہی ہے اور مجھے خوف ہے کہ اگر میں نے جنگ سے انکار کیا تو وہ مجھے تخت سے بے دخل کر دیں گے۔

جنگ شروع ہوئی اور مصر کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا جس کی بہت سی وجوہات میں ایک تو یہ تھی کہ مصری فوج ناتجربہ کار تھی اور اس نے جنگ میں انتہائی ناقص کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ شاہ فاروق کی کابینہ میں شامل برطانوی ’ایڈمنڈ گالہن‘ (Edmond Galhan) نے مصری فوج کو دوسری جنگِ عظیم میں اطالوی فوج کی چھوڑی ہوئی ناقص بندوقیں بیچ دیں جو جنگ کے دوران ناکارہ ثابت ہوئیں۔

جنگ میں مصری فوج کے علاوہ اخوان المسلمون کے ارکان بشمول مرشدِ عام شیخ حسن البناء نے براہ راست حصہ لیا اور مصری فوج کے برخلاف اخوان نے جنگ میں شجاعت کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں غزہ مصر کے قبضے میں آیا۔

جنگ کے وقت تک اخوان المسلمون کے ارکان کی تعداد ۲۰ لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی اور اسرائیل کے خلاف جنگ میں شجاعت کا مظاہرہ کرنے اور اس کے بعد برطانیہ سے مصر سے فوری نکل جانے کا مطالبہ کرنے کی وجہ سے اخوان المسلمون کی شہرت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

اخوان المسلمون کی یوں روز بروز بڑھتی مقبولیت ایک طرف شاہ فاروق کے اقتدار کے لیے بھی خطرہ بن رہی تھی تو دوسری طرف برطانیہ بھی شاہ فاروق پر زور دے رہا تھا کہ اخوان پر پابندی لگائی جائے۔ اس لیے شاہ فاروق نے ۹ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اخوان المسلمون پر پابندی لگا دی اور اس کے ہزاروں ارکان کو گرفتار کر لیا۔

جنوری ۱۹۴۹ء میں مصر نے اسرائیل کے ساتھ سرحدوں کے تعین کے لیے آرمسٹائس معاہدہ کر لیا جس کے نتیجے میں غزہ مصر کے پاس آیا اور باقی اسرائیل کے ساتھ سرحد کو مصر نے باقاعدہ سرحد تسلیم کر لیا۔ اس کی اخوان المسلمون نے بھرپور مخالفت کی اور شاہ فاروق کا تختہ الٹنے کی مہم شروع کر دی۔ جس کے جواب میں شاہ فاروق نے فروری ۱۹۴۸ء کو اخوان المسلمون کے مرشدِ عام شیخ حسن البناء کو پولیس کے ہاتھوں شہید کروا دیا۔ شیخ حسن البناء کی شہادت کے بعد مفتیٔ اعظم امین الحسینی بھی مصر سے نکل گئے اور لبنان منتقل ہو گئے۔

اس سب کے بعد شاہ فاروق کی شہرت تیزی سے گرنے لگی۔ ۱۹۴۸ء کی جنگ میں شکست، اور اخوان پر کریک ڈاؤن کے علاوہ اس کی بڑھتی ہوئی بدنامی کی وجہ اس کی شاہ خرچیاں بھی تھیں۔ شاہ فاروق کا شمار دنیا کے دس امیر ترین افراد میں ہوتا تھا اور اس کی دولت اور عیاشیوں کی خبریں پوری دنیا میں مشہور ہوتی تھیں۔

ان سب چیزوں کی وجہ سے ۱۹۴۸ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد مصری فوج میں حرکۃ الضباط الأحرار' (Free Officers Movement) کے نام سے ایک گروپ بن چکا تھا جس کی قیادت کرنل جمال عبد الناصر کر رہا تھا۔ یہ گروپ مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے نوجوان سرکاری اور فوجی افسران پر مشتمل تھا۔ اس گروپ کا مقصد برطانوی اثر ورسوخ اور شاہی نظام سے مکمل آزادی تھا۔ ۱۹۴۹ء میں مصری فوج کے مشہور جنرل نجیب نے اس گروپ میں شمولیت اختیار کر لی اور کرنل جمال عبد الناصر نے اسے گروپ کے ایک عوامی چہرے کے طور پر متعارف کروانے کے لیے اسے گروپ کا سربراہ بنا دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عوام نوجوانوں کے ایک گروپ کو اتنی سنجیدگی سے نہیں لے رہی تھی لیکن ایک مشہور اور پختہ عمر کے جنرل کی قیادت سے اس گروپ نے عوامی اعتماد حاصل کیا۔

۲۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو فری آفیسرز موومنٹ نے بغاوت کر دی اور صرف ۱۰۰ جونیئر افسروں کی مدد سے شاہ فاروق کا تختہ الٹ دیا اور اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ شاہ فاروق تخت سے دستبردار ہو گیا اور بادشاہت اپنے ۷ ماہ کے بیٹے فواد ثانی کے حوالے کر دی۔ ۲۶ جولائی ۱۹۵۲ء کو شاہ فاروق کو مصر سے جلاوطن کر دیا گیا۔

جمال عبد الناصر (۱۹۵۴ء تا ۱۹۷۰ء)

۱۹۵۲ء کے انقلاب کے بعد فری آفیسرز موومنٹ نے محدود وقت کے لیے سولین حکومت چلنے دی اور پھر مصر کا اقتدار فوج کے ہاتھوں میں چلا گیا اور تمام سیاسی پارٹیوں پر پابندی لگا دی گئی۔ ۱۸ جون ۱۹۵۳ء کو جمہوریہ مصر کا اعلان کر دیا گیا اور محمد نجیب اس کا پہلا صدر قرار پایا۔ لیکن مصری نظام پر صدر محمد نجیب کی بجائے 'مجلس قيادة الثورة' [Revolutionary Command Council (RCC)] کا قبضہ تھا جس کی سربراہی جمال عبد الناصر کے ہاتھ میں تھی۔ محمد نجیب نے اختیار آر سی سی سے اپنے قبضے میں لینے کی کوشش کی تو جمال عبد الناصر نے اسے اقتدار سے بے دخل ہو جانے پر زور دینا شروع کر دیا۔

۲۵ فروری ۱۹۵۴ء کو محمد نجیب نے صدر کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور جمال عبد الناصر نے اسے اس کے گھر میں قید کر دیا اور آر سی سی نے جمال عبد الناصر کو ملک کا وزیر اعظم قرار دے دیا۔ لیکن اس اقدام کے نتیجے میں ملک بھر میں احتجاج شروع ہو گیا اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ جس کے نتیجے میں جمال عبد الناصر کو اپنے فیصلے واپس لینے پڑے۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو اخوان المسلمون کے ایک رکن محمود عبد الطیف نے جمال عبد الناصر کو اس وقت قتل کرنے کی کوشش کی جب وہ برطانوی فوج کے انخلاء کی خوشی میں اسکندریہ میں تقریر کر رہا تھا اور وہ تقریر پوری عرب دنیا میں ریڈیو پر براہِ راست نشر کی جا رہی تھی۔ محمود عبد الطیف جمال عبد الناصر سے صرف ۲۵ فٹ (تقریباً ساڑھے سات میٹر) دور تھا اور اس نے جمال پر آٹھ گولیاں چلائیں۔ جن میں سے کوئی ایک بھی جمال عبد الناصر کو نہیں لگی۔ جمال عبد الناصر اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہلا اور اس کے بعد اس نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

> ”میرے ہم وطنو! میرا خون آپ کے لیے اور مصر کے لیے بہتا ہے۔ میں آپ کے لیے جیتا ہوں اور آپ کی آزادی اور وقار کے لیے مرتا ہوں۔ انہیں مجھے قتل کرنے دیں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر یہ مجھے قتل کر دیں اگر اس کے بدلے میں آپ کے اندر فخر، وقار اور آزادی پیدا کر سکوں۔ اگر جمال عبد الناصر مر جاتا ہے، تو آپ میں سے ہر کوئی جمال عبد الناصر ہو گا۔ جمال عبد الناصر آپ کے لیے ہے اور آپ میں سے ہے اور وہ اس قوم کے لیے اپنی جان بھی قربان کرنے کو تیار ہے۔“

اس وقت پورا میڈیا آر سی سی کے قبضے میں تھا اس لیے کسی میں جرأت نہیں تھی کہ اس بھونڈے ڈرامے کی حقیقت کی طرف نشاندہی کر سکتا۔ اخوان المسلمون سے تعلق رکھنے والا محمود عبد الطیف ایک ماہر نشانہ باز مانا جاتا تھا اور صرف ۲۵ فٹ کی دوری سے اس کی آٹھ گولیوں میں سے ایک بھی جمال عبد الناصر کو نہیں لگی اور اس دوران جمال عبد الناصر اپنی جگہ سے ٹس سے مس بھی نہ ہوا اور پھر ایسی سوچی سمجھی تقریر بھی کر ڈالی۔ لیکن ان سب واضح اشاروں کے باوجود اسے جمال عبد الناصر پر حقیقی حملہ تصور کر لیا گیا۔

نتیجہ وہی ہوا جس کی توقع کی جارہی تھی۔ نہ صرف مصر میں بلکہ چونکہ یہ اقدامِ قتل ایک ایسے موقع پر کیا جارہا تھا جب جمال عبد الناصر کی تقریر پوری عرب دنیا میں براہ راست نشر کی جارہی تھی، اس لیے اس واقع کے بعد جمال عبد الناصر کی شہرت پوری عرب دنیا میں آسمان سے باتیں کرنے لگی۔

اس واقع کے بعد جمال عبد الناصر نے وہ سارے اقدامات کیے جو پہلے وہ عوامی مخالفت کی وجہ سے نہیں کر پا رہا تھا۔ قاہرہ واپسی کے بعد اس نے مصر کی تاریخ کا سب سے بڑا کریک ڈاؤن کیا اور ہزاروں کی تعداد میں اخوان المسلمون کے ارکان اور اپنے دیگر مخالفین بھی گرفتار کر لیے۔ فوج میں نجیب کے وفادار ۱۴۰ افسروں کو برطرف کر دیا، اخوان المسلمون کے ۸ قائدین کو سزائے موت سنادی جبکہ سید قطب کو ۱۵ سال کی قید سنادی گئی۔[1] نجیب کو صدر کے عہدے سے ہٹا کر اسے گھر میں قید کر دیا، اور اس بار نہ عوام میں سے اور نہ ہی فوج میں سے کوئی اس کے دفاع کے لیے اٹھا۔ اور اس طرح جمال عبد الناصر مصر کا بے تاج بادشاہ بن گیا۔

۲۸ فروری ۱۹۵۵ء کو اسرائیلی فوجی دستوں نے غزہ کی پٹی پر حملہ کر دیا۔ لیکن جمال عبد الناصر کی نظر میں مصری فوج ابھی تصادم کے لیے تیار نہیں تھی اس لیے اس نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کی۔ اس کے اس طرح کوئی جواب نہ دینے سے جمال عبد الناصر کے تحت مصری فوج ناکارہ فوج کے طور پر بدنام ہوئی اور جمال عبد الناصر کی بڑھتی شہرت میں بھی کمی آئی۔ اس مسئلے کے حل کے لیے جمال عبد الناصر نے آبنائے تیران سے اسرائیلی بحری جہازوں کے گزرنے پر پابندی لگا دی جبکہ خلیج عقبہ کی فضائی حدود سے اسرائیلی ہوائی جہازوں کے گزرنے پر بھی پابندی لگادی۔

اس سے چند دن قبل ہی ۲۴ فروری ۱۹۵۵ء کو پاکستان، ایران، ترکی اور برطانیہ کے درمیان معاہدۂ بغداد طے پایا تھا جس کے ذریعے پاکستان، ایران اور ترکی سوویت یونین کے مشرقی بلاک کے مقابلے میں مغرب کے حلیف بن گئے تھے۔ جمال عبد الناصر کی نظر میں یہ معاہدہ مشرقِ وسطیٰ سے مغربی اثر و رسوخ کو ختم کرنے کی راہ میں رکاوٹ تھا اور اس کا مقصد عرب لیگ کی حیثیت کو کمزور کرنا اور عربوں کو صہیونیوں اور مغربی استعمار کا غلام بنانا تھا۔ اس کے نتیجے میں جمال عبد الناصر کا جھکاؤ مشرقی بلاک یعنی سوویت یونین کی جانب ہونا شروع ہو گیا اور اس نے چیکوسلواکیا کے ساتھ اسلحے کی خریداری کا ایک بڑا معاہدہ کیا۔ اس کے علاوہ اس نے سرد جنگ میں مصر کی جانب سے غیر جانبداری کا اعلان کیا۔

سرد جنگ میں غیر جانبداری کا اعلان کرنے اور سوویت بلاک کی جانب جھکاؤ کے سبب امریکہ اور برطانیہ نے مصر کے سب سے بڑے منصوبے اسوان ڈیم میں سرمایہ لگانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس فیصلے نے جمال عبد الناصر کو سیخ پا کر دیا اور اس نے نہر سوئز کو نیشنلائز کرنے کے اپنے پرانے ارادے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

۲۶ جولائی ۱۹۵۶ء کو سکندریہ میں اپنی ایک تقریر کے دوران جمال عبد الناصر نے نہر سوئز کو نیشنلائز کرنے کا اعلان کر دیا تاکہ اسوان ڈیم کے منصوبے کو ضروری سرمایہ فراہم کیا جا سکے۔ اس فیصلے کے ساتھ ہی جمال عبد الناصر نے تمام اسرائیلی بحری جہازوں کے نہر سوئز سے گزرنے پر پابندی لگادی۔

سوئز کینال کمپنی میں فرانس اور برطانیہ سب سے بڑے شیئرز ہولڈر تھے اور جمال عبد الناصر کو علم تھا کہ وہ عسکری ذریعے سے نہر سوئز پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن اکتوبر ۱۹۵۶ء میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے قرارداد منظور کی جس کے مطابق مصر کو نہر سوئز کو نیشنلائز کرنے کا حق حاصل ہے جب تک کہ وہ بیرونی ممالک کے جہازوں کو وہاں سے گزرنے دے۔ اس قرارداد کی وجہ سے جمال عبد الناصر کی نظر میں نہر سوئز پر حملے کے امکانات بہت کم رہ گئے تھے۔ لیکن برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے اسی عرصے میں ایک خفیہ معاہدہ کیا جس کا مقصد نہر سوئز اور اس سے ملحقہ علاقوں پر قبضہ اور جمال عبد الناصر کا تختہ الٹنا تھا۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو اسرائیلی فوج صحرائے سینا میں داخل ہو گئی اور مصری فوج کی پوسٹوں پر قبضہ کر لیا اور تیزی سے اپنے ہدف کی جانب بڑھنے لگی۔ دو دن بعد برطانیہ اور فرانس نے نہر سوئز کے علاقے میں موجود مصری فضائیہ کے اڈوں پر بمباری شروع کر دی۔ جمال عبد الناصر نے صحرائے سینا سے فوج نکالنے کا اور نہر سوئز کا دفاع مضبوط کرنے کا حکم دیا۔ اس حکم کے باوجود اسرائیلی فوج سے لڑتے ہوئے دو ہزار مصری فوجی ہلاک ہوئے جبکہ پانچ ہزار مصری فوجی اسرائیلی فوج کے قیدی بن گئے اور صحرائے سینا آسانی سے اسرائیلی فوج کے قبضے میں چلا گیا۔ مصری فوج کے سربراہ عبد الحکیم عامر نے جمال عبد الناصر کو مشورہ دیا کہ وہ برطانیہ اور فرانس کے آگے ہتھیار ڈال دے۔ مصری فوج پہلے ہی ہتھیار ڈالنے کو تیار تھی۔ لیکن جمال عبد الناصر نے اپنی حکمت عملی تبدیل کی، مصری فوج کی ناقص کارکردگی کو دیکھتے ہوئے اس نے چالیس ہزار بندوقیں رضاکاروں کو دینے کا حکم دیا اور اس طرح پورے مصر میں سینکڑوں نیم فوجی دستے تیار ہو گئے۔

جمال عبد الناصر نے پوری توجہ نہر سوئز پر واقع اہم ترین مقام پورٹ سعید پر مرکوز کی کیونکہ نہر سوئز پر قبضہ کرنے کے لیے فرانسیسی اور برطانوی فوجوں نے یہیں اترنا تھا۔ جمال عبد الناصر نے ایک بٹالین فوج اور سینکڑوں رضاکار اس شہر کی حفاظت کے لیے بھیج دیے۔ ۵ اور ۶ نومبر کو جب برطانوی اور فرانسیسی افواج پورٹ سعید میں اتریں تو ایک بار پھر مصری فوج آغاز میں ہی ہتھیار ڈالنے کو اور جنگ بندی کے لیے تیار تھی۔ لیکن برطانوی اور

[1] قید کے دس سال بعد مئی ۱۹۶۴ء میں سید قطب کو رہا کر دیا گیا۔ لیکن ۹ اگست ۱۹۶۵ء کو انہیں ’معالم فی الطریق‘ لکھنے کی وجہ سے، جو کہ انہوں نے دراصل جیل میں ہی لکھی تھی، دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر مقدمہ چلایا گیا جس کے نتیجے میں انہیں اور اخوان المسلمون کے چھ دیگر ارکان کو سزائے موت سنادی گئی۔ ۲۹ اگست ۱۹۶۶ء کو انہیں پھانسی دے دی گئی۔

فرانسیسی افواج کو رضاکاروں کی طرف سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور شہر کی گلیوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ ۷ نومبر تک برطانوی و فرانسیسی مشترکہ دستوں نے زیادہ تر شہر کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ اس جنگ میں ایک ہزار کے قریب مصری ہلاک ہوئے۔ امریکی حکومت نے تینوں ملکوں کے مشترکہ حملے کی شدید مذمت کی اور مطالبہ کیا کہ تمام افواج مصر سے انخلا کر دیں اور اقوام متحدہ کی ایمرجنسی فورس کو صحرائے سینا میں تعینات کر دیا جائے۔ اس کے بعد دسمبر کے اختتام تک تمام برطانوی و فرانسیسی افواج مصری حدود سے نکل گئیں جبکہ اسرائیل نے مارچ ۱۹۵۷ء تک صحرائے سیناء سے مکمل انخلاء کر لیا اور تمام مصری قیدی رہا کر دیے۔ ۸ اپریل ۱۹۵۷ء تک نہرِ سوئز دوبارہ کھول دی گئی اور اس سے قبل آبنائے تیران پر سے اسرائیلی بحری جہازوں کے گزرنے پر اور خلیج عقبہ سے اسرائیلی ہوائی جہازوں کے گزرنے پر لگی پابندی بھی اٹھالی گئی تھی۔ اور صحرائے سینا میں اقوام متحدہ کی ایمرجنسی فورس تعینات کر دی گئی۔

مئی ۱۹۶۷ء میں سوویت یونین نے مصر کو شام پر اسرائیلی حملے کے حوالے سے خبردار کیا۔ اس سے قبل اردن کے شاہ حسین نے بھی اطلاع بھیجی تھی کہ امریکہ کی سرپرستی میں اسرائیل مصر کو جنگ میں دھکیلنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اس کے جواب میں عبد الحکیم عامر نے صحرائے سینا میں فوجی دستے تعینات کرنا شروع کر دیے اور جمال عبد الناصر نے اقوام متحدہ کی ایمرجنسی فورس کو وہاں سے نکلنے کا کہہ دیا۔

۲۱ مئی کو عامر نے جمال عبد الناصر کو آبنائے تیران بند کرنے کا مشورہ دیا۔ جمال کے نزدیک اسرائیل اسے اعلان جنگ کے مترادف تصور کرے گا اور وہ ایسا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ اپنی فوج کی نا اہلی سے اچھی طرح واقف تھا۔ لیکن پھر جمال عبد الناصر کو اتنا اعتماد تھا کہ مصری فوج کی اسرائیلی فوج پر عددی برتری ہونے کے سبب مصر اسرائیلی فوج کو دو ہفتوں تک روک سکتا ہے اور اتنے عرصے میں سفارتی کوششوں کے ذریعے جنگ بندی کی جا سکے گی۔ اس چیز کو مد نظر رکھتے ہوئے جمال عبد الناصر نے ۲۲ اور ۲۳ مئی کے درمیان آبنائے تیران سے اسرائیلی جہازوں کے گزرنے پر پھر سے پابندی لگا دی۔ ۳۰ مئی کو اردن نے بھی مصر اور شام کے ساتھ اسرائیل کے خلاف جنگ کے لیے اتحاد کر لیا۔

۵ جون کو اسرائیلی فضائیہ نے مصری فضائیہ کے اڈوں پر بمباری کر دی جس سے زیادہ تر مصری فضائیہ تباہ ہو گئی۔ اسی دن اسرائیلی بکتر بند گاڑیوں نے مصر کا دفاعی حصار توڑ دیا اور صحرائے سینا کے علاقے العریش پر قبضہ کر لیا۔ اگلے ہی دن عبد الحکیم عامر نے جمال عبد الناصر کو بتائے بغیر صحرائے سینا سے ساری فوج کو نکالنے کا حکم دے دیا اور اس طرح جلد ہی اسرائیل غزہ کی پٹی اور صحرائے سینا مصر سے، مغربی کنارہ اردن سے جبکہ گولان کی پہاڑیاں شام سے قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

جنگ کے پہلے دو دن تک مصری ریڈیو جھوٹے دعوے کرتا رہا کہ مصر کو اسرائیل پر فتح حاصل ہو رہی ہے اور اسرائیل کی فضائیہ کو ناکارہ بنا دیا گیا ہے۔ لیکن ۹ جون کو جمال عبد الناصر نے ٹی وی پر آکر مصر کی شکست کا اعلان کر دیا اور کہا: "ہم اس حقیقت سے آنکھیں نہیں بند کر سکتے کہ پچھلے چند دنوں میں ہمیں شدید نقصان اٹھانا پڑا ہے"۔ اور اس کے ساتھ اس نے ٹی وی پر استعفیٰ بھی دے دیا۔

مصر میں جمال عبد الناصر کے استعفیٰ کے خلاف مظاہرے ہوئے جس کے نتیجے میں جمال عبد الناصر نے اپنا استعفیٰ واپس لے لیا۔

جنگ کے فوراً بعد جمال عبد الناصر نے امریکہ سے تعلقات منقطع کر دیے۔ اس جنگ میں شکست نے جمال عبد الناصر کو ذہنی طور پر بھی شکست خوردہ کر دیا اور اس کے اندر پورے عالمِ عرب کی قیادت کرنے والی پہلی سی خو باقی نہ رہی۔ نومبر میں اس نے اقوام متحدہ کی قرارداد نمبر ۲۴۲ قبول کر لی جس میں اسرائیل سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ جنگ میں قبضے میں لیے گئے علاقوں سے دستبردار ہو جائے۔ اس قرارداد کا قبول کرنا ایک علامت تھی کہ اب جمال عبد الناصر کو پورے فلسطین کی آزادی سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رہی۔ اس کے بعد جمال عبد الناصر نے فلسطینی رہنما یاسر عرفات کو مشورہ دیا کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کرنے اور اس کے ساتھ امن معاہدہ کرنے کے حوالے سے سوچے اس بنیاد پر کہ مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی پر مشتمل ایک فلسطینی ریاست قائم کر دی جائے اور باقی پورے فلسطین پر اسرائیلی ریاست کا وجود تسلیم کر لیا جائے۔ اس طرح سے جمال عبد الناصر نے پہلی بار اسرائیل کو تسلیم کرنے اور مقبوضہ فلسطین سے دستبردار ہو جانے کی بات کی۔

۲۸ ستمبر ۱۹۷۰ء کو دل کا دورہ پڑنے سے جمال عبد الناصر کی موت واقع ہو گئی۔

جمال عبد الناصر ایک سیکولر اور عرب قوم پرستی کا علمبردار رہنما تھا۔ اپنے دورِ اقتدار میں فلسطین سے اس کی دلچسپی کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود کو پورے عالم عرب کا رہنما تصور کرتا تھا اور عرب سرزمین کا غیر عرب کے قبضے میں جانا قبول نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن وہ ساتھ میں اسلام دشمن بھی تھا۔ اس نے اپنے دور میں ملک سے اسلامی ثقافت تک کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی۔ اسلام پسندوں بشمول اخوان المسلمون کے ہزاروں کارکنوں کو جیلوں میں ڈالا، اور ان کے قائدین بشمول سید قطب کو پھانسی دی۔ اسی نے فراعنہ کے مصر کے تاریخی بادشاہ ہونے پر فخر کو فروغ دیا اور ملک کی اسلامی تاریخ سے مصر کو کاٹنے کی کوشش کی۔ اپنے پورے دور اقتدار میں ۱۹۶۷ء تک اس نے اتنا ضرور ثابت کیا کہ وہ ایک بہادر جرنیل ہے لیکن اس میں وہ اکیلا ہی تھا جبکہ اس کی فوج بدترین درجے کی نا اہل اور بزدل فوج رہی جس کا ثبوت اس نے ۱۹۴۸ء کی جنگ سے لے کر ۱۹۶۷ء کی جنگ تک بار بار دیا۔

جمال عبد الناصر کی یہ شخصیت تھی جس کی وجہ سے آج تک عالم عرب میں اسلام پسند اسے ایک ظالم و جابر آمر جبکہ سیکولر طبقہ اسے پورے عالم عرب کا قائد تصور کرتے آئے ہیں۔

انور سادات (۱۹۷۰ء تا ۱۹۸۱ء)

جمال عبد الناصر کے مرنے کے بعد نائب صدر انور سادات کو ملک کا عبوری صدر بنا دیا گیا جسے بعد میں مستقل حیثیت دے دی گئی۔

مئی ۱۹۷۱ء میں انور سادات نے ''اصلاحی انقلاب'' کا اعلان کیا اور حکومت اور سیکورٹی اداروں سے جمال عبد الناصر کے حامیوں اور اس کے نظریات کے حامل لوگوں کو نکالنا شروع کر دیا اور دوسرے نائب صدر علی صابری اور وزیر داخلہ شاروی جمعہ، جس کے دائرہ اختیار میں خفیہ پولیس تھی، کو گرفتار کر لیا۔ اس کے علاوہ اس نے سوویت یونین کے فوجیوں اور دفاعی مشیران کو ملک بدر کر دیا اور مصر کو سوویت یونین کے کیمپ سے باہر نکال لیا۔

۱۹۷۱ء میں ہی اس نے اقوام متحدہ کو خط لکھ کر یہ تجویز پیش کی کہ اسرائیل ۱۹۶۷ء کی جنگ کی حدود پر واپس لوٹ جائے تو دونوں ملکوں کے درمیان مستقل امن معاہدہ کر لیا جائے اور مصر اسرائیل کی حیثیت کو تسلیم کر لے گا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی بھی عرب ریاست نے اسرائیل کو تسلیم کرنے کی تجویز رکھی تھی۔ لیکن امریکہ اور اسرائیل دونوں نے یہ تجویز مسترد کر دی۔ فروری ۱۹۷۳ء میں انور سادات نے امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر کے توسط سے ایک بار پھر اسرائیلی وزیر اعظم گولڈا میئر کو اسرائیل اور مصر کے درمیان سابقہ شرط پر امن معاہدے کی تجویز بھیجی جو ایک بار پھر اسرائیل نے مسترد کر دی۔

اس کے بعد انور سادات نے شام کے حافظ الاسد کے ساتھ مل کر اسرائیل کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں جن کا مقصد ۱۹۶۷ء کی جنگ میں مصر اور شام کے علاقے جو اسرائیل کے قبضے میں چلے گئے تھے ان کو واپس لینا تھا۔

ستمبر ۱۹۷۳ء کو اردن کا شاہ حسین سکندریہ میں انور سادات اور حافظ الاسد سے ملاقات کے لیے آیا۔ دونوں رہنماؤں نے شاہ حسین کو اسرائیل کے خلاف جنگ میں شمولیت کا کہا جس کا اس نے انکار کر دیا۔ واپس جانے کے بعد ۲۵ ستمبر کی رات شاہ حسین خفیہ طور پر تل ابیب پہنچا اور اسرائیلی وزیر اعظم گولڈا میئر کو مصر اور شام کے ارادوں سے آگاہ کر دیا۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو مصر اور شام نے مشترکہ طور پر اسرائیل کے خلاف جنگ کا آغاز کر دیا۔ ابتدائی طور پر مصری افواج پیش قدمی کر رہی تھی اور وہ نہر سوئز عبور کر کے مقبوضہ صحرائے سینا میں ۱۵ کلومیٹر اندر تک گھس گئی لیکن پھر ایریل شیرون کی قیادت میں اسرائیلی فوج نہر سوئز پار کرنے میں کامیاب ہو گئی اور اس نے مصری فوج کا گھیراؤ کرنا شروع کر دیا۔ ۲۴ اکتوبر تک اسرائیلی فوج نے مصری فوج کو پوری طرح سے گھیر لیا تھا۔ ۲۵ اکتوبر کو امریکہ اور سوویت یونین کی ثالثی میں اسرائیل اور مصر کے درمیان جنگ بندی ہو گئی۔ جنگ بندی کے وقت اسرائیلی فوج مصر میں قاہرہ سے ۱۰۱ کلومیٹر کے فاصلے پر جبکہ شام میں دمشق سے ۴۰ کلومیٹر کے فاصلے پر پہنچ چکی تھی۔ اسرائیلی فوج نے جنگ کے اختتام پر نہر سوئز کے مغربی کنارے کی جانب بھی ۱۶۰۰ مربع کلومیٹر کا علاقہ قبضہ کر لیا اور قاہرہ سوئز شاہراہ کو کاٹ دیا۔

اس جنگ کے دوران امریکہ نے اسرائیل کی مدد کے لیے ۵۶۷ فضائی مشن میدان جنگ میں بھیجے جنھوں نے اسرائیلی فوج کو ۲۲ ہزار ۳۹۵ ٹن جنگی ساز و سامان فراہم کیا۔ جو اسرائیل کی مصر اور شام کے دونوں محاذوں پر فتح کا سبب بنا۔

جنگ بندی کے بعد ہنری کسنجر نے دونوں فریقوں کے درمیان جنگ بندی معاہدے کے لیے کوششیں شروع کیں جس کے نتیجے میں ۱۹ جنوری ۱۹۷۴ء کو مصر اور اسرائیل کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ طے پا گیا۔ معاہدے کے تحت اسرائیل نے نہر سوئز کے مغربی کنارے پر قبضے میں لیے گئے علاقے واپس کر دیے اور واپس نہر کے مشرقی کنارے پر آ گیا۔ علاوہ ازیں نہر سوئز کے دونوں جانب دس دس کلومیٹر کے علاقے کو اقوام متحدہ کی زیر نگرانی بفر زون قرار دے دیا گیا۔

۴ ستمبر ۱۹۷۵ء کو جنیوا میں اسرائیل اور مصر کے درمیان ایک اور معاہدہ طے پایا جس میں اسرائیل نہر سوئز کے قریب کے مزید ۲۰ سے ۴۰ کلومیٹر کے علاقے سے پیچھے ہٹنے اور اس کو اقوام متحدہ کی زیر نگرانی بفر زون بنانے پر راضی ہو گیا۔

۱۹۷۳ء کی جنگ کے بعد کے ان امن مذاکرات میں مصر کے مغرب سے تعلقات مضبوط تر ہوتے چلے گئے اور شام اور فلسطینی اتھارٹی سے اس کے تعلقات کمزور ہوتے چلے گئے۔

نومبر ۱۹۷۷ء میں مصری صدر انور سادات نے یروشلم کا دورہ کیا اور اسرائیلی پارلیمنٹ میں تقریر کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی عرب رہنما نے اسرائیل کا دورہ کیا تھا۔ انور سادات نے اپنی تقریر میں کہا:

> ''میں آج آپ کے پاس ٹھوس بنیادوں پر ایک نئی زندگی تشکیل دینے اور امن قائم کرنے کے لیے آیا ہوں۔
>
> ......ہم آپ کو ہمارے درمیان رہنے کی دعوت دیتے ہیں، مستقل امن میں جو انصاف پر مبنی ہو۔ ہم مصر اور اسرائیل کے درمیان الگ امن نہیں چاہتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ انصاف جامع اور مستقل ہو اور فلسطینی عوام کے حقوق کو مد نظر رکھتے ہوئے ہو۔
>
> ......اپنی بات ختم کرتے ہوئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ آیئے ہم سب مل کر اس سفر پر روانہ ہوں۔ ہم سب مل کر ایک مستقبل تعمیر کریں جہاں ہمارے بچے امن، سلامتی اور باہمی احترام میں پل سکیں۔ ہم دنیا کو دکھائیں کہ سب سے بڑے دشمن بھی انصاف اور امن کے تعاقب میں دوست بن سکتے ہیں۔''

۵ ستمبر سے ۱۷ ستمبر ۱۹۷۸ تک امریکہ میں کیمپ ڈیوڈ کے مقام پر امریکی ثالثی میں اسرائیل اور مصر کے درمیان امن معاہدے پر مذاکرات ہوئے۔ ان مذاکرات میں مصری صدر انور سادات، اسرائیلی وزیر اعظم مینیخم بیگن اور امریکی صدر جمی کارٹر نے شرکت کی۔

ان مذاکرات میں اسرائیل مکمل صحرائے سینا سے انخلاء پر راضی ہو گیا۔ دونوں ملک آپس میں سفارتی تعلقات قائم کرنے پر راضی ہوئے۔ مصر نے اگرچہ غیر رسمی طور پر مصری صدر کے یروشلم دورے کے ساتھ اسرائیل کی حیثیت کو تسلیم کر لیا تھا لیکن ان مذاکرات کے ذریعے مصر باضابطہ طور پر اسرائیل کی رسمی حیثیت قبول کرنے پر راضی ہو گیا۔ اور اس طرح وہ اسرائیل کو بطور ملک تسلیم کرنے والا پہلا عرب ملک بن گیا۔

۱۹۷۸ میں مصری صدر انور سادات اور اسرائیلی وزیر اعظم مینیخم بیگن کو اسرائیل اور مصر کے درمیان امن مذاکرات کی وجہ سے امن کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔

ان مذاکرات کے نتیجے میں ۲۶ مارچ ۱۹۷۹ء کو اسرائیل اور مصر کے درمیان امن معاہدے پر دستخط ہوئے۔ اس معاہدے کے تحت درج ذیل امور طے پائے:

- دونوں ملکوں کے درمیان ۱۹۴۸ء سے جاری حالتِ جنگ کا خاتمہ ہوا اور دونوں ملکوں نے ایک دوسرے کی حیثیت کو قبول کر لیا۔
- اسرائیل صحرائے سینا سے مکمل انخلاء پر راضی ہو گیا اور ۲۵ اپریل ۱۹۸۲ء تک مکمل طور پر صحرائے سینا سے نکل گیا۔
- مصر اور اسرائیل کے درمیان اس معاہدے کے بعد طے پانے والی سرحد کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لیا گیا جس میں صحرائے سینا مصر کے پاس جبکہ غزہ اسرائیل کے پاس تھا۔ لیکن غزہ کے علاقے رفح کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا جن میں سے ایک غزہ میں اسرائیلی قبضے میں چلا گیا جبکہ دوسرا سرحد پار صحرائے سینا میں مصری عمل داری میں چلا گیا۔
- دونوں ملک ایک دوسرے کے ساتھ سفیروں کے تبادلے اور مکمل سفارتی تعلقات قائم کرنے پر رضامند ہوئے۔
- اسرائیلی بحری جہازوں کو نہر سوئز، آبنائے تیران اور خلیج عقبہ میں آمد و رفت کی مکمل آزادی مل گئی۔
- صحرائے سینا کے اسرائیلی سرحد کے قریبی علاقے سمیت ایک بڑے حصے کو غیر فوجی علاقہ قرار دیا گیا جہاں پر مصر کو اپنی فوجیں رکھنے پر پابندی تھی۔
- اس خطے میں اقوام متحدہ کا امن مشن غیر فوجی علاقے کی نگرانی کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔
- اسرائیل کو صحرائے سینا میں پیشگی وارننگ کے لیے دو سٹیشن بنانے کی اجازت دے دی گئی۔

فلسطین کے حوالے سے مصر کی طرف سے معاہدے سے قبل، اس کے دوران اور بعد میں بلند و بانگ دعوے تو بہت کیے گئے لیکن معاہدے میں فلسطینیوں کے حوالے سے کوئی شق شامل نہیں کی گئی۔ معاہدے سے واضح تھا کہ مصر صرف صحرائے سینا واپس لینے کے لیے باقی سب کچھ قبول کرنے کو تیار تھا۔

اس معاہدے کے بعد انور سادات مصر کے اندر، عرب ممالک اور پورے عالم اسلام میں بہت بدنام ہوا اور مصر میں اس کے خلاف نفرت بڑھنے لگی۔ عرب لیگ نے مصر کی رکنیت ختم کر دی اور عرب لیگ کا ہیڈ کوارٹر قاہرہ سے تیونس منتقل کر دیا۔

جون ۱۹۸۱ء میں انور سادات کے خلاف ایک فوجی بغاوت کی کوشش کی گئی لیکن وہ ناکام بنا دی گئی۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو ایک فوجی پریڈ کے دوران مصری فوج کے لیفٹیننٹ خالد اسلامبولی نے سٹیج کے سامنے سے گزرتے ہوئے اپنی رائفل کا رخ انور سادات کی طرف کیا اور پورا میگزین اس پر خالی کر دیا جس سے انور سادات کی موت واقع ہو گئی۔

انور سادات کے جنازے کی خاص بات یہ تھی کہ اس جنازے میں امریکہ کے تین صدور، جیرالڈ فورڈ، جمی کارٹر اور رچرڈ نکسن نے اور اسرائیلی وزیر اعظم مینیخم بیگن نے بھی شرکت کی جب کہ پوری اسلامی دنیا سے صرف سوڈان کے صدر جعفر نمیری، صومالیہ کے صدر زیاد بری اور عمان کے سلطان قابوس نے ہی شرکت کی۔

حسنی مبارک (۱۹۸۱ء تا ۲۰۱۱ء)

انور سادات کے مارے جانے کے بعد نائب صدر حسنی مبارک مصر کا چوتھا صدر بنا۔ حسنی مبارک کا دور جمال عبد الناصر اور انور سادات دونوں کے ادوار کی پالیسیوں کا امتزاج تھا۔ حسنی مبارک نے انور سادات کی طرح اپنا جھکاؤ مغرب کی جانب ہی رکھا لیکن ساتھ ہی ساتھ سوویت یونین کے ساتھ بھی تعلقات بحال کیے اور مصر کو عرب دنیا میں دوبارہ سے مرکزی حیثیت دلانے کے لیے بھی کوشش کی۔ حسنی مبارک نے صدر بننے کے بعد پہلی ترجیح عرب لیگ کی رکنیت واپس لینے کو دی اور عرب ممالک کے حکمرانوں سے رابطے شروع کیے۔

۱۹۷۹ء میں ایران میں خمینی انقلاب کے بعد ایران نے پوری امت مسلمہ کی قیادت کا دعویٰ شروع کر دیا تھا اور خمینی عرب ممالک کی بادشاہتوں کا تختہ الٹ کر وہاں ایرانی طرز کا انقلاب لانے کے عزائم کا اظہار بھی کر رہا تھا۔ عرب حکمران ان عزائم سے خوفزدہ تھے اور مصر نے اس خوف کو کیش کروانے کی کوشش کی۔ ایران عراق جنگ کے دوران بھی مصر نے عراق کی بھرپور معاشی مدد کی۔ ایران کے خطرے نے مسئلہ فلسطین کو عرب ممالک کے لیے پس منظر میں ڈال دیا اور انہیں مصر ایران کے مقابلے کے لیے بہتر حلیف نظر آنے لگا۔

حسنی مبارک کے سعودی عرب کے شاہ فہد کے ساتھ صدر بننے سے پہلے سے ہی قریبی تعلقات تھے۔ صدر بننے کے بعد حسنی مبارک نے شاہ فہد کو مسئلہ فلسطین کے لیے اپنی تجویز پیش کی کہ اگر اسرائیل مغربی کنارے اور غزہ پر مشتمل ایک فلسطینی ریاست کے قیام پر راضی ہو جائے تو تمام عرب ممالک اسرائیل کو تسلیم کر لیں۔ شاہ فہد نے یہ تجویز ۱۹۸۲ء

میں سعودی عرب میں ہونے والے عرب لیگ کے اجلاس میں پیش کی۔ یہ پہلا موقع تھا جب تمام عرب ممالک نے سنجیدگی سے اسرائیل کی حیثیت تسلیم کرنے پر غور کیا۔

حسنی مبارک نے فلسطینی آزادی کی تنظیم PLO کے ساتھ بھی دوبارہ تعلقات بحال کیے اور دسمبر ۱۹۸۳ء میں یاسر عرفات کو قاہرہ میں ایک اجلاس میں شرکت کے لیے بلایا۔ اس وقت کے بعد سے مصر PLO کا بنیادی حلیف بن گیا۔ اس طرح اپنی پالیسیوں کے ذریعے سے حسنی مبارک نے مصر کو عرب دنیا میں دوبارہ مرکزی حیثیت دلائی جس کے نتیجے میں ۱۹۸۹ء میں عرب لیگ نے مصر کی نا صرف رکنیت بحال کر دی بلکہ لیگ کا ہیڈ کوارٹر بھی واپس قاہرہ منتقل کر دیا۔

حسنی مبارک نے ۱۹۸۲ء میں عرب لیگ میں پیش کی گئی اپنی مسئلہ فلسطین کے حل کی تجویز پر عمل درآمد کے لیے سفارتی کوششیں جاری رکھیں۔ ۱۹۹۱ء میں امریکہ اور سوویت یونین نے مشترکہ طور پر سپین کے شہر میڈرد میں مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے کانفرنس منعقد کی جس میں اسرائیل، مصر سمیت مختلف عرب ممالک اور ساتھ میں PLO کو بھی مدعو کیا گیا۔ اس کانفرنس کے بعد اسرائیل اور PLO کے درمیان تین مختلف ادوار میں مذاکرات ہوئے جن کے تحت اسرائیل اور PLO کے درمیان معاہدوں پر دستخط ہوئے۔ جن میں سے پہلا ناروے کے شہر اوسلو میں ۱۹۹۳ء میں، دوسرا ۱۹۹۴ء میں مصر کے دار الحکومت قاہرہ میں جبکہ تیسرا ۱۹۹۵ء میں مصر میں صحرائے سینا کے شہر طابا میں طے ہوا۔ ان معاہدوں میں مسئلہ فلسطین کے لیے دوریاستی حل پر اتفاق ہوا، اسرائیل نے PLO کی رسمی حیثیت کو تسلیم کر لیا اور اسے فلسطینی اتھارٹی بنا دیا گیا۔ جبکہ بدلے میں PLO نے اسرائیل کی رسمی حیثیت کو تسلیم کر لیا اور اسرائیل کے خلاف ہر طرح کی ''دہشت گردی'' اور ''تشدد'' کی بھرپور مذمت کی۔

PLO کے اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ کر لینے کے بعد فلسطین میں حماس کی مقبولیت میں اضافہ ہونے لگا اور وہ فلسطین میں مزاحمت کی نمائندہ تنظیم سمجھی جانے لگی۔ چونکہ حماس کے مصر کی اخوان المسلمون کے ساتھ قریبی تعلقات تھے اس لیے حماس کے قیام سے ہی حسنی مبارک اس کا مخالف تھا اور PLO اسرائیلی معاہدے کے بعد مصر نے ۱۹۹۶ء سے باقاعدہ طور پر اسرائیل کے ساتھ حماس کے خلاف انٹیلی جنس شیئرنگ کا آغاز کیا۔

ستمبر ۲۰۰۰ء میں ایریل شیرون کے مسجد اقصیٰ میں داخلے کے خلاف بیت المقدس میں احتجاج شروع ہوا جو جلد ہی دوسرے انتفاضہ کی شکل اختیار کر گیا۔ اور پورے فلسطین میں اسرائیلی فورسز اور فلسطینیوں کے درمیان جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ حسنی مبارک نے امریکہ کے ساتھ مل کر ہنگامی طور پر مصر کے ساحلی شہر شرم الشیخ میں اجلاس بلوایا جس میں حسنی مبارک کے علاوہ امریکی صدر بل کلنٹن، اسرائیلی وزیر اعظم ایہود بارک، فلسطینی اتھارٹی کے سربراہ یاسر عرفات، یورپی یونین کے نمائندے، اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل کوفی عنان اور روسی وزیر خارجہ نے شرکت کی۔

اس ہنگامی اجلاس میں فلسطینی اتھارٹی اور اسرائیل کے درمیان جھڑپیں بند کرنے اور اسرائیلی سیکیورٹی فورسز کے فلسطینی علاقوں سے نکل جانے پر اتفاق ہوا۔ بدلے میں یاسر عرفات نے یقین دہانی کروائی کہ فلسطینی اتھارٹی فلسطینیوں کی جانب سے اسرائیلی فورسز پر حملے روکنے کے لیے اسرائیلی فورسز کے ساتھ مکمل تعاون کرے گی۔

لیکن یہ معاہدہ دوسرے انتفاضہ کو روکنے میں ناکام رہا جو ۲۰۰۵ء تک جاری رہا۔ اس عرصے میں مصر نے غزہ کے علاقے میں حماس کی سرگرمیوں کے خلاف اسرائیل کے ساتھ انٹیلی جنس تعاون جاری رکھا۔

۲۰۰۵ء میں جب اسرائیل نے غزہ سے مکمل انخلاء کر لیا تو مصر کی جانب سے رفح کراسنگ پر سیکیورٹی تعاون کی مکمل یقین دہانی کروائی گئی اور مصر نے رفح کراسنگ پر آمد و رفت کو کنٹرول کرنے اور اسلحے کی ترسیل کو روکنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ حسنی مبارک نے مصر اور غزہ کے درمیان ۱۲ کلومیٹر لمبی سرحد پر اپنے بارڈر سیکیورٹی دستے تعینات کیے۔ غزہ سے نکلنے کے بعد اسرائیل نے غزہ کا مکمل محاصرہ کر لیا اور ضروریات زندگی کی اشیاء کی غزہ ترسیل پر پابندیاں عائد کر دیں۔ دوسری طرف حسنی مبارک نے بھی غزہ میں جانے والی اشیاء کی رفح کراسنگ سے داخلے پر پابندی لگا دی اور رفح کراسنگ کی بجائے اسے کرم شالم کراسنگ سے بھیجنا شروع کیا جو کہ اسرائیل کے قبضے میں تھا۔ تاکہ مصر کی طرف سے بھی غزہ میں کوئی سامان اسرائیل کی مرضی کے بغیر نہ جاسکے۔ اس کے بعد مستقل اسرائیل کی جانب سے غزہ میں فضائی حملے کیے جاتے رہے جبکہ حماس اسرائیل پر راکٹ حملے کرتی رہی۔

جون ۲۰۰۸ء میں حسنی مبارک نے حماس اور اسرائیل کے درمیان ایک معاہدے کی ثالثی کی جس میں طے ہوا کہ حماس اسرائیل پر راکٹ حملے نہیں کرے گی اور اسرائیل غزہ میں فضائی بمباری نہیں کرے گا جبکہ غزہ کا محاصرہ بتدریج ختم کیا جائے گا اس میں جنگ بندی کے فوراً بعد اسرائیل غزہ میں سامان کی ترسیل کی مقدار میں ۳۰ فیصد اضافہ کرے گا جبکہ جنگ بندی کے دو ہفتوں بعد سے ہر طرح کے سامان کی ترسیل پر لگی پابندی اٹھالے گا۔

حماس نے تو معاہدے کی پاسداری کی لیکن اسرائیل نے اپنے حصے کی پاسداری نہیں کی اور آنے والے دو ماہ میں صرف ۲۰ فیصد سامان کی ترسیل میں اضافے کی اجازت دی۔ اس حوالے سے اسرائیلی وزیر اعظم نے امریکی وفد کو وضاحت دی کہ:

''اسرائیل غزہ کی معیشت کو تباہی کے دہانے پر ہی رکھنا چاہتا ہے۔''

معاہدے کے چھٹے ماہ نومبر ۲۰۰۸ء میں اسرائیل نے غزہ میں حملہ کر کے حماس کے چار ارکان کو شہید کر دیا اور اس طرح باقاعدہ طور پر جنگ بندی معاہدہ توڑ دیا۔

۲۰۱۱ء میں ہونے والے مظاہروں کے نتیجے میں حسنی مبارک نے فروری ۲۰۱۱ء میں اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ اور مصری افواج کے سربراہ فیلڈ مارشل حسین طنطاوی نے عبوری طور پر حکومتی اختیار اپنے قبضے میں لے لیا۔

محمد مرسی (۲۰۱۲ء تا ۲۰۱۳ء)

۲۰۱۲ء میں ہونے والے صدارتی انتخابات کے نتیجے میں اخوان المسلمون سے تعلق رکھنے والے محمد مرسی کو جون ۲۰۱۲ء میں مصر کا پانچواں صدر بنادیا گیا۔ اور محمد مرسی نے فوج کے سربراہ حسین طنطاوی کو عہدے سے دستبردار کر دیا اور انٹیلی جنس کے سربراہ عبد الفتاح السیسی کو ملک کا وزیر دفاع بنادیا۔

محمد مرسی نے صدر بننے کے بعد اسرائیل کو یقین دہانی کروائی کہ مصر اسرائیل امن معاہدے کی پاسداری کی جائے گی لیکن ساتھ میں رفح کراسنگ پر سامان کی ترسیل پر لگی پابندی ہٹادی۔

اگست ۲۰۱۲ء میں وزیر دفاع السیسی نے اسرائیلی وزیر دفاع ایہود بارک سے ملاقات کی اور ان کے درمیان صحرائے سینا کے غیر فوجی علاقے کے حوالے سے ایک غیر اعلانیہ معاہدہ طے پایا۔ حسنی مبارک کے اقتدار کے خاتمے کے ساتھ اسلامی تنظیموں پر لگی پابندی ختم ہو چکی تھی جس کے بعد سے صحرائے سینا میں جہادی تنظیمیں مضبوط ہو رہی تھیں۔ سیسی کا اسرائیل کے ساتھ یہ غیر اعلانیہ معاہدہ صحرائے سینا کے غیر فوجی علاقے میں مصری فوج داخل کر کے وہاں موجود جہادی تنظیموں کے خلاف کریک ڈاؤن کرنے کی خاطر تھا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد یہ خبر سامنے آئی کہ مصری فوج نے صحرائے سینا سے طیارہ شکن، ٹینک شکن اور دیگر اسلحہ ضبط کر لیا جو کہ غزہ کی پٹی میں حماس کو بھیجا جانا تھا۔

کیمپ ڈیوڈ معاہدے سے غزہ کا علاقہ رفح بارڈر کے دونوں طرف تقسیم ہو چکا تھا اور اس نے خاندانوں کو دونوں طرف تقسیم کر دیا تھا۔ لیکن اس چیز نے ۸۰ء کی دہائی میں شروع ہونے والے پہلے انتفاضہ کے دوران سرحد پر سرنگیں کھودنے میں سہولت فراہم کی۔ ۱۹۸۷ء میں جب غزہ میں حماس کی تنظیم قائم ہوئی تو اس کے بعد یہی سرنگیں پہلے انتفاضہ کے لیے اسلحے کی ترسیل کے لیے کلیدی ثابت ہوئیں۔ اور ۲۰۰۵ء کے بعد جب غزہ کا مکمل محاصرہ کر لیا گیا تھا تو یہی سرنگیں اہل غزہ کے لیے لائف لائن کا کردار ادا کر رہی تھیں۔ محمد مرسی کے دور میں سیسی کے حکم پر مصری فوج نے غزہ اور مصر کی سرحد پر پائی جانے والی سو سے زیادہ سرنگیں تباہ کر دیں۔

۸ ستمبر ۲۰۱۲ء کو اسرائیلی حکام نے بھی تصدیق کر دی کہ صحرائے سینا میں مصری فوج کے آپریشن میں اسرائیل کا تعاون شامل ہے۔

۳۰ جون ۲۰۱۳ء کو مصر کے سیکولر طبقے کی جانب سے مرسی کے خلاف مظاہرے شروع ہو گئے اور انہوں نے مرسی سے استعفیٰ کا مطالبہ کیا۔ اس کے جواب میں اخوان المسلمون سے تعلق رکھنے والے مرسی کے حامیوں نے مسجد رابعہ العدویہ کے پاس چوک میں دھرنا دیا۔

یکم جولائی کو مصری فوج نے حکومت کو ۴۸ گھنٹے کا الٹی میٹم دیا کہ مظاہرین کے مطالبات تسلیم کیے جائیں اور اگر تب تک مسئلہ حل نہ کیا گیا تو فوج مداخلت کرے گی۔ اسی دن اخوان المسلمون کے علاوہ حکومت میں موجود دیگر وزراء نے اپنے عہدوں سے استعفیٰ دے دیا۔

مرسی نے فوج کے دیے گئے الٹی میٹم کو مسترد کر دیا اور مطالبات تسلیم نہیں کیے جس کے نتیجے میں ۳ جولائی کو مصری فوج نے مرسی کو گرفتار کر کے وزارتِ دفاع کی ایک عمارت میں منتقل کر دیا جہاں سے بعد میں طرہ کی جیل میں منتقل کر دیا۔ عبد الفتاح سیسی نے فوری طور پر حکومتی نظام سنبھال لیا اور عدلی منصور کو ملک کا عبوری صدر بنادیا۔

مرسی پر اپنے مخالف مظاہرین کے قتل پر اپنے حامیوں کو اکسانے، غیر ملکی عسکری گروہوں بشمول حماس اور حزب اللہ کے لیے جاسوسی کرنے، ۲۰۱۰ء میں جیل توڑ کر فرار ہونے اور الجزیرہ کے دو صحافیوں کی مدد سے خفیہ دستاویزات قطر کو دینے کے الزامات پر مقدمات چلائے گئے۔

اپریل ۲۰۱۵ء میں مرسی کو اپنے مخالف مظاہرین کو گرفتار کرنے اور تشدد کا نشانہ بنانے پر بیس سال قید کی سزا سنائی گئی جبکہ جون ۲۰۱۶ء میں ریاست کے راز قطر کے حوالے کرنے پر مرسی کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔

جون ۲۰۱۹ء میں حماس اور حزب اللہ کے لیے جاسوسی کے الزام کا مقدمہ چل رہا تھا کہ دل کا دورہ پڑنے سے محمد مرسی عدالت ہی میں فوت ہو گئے۔

عبد الفتاح السیسی (جون ۲۰۱۴ء تا حال)

مرسی کو ہٹانے کے بعد جب سیسی نے نظام کا کنٹرول سنبھالا تو مرسی کے حق میں دھرنا دینے والوں کا دھرنا فوجی بغاوت کے خلاف ہو گیا۔ ۱۴ اگست ۲۰۱۳ء کو مصری سیکیورٹی اداروں نے مسجد رابعہ عدویہ میں جمع مظاہرین کو گھیرے میں لے لیا اور مظاہرین پر آنسو گیس کے گولے برسانے لگے۔ ساتھ میں ہیلی کاپٹروں کے ذریعے سے انہیں فوری طور پر مظاہری ختم کرنے اور محفوظ راستے سے نکل جانے کا کہا جانے لگا۔ اس کے بعد قریبی عمارتوں سے مظاہرین پر سنائپر سے گولیاں چلائی جانے لگیں۔ مظاہرے اگلے دن بھی جاری رہے اور مظاہرین نے مرکزی شاہراہ بند کر دی جبکہ سیکیورٹی فورسز نے ان پر براہ راست گولیاں چلانا شروع کر دیں۔

۱۴ اگست کو مظاہرین پر ہونے والی فائرنگ کے نتیجے میں دو ہزار کے قریب مظاہرین ہلاک ہوئے جبکہ اگلے دن تک یہ تعداد ۲۶۰۰ تک پہنچ گئی۔ جبکہ چار ہزار سے زیادہ مظاہرین زخمی ہوئے۔ ہلاک ہونے والوں میں بہت سے ایسے بھی تھے جنہیں حکومتی بلڈوزروں کے نیچے کچل کر ہلاک کیا گیا تھا۔ ۱۴ اگست کو مصری سیکیورٹی فورسز نے رابعہ عدویہ مسجد کو جلا کر تباہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد اگلے دن پورے مصر میں سیکیورٹی فورسز کے مظالم کے خلاف مظاہرے شروع ہوئے اور وہاں بھی سیکیورٹی فورسز نے سینکڑوں کی تعداد میں مظاہرین کو

ہلاک کیا۔ اس طرح عبد الفتاح سیسی نے تاریخ کے بدترین تشدد کا استعمال کرتے ہوئے اپنے تمام مخالفین کو دبالیا۔

مئی ۲۰۱۴ء میں مصر میں صدارتی انتخابات منعقد ہوئے اور سیسی ۹۶ فیصد ووٹ حاصل کر کے ملک کا چھٹا صدر بن گیا۔

سیسی کے آنے سے مصر کے اسرائیل کے تعلقات تاریخی سطح پر پہنچ گئے۔ خود سیسی کے بقول وہ اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو سے باقاعدگی سے بات کرتا رہتا ہے۔ مشہور انگریزی جریدے دی اکانومسٹ (The Economist) کے بقول سیسی مصر کی تاریخ کا سب سے زیادہ اسرائیلی حامی رہنما ہے۔

مرسی کو اقتدار سے ہٹانے کے ساتھ ہی سیسی نے غزہ اور مصر کے بارڈر پر موجود سرنگوں کے خلاف کریک ڈاؤن تیز کر دیا۔ بہت سی سرنگوں کو سمندری پانی سے جبکہ بہت سی دیگر کو سیوریج کے پانی سے بھر دیا۔ اس کے علاوہ بعض سرنگوں کو بارود لگا کر مکمل منہدم کر دیا جبکہ بعض کے دہانے مستقل طور پر بند کر دیے۔ اگست ۲۰۱۴ء تک سیسی نے کل ۱۶۵۹ سرنگیں تباہ کر دی تھیں۔

مستقبل میں ان سرنگوں کے خطرات کو مستقل طور پر ختم کرنے کے لیے سیسی نے رفح بارڈر پر مصر کی جانب موجود رفح کی آبادی کو تقریباً مکمل مسمار کر دیا اور بارڈر کے ساتھ ایک بفر زون قائم کیا جو کہ تین کلو میٹر تک طویل تھا۔ اس کے علاوہ رفح کراسنگ پر جو پابندی مرسی نے ہٹائی تھی اسے دوبارہ بحال کر دیا بلکہ ماضی کے ادوار سے بھی زیادہ اسے سخت کر دیا اور صحافیوں تک کو غزہ میں داخلے کی اجازت بند کر دی۔

مرسی کو اقتدار سے ہٹانے کے بعد اسرائیل نے کیمپ ڈیوٹ معاہدے میں طے شدہ شرائط میں نرمی کر دی اور صحرائے سینا کے 'غیر فوجی علاقوں' اور 'نیم فوجی علاقوں' میں مصری فوج کی تعیناتی کی اجازت دے دی۔ ۲ جولائی ۲۰۱۵ء کو اسرائیل نے مصر کو صحرائے سینا میں فوجی تعیناتی کی کھلی اجازت دے دی تاکہ وہاں موجود جہادی گروپوں کے خلاف مصری فوج کریک ڈاؤن کر سکے۔

ان آپریشنز میں مصری فوج کو اسرائیل کی طرف سے فضائی تعاون بھی حاصل تھا۔ اسرائیلی ڈرونز مصری فوج کو انٹیلی جنس معلومات فراہم کرتے تھے جن کی بنیاد پر مصری افواج آپریشنز کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ اسرائیلی ہیلی کاپٹر، جیٹ طیارے اور ڈرونز وقتاً فوقتاً جہادی تنظیموں کے مراکز پر بمباری بھی کرتے تھے۔ نیویارک ٹائمز کی ایک رپورٹ کے مطابق اسرائیلی فضائیہ نے ۲۰۱۵ء کے اواخر سے جنوری ۲۰۱۸ء تک صحرائے سینا میں مصری حکومت کی اجازت سے ۱۰۰ بار فضائی حملے کیے۔ ۶ جنوری ۲۰۱۹ء کو امریکی ٹی وی چینل CBC کے پروگرام 60 Minutes میں انٹرویو کے دوران سیسی نے اسرائیل اور مصر کے درمیان فوجی تعاون اور صحرائے سینا میں مصری حکومت کی رضامندی کے ساتھ اسرائیلی فضائی حملوں کی تصدیق کی۔

۲۰۲۰ء میں امریکی صدر ٹرمپ نے مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے ایک متنازع حل پیش کیا جس میں مجوزہ فلسطینی ریاست مختلف ٹکڑیوں میں تقسیم ہوگی، جس کی نہ اپنی کوئی فوج ہوگی اور نہ ہی وہ اسلحہ رکھ سکے گی اور اس میں کوئی بھی مسلح گروہ (جیسے حماس) نہیں رہ سکے گا۔ اس ریاست کی فضائی حدود اور سرحدات اسرائیلی سیکیورٹی فورسز کے ہاتھ میں ہوں گی۔ بیت المقدس مکمل اسرائیل کا دار الحکومت ہوگا جبکہ فلسطینی ریاست کا دار الحکومت "مشرقی بیت المقدس" شہر کی دیوار سے باہر کے چند مضافاتی علاقوں پر مشتمل ہوگا۔ ٹرمپ کے بقول اس تجویز پر مذاکرات کے لیے فلسطینی فریق کو چار سال کا وقت دیا جائے گا اور اگر چار سال کے وقت میں فلسطینی فریق کسی معاہدے پر رضامند نہ ہوا تو اسرائیل پورے مغربی کنارے پر مکمل قبضہ کرنے کا مجاز ہوگا۔

یہ اس قدر بیہودہ تجویز تھی کہ کسی بھی اسلامی ملک نے حتیٰ کہ فلسطینی اتھارٹی نے بھی اسے تسلیم نہیں کیا پوری اسلامی دنیا میں واحد سیسی تھا جس نے اس تجویز کی حمایت کی۔

سیسی حماس کا شدید مخالف ہے اور اقتدار سنبھالنے کے بعد سے مستقل غزہ کے مسئلے کا حل یہی پیش کر رہا ہے کہ غزہ سے حماس کو ختم کیا جائے اور غزہ کا کنٹرول فلسطینی اتھارٹی کے حوالے کیا جائے جو مصر کی حلیف ہے۔ سیسی نے حکومتی نظام سنبھالتے ہی حماس کے خلاف اسرائیل کے ساتھ انٹیلی جنس شیئرنگ میں اضافہ کیا۔

۷ اکتوبر ۲۰۲۳ء کو طوفان الاقصیٰ شروع ہونے سے چند روز قبل ہی مصری حکومت نے اسرائیلی حکومت کو خبردار کر دیا تھا کہ حماس کوئی بڑا حملہ کرنے جا رہی ہے۔

اکتوبر ۲۰۲۳ء کے بعد سے اب تک اسرائیل کی غزہ میں نسل کشی کی مہم کے دوران مصر نے اسرائیلی مظالم کے خلاف صرف رسمی زبانی احتجاج پر ہی اکتفا کیا ہے جبکہ عملی طور پر اس نسل کشی میں پوری طرح اسرائیل کا ساتھ دے رہا ہے۔

رفح بارڈر مصر نے پہلے ہی بند کر رکھا تھا لیکن غزہ پر اسرائیلی حملے کے بعد اسے مکمل سیل کر دیا گیا۔ اسرائیل کی مرضی کے بغیر نہ تو کسی کو غزہ سے نکلنے کی اجازت دی گئی اور نہ ہی کسی کو غزہ میں جانے کی اجازت دی گئی۔ امدادی سامان کے سینکڑوں ٹرک مہینوں اجازت کے انتظار میں کھڑے رہے اور ان کا سامان پڑے پڑے خراب ہو گیا لیکن مصر کی جانب سے یہ سامان غزہ پہنچانے کی کوئی معمولی کوشش تک نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کے برعکس جب اسرائیل نے غزہ کے مہاجرین کو صحرائے سینا بھیجنے کی بات کی تو سیسی نے احتجاج کے طور پر غزہ کی طرف جانے والے امدادی سامان پر ہی عارضی طور پر پابندی لگا دی۔ یعنی اسرائیلی تجویز پر سزا غزہ کے مسلمانوں کو دی۔

دوسری طرف نہر سوئز سے اسرائیلی جنگی بحری جہازوں کو گزرنے کی مکمل آزادی ہے، اسرائیلی مظالم کے جواب میں مصر کی جانب سے نہر سوئز کو بند کرنے کی کوئی کھوکھلی دھمکی تک نہیں دی گئی۔

جون ۲۰۲۵ء میں دنیا کے پچاس ممالک سے ۱۵۰۰ سے زائد مظاہرین قافلۂ صمود کے نام سے مصر میں جمع ہوئے تاکہ غزہ کا محاصرہ توڑنے کے لیے رفح بارڈر کی طرف مارچ کریں۔ لیکن مصری سیکیورٹی فورسز نے ان کو رفح بارڈر کراسنگ کی طرف جانے سے روک دیا اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کو تشدد کا نشانہ بھی بنایا اور انہیں گرفتار بھی کیا اور پھر انہیں ملک بدر کر دیا۔

غزہ میں جاری اسرائیلی حملے کے باوجود اسرائیل اور مصر کے تجارتی تعلقات میں مستقل اضافہ ہو رہا ہے۔ اکتوبر ۲۰۲۴ء میں مصر نے اسرائیل سے گیس کی خریداری میں ماضی کی نسبت ۲۰ فیصد اضافہ کر دیا۔ نومبر ۲۰۲۴ء میں مصر نے گیس کی خریداری میں مزید ۱۰ فیصد اضافہ کیا جبکہ جنوری ۲۰۲۵ء میں مزید ۱۷ فیصد اضافہ کیا۔ اس طرح سے ایک طرف جب غزہ جل رہا ہے مصر اسرائیلی جنگی مشینوں کو چالو رکھنے کے لیے مستقل پیسہ فراہم کر رہا ہے۔

اختتامیہ

مصر کی قبلۂ اوّل سے خیانت کی داستان اردن و مراکش جتنی پرانی تو نہیں لیکن اتنی ہی بھیانک ہے۔ بلکہ غزہ کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس سے کہیں زیادہ سنگین اور تکلیف دہ ہے۔ مصر اسرائیل کے بعد غزہ کو لگنے والا واحد پڑوسی ملک ہے۔ امید کی واحد کرن! غزہ میں بمباریوں اور قحط سے شہید ہوتے لوگوں کی آنکھیں مصر کی جانب ہی دیکھتے دیکھتے پتھرا گئیں کہ اگر کوئی مدد آ سکتی ہے تو اسی جانب سے آ سکتی ہیں۔ ہر گرتے ہوئے بم، ہر منہدم ہوتی عمارت اور بمباری اور قحط سے ہر شہید ہوتے ہوئے انسان کے قتل کا فرد جرم جتنا اسرائیل پر عائد ہوتا ہے اتنا ہی مصر پر بھی عائد ہوتا ہے کیونکہ وہ اس نسل کشی میں اسرائیل کے ساتھ برابر کا شریک رہا ہے۔

مصری حکومت کا تو رونا ہی کیا کہ وہ تو ہے ہی صلیبی صہیونی کٹھ پتلی۔ اس سے اس سے مختلف رویے کی توقع کرنا ہی حماقت ہے۔ مصری فوج سے بھی کیا گلہ کہ اس کی تاریخ ثابت کرتی ہے کہ وہ تو اپنی ذات میں بزدلی کا ایک استعارہ ہے۔ اور ویسے بھی مسلم ممالک کی افواج کی تو تربیت ہی اس نہج پر کی جاتی ہے کہ اپنوں کے آگے شیر اور دشمن کے آگے ڈھیر!

لیکن مصری عوام کی خاموشی سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ اہل مصر پر اہل غزہ کی نصرت کی تاریخی، جغرافیائی، قومی، اخلاقی، دینی و شرعی ہر طرح کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن کئی عشروں سے مصر پر مسلط فوجی آمریتوں کی اسلام دشمن پالیسیوں نے ایک ایسی نسل پیدا کر دی ہے جو دو واضح طبقوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ ایک سیکولر طبقہ ہے جو اپنی نسبت دین سے کرنے کی بجائے مصر سے یا زیادہ سے زیادہ عرب قومیت سے کرنا پسند کرتا ہے۔ یہ طبقہ عقبہ بن نافع اور صلاح الدین ایوبی کو اپنی تاریخ کا حصہ تصور نہیں کرتا اور نہ ہی اس پر فخر کرتا ہے بلکہ اس کے لیے باعث فخر مصر کے قدیم فراعنہ ہیں، اور اس طبقے کی نظر میں اوّلین ترجیح مصر کو حاصل ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح افغانستان پر امریکی حملے کے وقت مشرف نے ”سب سے پہلے پاکستان“ کا نعرہ لگایا اور افغانستان کی مدد کرنے کی بجائے اس پر حملہ آوروں کے ساتھ شامل ہو گیا تو اس کے پیروکار سیکولر طبقے نے مشرف کے اس نعرے پر لبیک کہا کچھ ایسا ہی معاملہ مصر کے سیکولر طبقے کا بھی ہے۔

دوسرا طبقہ دین پسند طبقہ ہے جو دہائیوں سے فوجی آمریتوں کے جبر و استبداد کو برداشت کر کر کے اس حد تک دب چکا ہے کہ اب ان کے لیے سر اٹھانا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ محمد مرسی کی حکومت میں دین پسند طبقے کو کئی دہائیوں بعد ایک امید کی کرن نظر آئی تھی، لیکن اس حکومت کو ختم کر کے سیسی نے اہل دین طبقے پر مظالم کی جو انتہا کی اس کی مثال اس سے پہلے کی تاریخ میں بھی نہیں ملتی۔ ان سب مظالم کے نتیجے میں ایسا لگتا ہے کہ اہل دین طبقے کی اکثریت نظام کے آگے ہتھیار ڈال چکی ہے اس لیے وہ بھی اب اہل غزہ کے لیے کچھ بھی کرنے سے قاصر ہے۔

دنیا کے پچاس سے زائد ممالک سے جمع ہونے والے قافلہ صمود کے ۱۵۰۰ لوگ مصری فوج کے آگے ہاتھ جوڑتے رہے، ان کی منت کرتے رہے کہ دیکھو یہ غزہ کے لوگ تمہارے بھائی ہیں! تمہارے ہم مذہب ہیں تمہارے ہم قوم ہیں! اگر تم ان کی مدد کو نہیں جا سکتے تو کم از کم ہمارا راستہ تو نہ روکو! لیکن مصر فوج ٹس سے مس نہ ہوئی۔ الٹا بعض سادہ کپڑوں میں ملبوس لوگوں نے قافلہ صمود میں شامل لوگوں کو تشدد کا نشانہ بنایا اور ان کی توہین کی۔ ہو سکتا ہے یہ سادہ کپڑوں میں ملبوس مصری سیکیورٹی فورسز کے اہلکار ہوں جس کے حوالے سے لوگ قیاس آرائی بھی کر رہے ہیں لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سیسی کے حامی سیکولر طبقے کے لوگ ہوں جیسا کہ بظاہر نظر آ رہا ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ دین پسند طبقہ اس قدر دب چکا ہے کہ ان میں اتنی جرأت بھی نہیں بچی کہ وہ اہل غزہ کی مدد کے لیے پوری دنیا سے جمع ہوئے ان سماجی کارکنوں کا ہی دفاع کر پاتے۔

آج مصر تاریخ کے ایک ایسے موڑ پر کھڑا ہے جہاں اس کا کردار کبھی نہیں بھلایا جائے گا۔ مصری حکومت کا غزہ میں جاری نسل کشی میں اسرائیل کے ساتھ تعاون اور اہل مصر کی خاموشی اہل غزہ کو مٹا نہیں سکتی۔ اہل غزہ زندہ ہیں، چاہے وہ سب شہید ہو جائیں تب بھی وہ زندہ ہی رہیں گے! فلسطینی جہادی مزاحمتی تحریک بھی زندہ ہے اور وہ ان شاء اللہ اس وقت تک زندہ رہے گی جب تک کہ قبلۂ اوّل کو آزادی نہیں مل جاتی۔ یہ بمباریوں سے ہونے والی تباہی کا ملبہ اس تحریک کو دبا نہیں سکتا۔ لیکن اگر آج اہل مصر نہ اٹھے اور اپنی ذمہ داری کو نہ سمجھا تو ان کی یہ خیانت اور بے حسی خود انہیں تاریخ کے ملبے میں دبا کر فراموش کر دے گی۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۹۰ پر)

۱۱ ستمبر اور ۷ اکتوبر: جسدِ واحد کے مظاہر

ابو مصعب عبد اللہ

یہ تحریر ایک ایسے وقت میں لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں جب امت بے حس ہو چکی ہے اور اسی بے حسی کی وجہ سے بے بسی کے عالم میں ہے۔ امت نے خود ہی اپنے آپ کو رسوا کرنے کی ٹھان رکھی ہے۔ بڑے کٹھن حالات سے گزر ہو رہا ہے، اب بھی اگر ہوش میں نہ آئے یا ہوش آنے کے بعد عملی اقدام کے لئے لائحہ طے نہیں کیا تو پھر اللہ ہی حافظ ہے۔

وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ○ (سورۃ محمد: ۳۸)

”اور اگر تم منہ موڑو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا، پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔“

ماضی قریب میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جن کے ظہور میں آنے کے بعد مسلمانوں کا کڑا امتحان ہوا ہے اور مسلمان بحیثیت ملت اس میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں یہ بات اچھی طرح سمجھنے اور اس کے مطابق اپنی صفوں کو متعین کرنے کی ہے۔ ۱۱ ستمبر اور ۷ اکتوبر تاریخ کے ایسے واقعات ہیں جن میں حق و باطل دو ٹوک انداز میں واضح ہوا ہے اور کسی بھی ایمان والے کے لئے اپنے ایمان کو پرکھنے کا بہت آسان ذریعہ ہے کہ وہ کن کی صفوں میں کھڑا ہے چاہے کسی بھی بہانے سے ہو۔

بظاہر سطحی نظر سے کسی کو ۱۱ ستمبر کے واقعات کا پس منظر سمجھ نہیں آتا اور نہ ہی باطل پر ایمان لائی ہوئی کسی بھی عقل کے لیے ۷ اکتوبر کی بابرکت کاروائی سمجھنا آسان بات ہے۔ اس جنگ کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ نہ ۷ اکتوبر اس کی ابتدا ہے اور نہ ہی ۱۱ ستمبر کے حملے بلاوجہ تھے اور نہ ہی دونوں معرکوں میں کسی کا کوئی ذاتی مفاد وابستہ تھا۔

جتنا فلسطین پر یہود کا قبضہ پرانا ہے اتنا ہی طوفان الاقصیٰ بھی پرانا ہے اور اسی جنگ کا ایک وار ۱۱ ستمبر کا ہے جو صلیبی و صہیونی دشمنانِ اسلام کو ایک ایسی طرف سے ملا جس کا اسے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ جسد واحد کا مفہوم سمجھنے والے چند نوجوانوں کو فلسطین کا درد محسوس ہوا تو ان سے اللہ نے وہ کام لیا جس کا درد آج تک امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح ۷ اکتوبر کے معرکہ سے قبل بھی امت کو علمِ جہاد کے سائے تلے قافلہ عزیمت کو لے کر فلسطین پہنچنے اور راستے کی ہر رکاوٹ کو ختم کرنے کی دعوت اور نفیرِ عام ہوئی۔ یہ نفیرِ عام کمانڈر ابو خالد محمد الضیف شہید رحمہ اللہ کے ایک صوتی پیغام کے ذریعے امت کو پہنچانے کی کوشش کی گئی تاکہ امت فلسطین بالخصوص غزہ پر دہائیوں سے ہونے والے ظلم و جبر اور محاصرے کے درد کو محسوس کرے اور جسدِ واحد کی طرح چل پڑے۔

موجودہ جنگ کو اگر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو جہاں یہ ایک علاقائی جنگ نظر آتی ہے وہیں یہ عالمی جنگ کا ایک بہت بڑا باب ہے۔ ۷ اکتوبر کو کتائب القسام نے اسرائیل کے دفاعی نظام کو مات دے کر اپنے اور مسلمانوں کے وجود کے دشمن قابض یہودیوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا جبکہ اسرائیل کی مکمل پشت پناہی کرنے والے، اس کی حفاظت کو مدِ نظر رکھ کر اپنی پالیسیاں بنانے اور عالمی سیاست میں مسلمانوں کی زمینوں پر قبضہ کے منصوبوں کو پروان دینے والے امریکہ کو ۱۹ نوجوانوں نے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کو اللہ کی راہ میں قربان کر کے امریکہ کی معیشت اور اقتصاد کی ریڑھ کی ہڈی ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور عسکری منصوبہ گاہ پینٹاگون پر حملہ کر کے مغرب بلکہ سارے عالم کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔

۱۱ ستمبر کے حملے کیوں کئے گئے اور ان کی کیا وجہ تھی؟ یہ بات ان لوگوں پر مکمل عیاں تھی جنہوں نے اس کا منصوبہ بنایا اور اس میں شرکت کر کے دین کے دشمنوں کو رسوا کرنا چاہا، جس میں وہ الحمد للہ کامیاب ہوئے۔ یہ حملے فلسطین کی آزادی کے سلسلے کی ایک کڑی تھے یعنی فلسطین اور مسلمانوں کے وجود کو مٹانے والے عالمی دشمن کو اس طرف متوجہ کرنا تھا کہ یہ دنیا اب گلوبل ولیج یا ہے جس میں کہیں پر بھی اگر مسلمانوں کو دکھ پہنچے گا تو دشمن بھی اس ولیج میں محفوظ نہیں رہ پائے گا۔ اگر قابض یہودی مسلمانانِ عالم کے بالعموم اور بالخصوص اہلِ فلسطین کے خون کے پیاسے ہیں اور ان کے حقوق کا خیال رکھنے والے نہیں ہیں تو ہم بھی کسی صورت اسرائیل اور اس کے سرپرستِ اعلیٰ امریکہ سے ڈرنے، گھبرانے اور دبک کر بیٹھنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ ہم اس وقت تک فلسطین اور سارے عالم کے کو کفر کے چنگل سے نہیں نکال سکتے جب تک امریکہ متکبر کے غرور کو خاک میں نہ ملا ڈالیں۔

حضرت شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ”فلسطین کے حوالے سے ۶ عشروں سے زائد وقت گزر جانے کے باوجود کسی قسم کی کوئی کامیابی حاصل نہ کرنے کی وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہود کے سب سے بڑے سہارے امریکہ پر اندرون خانہ کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں پڑا اسی لئے امریکی عوام کو ہماری فلسطینی عوام اور خصوصاً اہلِ غزہ کی تکلیفوں کا اندازہ نہیں ہے۔
>
> اگر کسی نے اس خطے کی عوام کا حال دریافت کیا تو اسے پتہ چلے گا کہ وہ لوگ اپنے امریکی نمائندہ حکمرانوں کی ماتحتی میں کس کرب سے زندگی جی رہے ہیں۔ اس مسئلے کا حل بھی امریکہ ہی سے شروع ہوتا ہے کہ اس پر وار کئے جائیں تاکہ (اسے اپنی فکر ہو اور) وہ ان حکمرانوں کی

سرپرستی سے پیچھے ہٹ جائے اور مسلمانوں کو اور ان کے معاملہ کو ان کے اوپر چھوڑ دے (تاکہ اہلِ حق اہلِ باطل کو تخت سے ہٹا کر مسلمانوں کو عروج کی راہیں دکھا سکیں اور فلسطین کو آزاد کروا سکیں)۔

اگر امریکی عوام ہمارے فلسطینی بھائیوں پر ہونے والے ظلم اور دشمنی کی قیمت نہیں چکائے گی تو تو یہود اور ظالم حکمرانوں کو اسی طرح سہارا ملتا رہے گا اور ہمارے مسئلے کئی عشروں تک بھی حل نہیں ہو پائیں گے۔"

شیخ اسامہ کی بات کو بھی تقریباً تین عشرے گزر چکے ہیں۔ اس وقت شاید یہ بات کسی کو سمجھ نہیں آتی تھی اور سب ہی امریکی وفاداری کو اپنی سعادت یا مجبوری سمجھ رہے تھے حالانکہ جب دشمن میرے گھر میں آکر مجھ سے لڑ رہا ہو تو میں کسی مجبوری کا سہارا لے کر اپنا دفاع بھی نہ کروں؟ شیخ یہ بات سمجھتے تھے اسی لئے انہوں نے مسلمانوں اور بالخصوص فلسطین کے لئے امریکہ پر ان کاری واروں کی سرپرستی کی جس کا تصور بھی محال تھا۔

آج امریکہ کا اسرائیل کو مکمل تعاون بالکل کھل کر منظرِ عام پر آچکا ہے۔ سیاسی حمایت سے لے کر اسلحہ کی امداد تک اور اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کی دھجیاں اڑانے سے ویٹو پاور کے قابض یہودیوں کے حق میں استعمال کرنے تک جو کچھ بھی ہے وہ سب اسلام دشمنی اور صلیبی صہیونی مفادات کے تحفظ کے لئے ہے۔ اب سب کچھ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ امریکہ ہی اصل دشمن اور یہود کے قبضہ کو فروغ دینے کی ایک عظیم ریاستی طاقت ہے چنانچہ اس جنگ کا براہِ راست تعلق جس طرح اسرائیل سے ہے اسی طرح امریکہ سے بھی ہے۔

مسلمانوں کی حمیت، غیرت، اور جذبہ جہاد کا استعمال وقت کی انتہائی ناگزیر ضرورت ہے جس کا شرعاً صرف جواز ہی نہیں بلکہ فرضِ عین حکم ہے۔

یہ بات سمجھ آجانے کے بعد ہمارے بائیکاٹ کا تعلق صرف یہودی مصنوعات ہی سے نہیں بلکہ ہم پر یہ بھی لازم ہے کہ ان کو اپنے ملکوں میں کسی طرح کی کوئی پُرامن جگہ میسر نہ آنے دیں تاکہ ان عقلیں ٹھکانے آجائیں اور یہ اپنے ظلم سے باز آجائیں۔ آج اگر کسی ملک میں اسرائیلی مفادات نظر نہیں آتے تو امریکی اہداف کی ہرگز کمی نہیں۔ یہ گلوبل ولیج اگر امریکہ کے لئے معلومات، وسائل، ذرائع اور روابط کی حد تک ہے تو امتِ مسلمہ نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس سے بھی جامع اور وسیع سبق پڑھا تھا جسے جسدِ واحد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی جسدِ واحد کا تقاضا ہے کہ اگر مسلمانوں کو کہیں بھی تکلیف پہنچے اور اس تکلیف کے پہنچانے والے، حملہ آور دشمن کے سفارت خانے، مراکز، اور ادارے اس خطہ میں موجود ہوں یا ان کی کافر عوام کا وہاں آنا جانا ہو تو انہیں کسی بھی صورت میں امان نہ دی جائے اور ان کے خلاف ایسی کاروائیاں کی جائیں کہ جس کی وجہ سے صہیونی و صلیبی کم از کم اس بات پر مجبور ہو جائیں کہ ہماری عوام، مسلمان ممالک اور بالخصوص غزہ و فلسطین پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑنے سے باز آجائیں۔

امریکی مفادات کو نشانہ بنانے اور مسئلہ فلسطین پر اس کے اثرات ظاہر ہونے کی بابت شیخ ایمن الظواہری فرماتے ہیں:

"غزہ کے اردگرد مجاہدین سے اسلحہ اور قوت کو روکنے کے لئے کئے گئے محاصرے کا توڑنا وقت کے اہم فرائض میں سے ایک ہے۔ ہمارا دشمن غزہ میں صرف اسرائیل ہی نہیں بلکہ صہیونی صلیبی اتحاد بھی ہے جن میں سرفہرست شر کا منبع اور عصرِ حاضر کا صنم امریکہ بھی ہے، اور امریکی و اسرائیلی مفادات ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر کسی جگہ پر (دشمن پر حملہ کرنے کے مواقع اور) اہداف کم ہیں تو اس کے علاوہ کئی اور جگہیں اور مواقع ہیں (جہاں دشمن کو ہدف بنایا جا سکتا ہے)، اگر دشمن نے اپنے کچھ مفادات کو محفوظ کر رکھا ہے تو بہت سے اہداف ایسے بھی ہیں جو بالکل کھلے اور نشانے پر ہیں۔

جو کوئی بھی غزہ کا محاصرہ کر رہا ہے اور اس میں موجود مجاہدین کو اسلحہ نہ پہنچنے دینے میں شریک ہو رہا ہے تو وہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہے، اس کو باز رکھنا اور سزا دینا واجب ہے۔"

آج اہلِ علم کو اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ عالمی سطح پر امریکہ کے خلاف اتحاد قائم کریں اور باصلاحیت لوگوں کو امریکہ کے مفادات پر ضربیں لگانے کے لئے تیار کریں۔ ساتھ ہی عالمی جہادی تحریک کا ساتھ دے کر مقامی امریکی نمائندوں اور غلام حکمرانوں کے چنگل سے مسلمانوں کو آزاد کرائیں۔ امریکہ پر ضربیں عالمی جہادی دعوت کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہیں اور مقامی امریکی مفادات کے تابع حکمرانوں سے اعلانِ جہاد نفاذ شریعت کی راہ ہموار کرنے اور امریکہ کو ان مسلم سرزمینوں پر رسوا کرنے کا ذریعہ ہے۔ امریکہ پر بار بار ۱۱ ستمبر کی یادیں دہرا کے اور مقامی امریکی غلاموں پر ۷ اکتوبر کی کاروائیاں بڑھا کر ہی امت کو آزاد کیا جا سکتا ہے اور اسی شرعی راستہ سے فلسطین اور دیگر اسلامی خطوں کی آزادی ممکن ہے۔ اسی مقصد کے لئے یوم تفریق اور طوفان الاقصیٰ کو برپا کیا گیا تھا کہ یہ امت ان پر مسلط خائن و غدار حکمرانوں کے جہاد فلسطین کے لئے حرکت نہ کرنے پر ان کے تختے الٹ کر اقصیٰ و بیت المقدس اور اہلِ فلسطین بالخصوص اہلِ غزہ مدد کی راہیں ہموار کرے گی اور جہاد کے علم بلند کرتے ہوئے اپنے ایمان شریک بھائیوں کی نصرت کے لئے آئے گی۔ لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ اس امت کو ان حکمرانوں پر اب بھی اعتماد ہے اور وہ گیارہ ستمبر اور طوفان الاقصیٰ کے مقاصد کو نہ سمجھ سکی اور نہ جسدِ واحد کا کردار ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ حق دکھائیں اسی پر چلائیں اور باطل کو باطل دکھا کر اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

☆☆☆☆☆

دو اسرائیلی فوجیوں کو جہنم واصل کرنے والے اردنی شہری کی وصیت

’ابو عیسیٰ‘ عبد المطلب حسن زیدان النعیمی القیسی، ۵۷ سالہ اردنی شہری تھے اور اردن کے دار الحکومت عمان کے جنوب مغربی علاقے واسی السیر کے مارج الحمام، زبور کے علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔

وہ برسوں سے نقل و حمل کے شعبے سے وابستہ تھے اور بار برداری کے ٹرک کے ڈرائیور تھے۔ تین ماہ قبل انہوں نے یہ کام چھوڑ دیا اور غزہ کی مدد کے لیے اردنی فوج کے کنٹریکٹ پر انسانی امداد کی ترسیل کرنے والے ٹرک ڈرائیور کی حیثیت سے کام شروع کیا۔

۱۸ ستمبر ۲۰۲۵ء کو عبد المطلب القیسی غزہ کے لیے انسانی امداد لے جانے والے ٹرک پر اردن اور مغربی کنارے کے درمیان واقع الکرامہ کراسنگ پر پہنچے۔ شام تین بجے کے قریب، جب ٹرک اسرائیلی چیک پوسٹ پر پہنچا، تو عبد المطلب نے اچانک فائرنگ شروع کر دی۔ انہوں نے دو اسرائیلی فوجیوں، ۲۰ سالہ سارجنٹ اوران ہیر شکو اور ۶۸ سالہ لیفٹیننٹ کرنل اسحاق ہاروش (reservist افسر جو آن ڈیوٹی تھا)، کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اسرائیلی فوج نے جوابی کاروائی کرتے ہوئے عبد المطلب القیسی کو موقع پر ہی شہید کر دیا۔

اللہ تعالیٰ عبد المطلب القیسی کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کا شمار شہداء و صالحین میں فرمائے، آمین۔

ذیل میں عبد المطلب القیسی کی وصیت کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے وطن اردن میں موجود میرے پیارے گھر والو، ہماری امت کے میرے پیارے بھائیو، ہر جگہ کے معزز آزاد لوگو اور خاص طور پر ارضِ شام: اردن، فلسطین، شام اور لبنان، میں عرب قبائل اور برادریوں کے ہمارے بھائیو!

آج، میں شہادت کی راہ پر شہید بطل ماہر الجازی کے ساتھ شامل ہوتے ہوئے، اور ان کی وصیت اور عبدی عہد کی پیروی کرتے ہوئے، اللہ اور تاریخ کے سامنے اپنا مؤقف پیش کرتا ہوں۔

اے ہماری امت کے بیٹو! صہیونی قابضین کے غزہ کی پٹی کے کیے جانے والے جرائم، ایک دن ہمارے ممالک میں، ہماری عورتوں اور بچوں کے خلاف بھی دہرائے جائیں گے، اور ہم اپنی اس خاموشی کی وجہ سے دشمن کے نام نہاد ”عظیم تر اسرائیل“ کے منصوبے کا حصہ بن جائیں گے۔

اے میری امت کے بیٹو! ہم کب تک زمینوں پر قبضہ کرنے والوں کے بارے میں خاموش رہیں گے؟ کیا ہم اس وقت تک خاموش رہیں گے جب تک یہ ہماری زمین تک نہ پہنچ جائیں؟ اور اس کی مقدسات کی بے حرمتی نہ کر دیں؟

عبد المطلب القیسی

قیسیہ قبائل

☆☆☆☆☆

اللہ کے دشمن ایک شجرِ خبیثہ کی مانند!

”اللہ کے دشمن آج ایک شجرِ خبیثہ کی مانند ہیں، اس درخت کا تنا امریکہ ہے، جس کا قطر ۵۰ سینٹی میٹر ہے، اور جس کی بہت سی شاخیں ہیں اور ان کے سائز مختلف ہیں، یعنی نیٹو ممالک اور مسلم ممالک پر مسلط خطے کی بہت سی حکومتیں۔ اب ہم اس درخت کو کاٹنا چاہتے ہیں جبکہ ہماری طاقت اور قوت محدود ہے۔ اس خبیث درخت کو گرانے کا مؤثر طریقہ یہ ہے کہ اگر ہم اس کی اصل یعنی امریکی تنے کی گہرائی پر توجہ مرکوز کریں اور اسے کاٹنا شروع کریں یہاں تک کہ ہم تقریباً ۳۰ سینٹی میٹر کی گہرائی تک پہنچ جائیں۔

پھر ہمیں برطانوی شاخ پر وار کرنے کا موقع ملتا ہے، تو ہم اس پر وار نہیں کریں گے جب تک کہ ہمارے پاس امریکی تنے کو کاٹنے کا امکان موجود ہو۔ کیونکہ اس خبیث درخت کی برطانوی یا کسی دوسری شاخ پر وار کرنا ہماری کوششوں اور طاقت کو منتشر کر دے گا۔ پس اگر ہماری کوشش امریکی تنے کی گہرائی تک سرایت کرتی رہی یہاں تک کہ وہ ٹوٹ کر گر گیا، تو باقی شاخیں اللہ کے حکم سے خود بخود ٹوٹ جائیں گی۔

اس کی ایک مثال افغانستان میں مجاہدین کی طرف سے روسی درخت کے تنے کو کاٹ دینے اور اس کے نتیجے میں جنوبی یمن سے مشرقی یورپ تک اس کی ایک کے بعد ایک شاخوں کا گرنا ہے، اُس وقت ہم نے ان شاخوں پر کوئی محنت نہیں کی تھی بلکہ اپنی پوری توانائیاں روسی تنے پر صرف کی تھیں۔

لہٰذا، ہر تیر اور ہر گولی، جس سے امریکیوں کو یا اس کے اتحادیوں کو نشانہ بنانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے، اس کا رخ امریکیوں کی طرف ہونا چاہیے، نہ کہ نیٹو اتحاد میں شامل دوسرے کفار کی طرف، اور ایسی صورت میں اس سے نیچے والے مرتد حکمرانوں اور دوسرے کفار کو تو چھوڑ ہی دیجیے۔“

شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ

ہر بات بتانے کی تھوڑی ہوتی ہے

وسعت اللہ خان

چھ خلیجی ریاستوں (بحرین، کویت، عمان، امارات، سعودی عرب، قطر) پر مشتمل خلیج تعاون کونسل کا قیام ۱۹۸۱ء میں ایک ایسے وقت عمل میں آیا جب شاہ ایران کے زوال کے سبب ہمسایہ عرب ریاستوں میں احساسِ عدم تحفظ عروج پر تھا۔ ستمبر ۱۹۸۲ء میں صدام حسین نے ایران پر حملہ کیا۔ تمام ہمسایوں نے صدام حسین کا دامے درمے ساتھ دیا اور ممکنہ جنگی پھیلاؤ سے خود کو بچانے کے لیے خلیج تعاون کونسل نے مشترکہ شیلڈ فورس بنائی۔

عراق ایران جنگ تو ۱۹۸۸ء میں تھم گئی مگر صدام حسین اپنے عرب محسنوں سے خود کو منوانے کے خبط میں اگست ۱۹۹۰ میں کویت پر ہی چڑھ دوڑے جس نے جنگ میں صدام حسین کی سب سے زیادہ مالی معاونت کی تھی۔ چنانچہ خلیجی ممالک کو اپنے ہی درمیان سے ابھرنے والے خطرے کے سدِباب کے لیے امریکہ سے رجوع کرنا پڑا۔ خلیجی امریکی اتحاد نے عراق سے کویت چھڑوالیا اور صدام حسین کے ستارے گردش میں آ گئے۔

امریکہ کے پانچویں بحری بیڑے نے ۱۹۹۵ء میں بحرین کو ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ جنوری ۲۰۰۱ء میں خلیج تعاون کونسل کے مابین مشترکہ دفاع کا معاہدہ ہوا۔ اس میں عہد کیا گیا کہ کسی ایک رکن ممالک پر کوئی بیرونی حملہ پوری کونسل پر حملہ تصور کیا جائے گا اور مشترکہ جواب دیا جائے گا۔

۲۰۰۲ء میں امریکہ نے سینٹرل کمان کا علاقائی ہیڈ کوارٹر سعودی عرب کے پرنس سلطان ایر بیس سے قطر منتقل کر دیا اور العدید مشرقِ وسطیٰ میں سب سے بڑا امریکی ایر بیس بن گیا جہاں بیک وقت دس ہزار فوجیوں کی رہائش کا بھی انتظام تھا۔

ستمبر ۲۰۲۰ء میں صدر ٹرمپ کے پہلے دورِ صدارت میں متحدہ عرب امارات اور بحرین نے اسرائیل سے معاہدہِ براہیمی کر لیا۔ بعد ازاں مراکش اور سوڈان بھی اس میں شامل ہو گئے۔ قطر اگرچہ معاہدہ براہیمی کا حصہ نہیں تھا، مگر پی ایل او اور حماس سے بیک وقت اچھے تعلقات تھے اور اسرائیل سے بھی رسمی علیک سلیک تھی۔ چنانچہ فلسطینی اتھارٹی، حماس اور اسرائیل کے مابین مصر کے ساتھ مل کر قطر کو مصالحتی پل بننے کی سہولت مل گئی۔

جب ۲۰۰۷ء میں حماس نے غزہ میں انتخابات جیت کر اپنی حکومت قائم کی اور پی ایل او کو غزہ سے نکال باہر کیا تو اسرائیل نے اگرچہ غزہ کی ناکہ بندی کر دی مگر اس کی رضامندی سے قطر غزہ کی حماس انتظامیہ کی مالی و تعمیراتی مدد کرتا رہا۔

۲۰۱۲ء میں امریکہ کی خواہش پر قطر نے حماس کو دوحہ میں سیاسی دفتر کھولنے کی اجازت دی۔ تاکہ امریکہ حماس سے حسبِ ضرورت غیر رسمی رابطہ کر سکے۔ قطر نے حماس کے سیاسی رہنما خالد مشعل، اسماعیل حانیہ اور خلیل الحیاۃ تک سب کی میزبانی کی۔ اس وقت بھی وہاں حماس کی سیاسی قیادت کے علاوہ تنظیم کے ایک ہزار کے لگ بھگ دیگر ارکان یا ان کے اہلِ خانہ رہائش پذیر ہیں۔

سات اکتوبر ۲۰۲۳ء کو جنوبی اسرائیل پر حماس اور اسلامک جہاد کے مشترکہ حملے کے بعد اسرائیلی یرغمالیوں کی رہائی اور دو بار عارضی جنگ بندی میں قطر نے کلیدی کردار نبھایا اور گزشتہ ہفتے تک وہ تمام فریقوں کو ثالثی کی بھرپور سہولت فراہم کر رہا تھا۔

اسرائیل نے خالد مشعل کو ۱۹۹۷ء میں اردن کے دارالحکومت عمان میں ہلاک کرنے کی ناکام کوشش کی۔ گزشتہ برس اسماعیل ہنیہ کو تہران میں حملہ کر کے شہید کیا۔ مگر کسی کو امید نہ تھی کہ امریکہ کا قریبی علاقائی اتحادی ہونے کے ناطے قطر کو اسرائیل براہِ راست نشانہ بنائے گا اور وہ بھی ایسے وقت جب حماس کی قیادت امریکہ کی پیش کردہ تازہ امن تجاویز پر ہی غور کر رہی تھی۔

اسرائیل کی اگر کوئی جنگی یا انسانی اخلاقیات ہیں تو ان کا باقی دنیا کی اخلاقیات سے کوئی لینا دینا نہیں۔ قطر پر نو ستمبر کو ہونے والا حملہ اچانک نہیں ہوا۔ داخلی سلامتی کے اسرائیلی ادارے شن بیت کے ایک اہلکار کے مطابق اس کی تیاری ایران سے جنگ بندی کے بعد سے جاری تھی۔

یہ بات بھی ناقابلِ یقین ہے کہ امریکہ کو اس کارروائی کے بارے میں پیشگی اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ فرض کریں ایسا ہی ہوا ہو تو پھر بھی یہ بات عجیب لگتی ہے کہ قطر میں نصب امریکی فضائیہ کا ریڈار سسٹم جو ایرانی میزائیلوں کا اڑنے سے پہلے پتہ چلانے کی صلاحیت رکھتا ہے، اسے وہ پندرہ اسرائیلی طیارے دکھائی نہ دیے جو دو ہزار کیلو میٹر کی اڑان بھرتے ہوئے اردن، شمالی شام اور عراق یا پھر اردن اور سعودی عرب عبور کرتے ہوئے قطر کی فضائی حدود میں بغیر کسی کی نگاہ میں آئے اپنا مشن مکمل کر کے بحفاظت چلے گئے۔ امریکہ کا دعویٰ ہے کہ اسرائیل نے از خود کارروائی کی اور اسے تب اطلاع دی جب اسرائیلی طیارے فضا میں تھے۔ اگر صدر ٹرمپ کو آخری وقت میں ہی خبر ملی تب بھی ان کے پاس کم از کم ڈیڑھ گھنٹے کی مہلت تھی جس میں وہ نیتن یاہو سے رابطہ کر کے ایک ایسی ریاست کے خلاف فضول مہم جوئی سے باز رکھ سکتے تھے جس نے ساڑھے تین ماہ قبل ہی صدر ٹرمپ کا والہانہ خیر مقدم کیا تھا اور انھیں تحفے میں طیارہ بھی پیش کیا تھا۔ مگر ٹرمپ نے تعلق کا لحاظ نبھانے کے بجائے امیر قطر کو اس لمحے "پیشگی" خبردار کیا جب اسرائیلی طیارے حماس کے دفتر پر میزائیل داغ رہے تھے۔

یہ مشن مکمل ہونے کے کئی گھنٹے بعد وائٹ ہاؤس نے اسرائیل کے اس اقدام پر ’’ناپسندیدگی‘‘ کا اظہار کیا۔ اور جھینپ مٹانے کے لیے صدر ٹرمپ نے امیر قطر کو فون پر یقین دلایا کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ مگر نیتن یاہو نے ٹرمپ کی اس یقین دہانی کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہوئے کہا کہ اگر قطر نے حماس کو نہ نکالا تو ضرورت پڑنے پر دوبارہ کارروائی ہو سکتی ہے۔

اسرائیل کا امریکہ پر اس قدر دبدبہ ہے کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے قطر پر حملے کے خلاف جو متفقہ مذمتی قرارداد منظور کی اس کی امریکہ نے اس شرط پر حمایت کی کہ اسرائیل کا نام نہیں لیا جائے گا۔

اسرائیل اپنے مخالفین کو ختم کرنے کے لیے روایتی طور پر موساد ایجنٹوں سے کام لیتا ہے اور عموماً ایسی وارداتوں کا اقبال نہیں کرتا۔ مگر آج حوصلے اتنے بلند ہیں کہ موساد کو استعمال کرنے کے بجائے دن کی روشنی میں اسرائیلی فضائیہ نے حماس کی قیادت کو اڑانے کی کوشش کی اور حملے کے چند منٹ بعد ہی وزیر اعظم نیتن یاہو نے دھڑلے سے اس واردات کی ذمے داری بھی قبول کی۔

صدر ٹرمپ کی ’’ناخوشی‘‘ پر تبصرہ کرتے ہوئے اقوامِ متحدہ میں اسرائیلی سفیر ڈینی ڈینن نے کہا کہ ہم ہمیشہ امریکہ کے مفاد کے مطابق فیصلے نہیں کرتے اور نہ ہی امریکہ کو ہر بار پیشگی بتانے کے پابند ہیں۔ واشنگٹن میں اسرائیلی سفیر یخائل لیاتر نے کہا کہ اسرائیل حماس کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے جہاں چاہے جب چاہے کارروائی کرے گا۔ اس بار اگر وہ بچ نکلے ہیں تو آئندہ نہیں بچ پائیں گے۔

یورپ نے بھی اس واردات پر روایتی منافقت کا پرچم بلند رکھا۔ برطانوی وزیر اعظم کیئر اسٹارمر نے پارلیمنٹ کے اجلاس میں اسرائیلی کارروائی کی سخت مذمت کی۔ امیر قطر سے فون پر بات کی اور پھر سرکاری رہائش گاہ پر اسرائیل کے صدر آئزک ہرزوگ کا استقبال بھی کیا۔ جرمنی نے اس حملے پر ’’افسوس‘‘ ظاہر کیا مگر یہ وضاحت بھی کر دی کہ جرمنی اسرائیل سے اپنی دیرینہ ساجھے داری کم نہیں کرے گا۔ نریندر مودی نے ایک دن بعد ’’برادر قطر‘‘ سے اظہارِ ہمدردی کیا جب کہ حملے سے دو روز پہلے اسرائیلی وزیر خزانہ بیز لل سموترخ نئی دلی میں باہمی تعاون کے سمجھوتوں پر دستخط کر رہے تھے۔

خلیج تعاون کونسل کے ارکان نے اظہارِ یکجہتی کے لیے فرداً فرداً دوحہ کا دورہ کیا ہے۔ اس موقع پر کونسل کے کسی رکن نے بھی ۲۰۰۱ء کے مشترکہ دفاعی سمجھوتے کا حوالہ نہیں دیا۔

یاد آیا کہ ۲۰۱۰ء میں موساد کے آٹھ سے دس ایجنٹ جعلی یورپی پاسپورٹوں پر دوبئی میں اترے اور ایک ہوٹل میں مقیم حماس کے عہدیدار محمود المبوح کو ہلاک کر کے بحفاظت چمپت ہو گئے۔ اس بابت متاثرہ ملک نے کیا قانونی چارہ جوئی کی؟ شاید کی ہو۔ ہر بات بتانے کی تھوڑا ہوتی ہے!

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

فوج کی تقسیم کرو اور راج کرو کی پالیسی

ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ اج اکثر پڑھے لکھے لوگوں کے سوچنے کا انداز مغربی ہے اور لوگ مغرب کی ذہنی غلامی کا شکار ہیں۔‘‘[1]

جیسا کہ میں نے مضمون کی ابتدا میں کہا کہ فوج سازشوں، اور چالوں کے ذریعے مجاہدین پر حملہ آور ہے جس کے توڑ کے لیے حکیمانہ بصیرت درکار ہے۔

برٹش انڈین آرمی کے ہندوستانی سپاہیوں کو برطانوی فوج نے دنیا بھر میں مختلف محاذوں پر استعمال کیا تھا لیکن یہ ترکیب صرف جاپانی ہی استعمال کر پائے کہ وہ ہندوستانی فوجیوں کو یہ سمجھانے میں کامیاب ہو گئے کہ بجائے اس کے کہ آپ ان غاصبوں کا آلہ کار بن کر ہم سے لڑیں جس نے آپ کو غلام بنایا ہے آپ انہی غاصبوں کے خلاف کیوں نہیں لڑتے۔ یہ ہندوستانی سپاہی بڑی تعداد میں انگریز فوج سے باغی ہوئے اگرچہ ان کی بغاوت کامیاب نہ ہوئی اور ان کے سرکردہ لیڈروں کو پھانسیاں دی گئیں لیکن بہرحال جاپان کی یہ نہایت کامیاب حکمت عملی تھی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان میں فوج کے ظلم کے شکار ہر طبقے کو ان کے خلاف کھڑا کیا جائے کیونکہ فوج کے جرائم کسی ایک شعبے، طبقے یا اہل دین تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان کی خباثتوں سے ہر شخص ہی متاثر ہے۔ اوکاڑہ ملٹری فارمز تنازع میں کسانوں کی فوج کے خلاف جو تحریک کھڑی ہوئی اس میں مسلمانوں کے ساتھ عیسائی بھی شامل ہیں۔ منشیات کی لت میں مبتلا افراد کی تعداد لاکھوں میں ہے، جبکہ فوج منشیات کے کاروبار میں سر تا پاؤں ملوث ہے۔ اسی طرح بھتہ خوری اغوا برائے تاوان سے لے کر لینڈ مافیا تک ہر غیر قانونی دھندے اور جرائم میں یہ برابر کے شریک ہیں، اور سرپرستی کرتے ہیں۔ ان کے جرائم کی اتنی لمبی فہرست ہے کہ اسے اگر صحیح معنوں میں بے نقاب کیا جائے تو وہ لوگ جو مختلف خوشنما نعرے لے کر مجاہدین کے خلاف کھڑے ہوتے ہیں، وہ مجاہدین کے بجائے انہی ظالموں کے خلاف کھڑا ہونا پسند کریں گے کہ یہی سارے فساد اور مسائل کی جڑ ہیں۔

☆☆☆☆☆

---

[1] تیسری جنگ عظیم اور دجال ص ۱۹،۲۱

ڈر اس بات کا نہیں کہ ابو عبیدہ شہید ہو گئے ہوں گے،

کیونکہ شہادت تو وہ مرتبہ ہے جس کی آرزو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی!

ڈرنا تو اس بات سے چاہیے کہ

کہیں ابو عبیدہ شہید ہو گئے ہوں

اور امت کو اس کی بے وفائی پر معاف کیے بغیر چلے گئے ہوں!

قسط ۱۰

عمرِ ثالث

امارت اسلامیہ افغانستان کے مؤسس

عالی قدر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کی مستند تاریخ

مصنف: قاری عبدالستار سعید

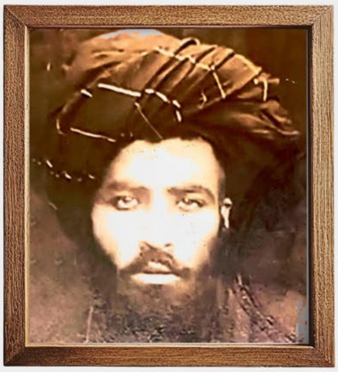

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

نیک کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے روکنا ہمیشہ سے مسلمانوں کی ذمہ داری رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ‌ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ○ (سورۃ آل عمران: ۱۰۴)

”اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے، یہی لوگ کامیاب ہیں۔“

وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ‌ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيۡعُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ‌ؕ اُولٰٓـئِكَ سَيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ○ (سورۃ التوبۃ: ۷۱)

” اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کی تلقین کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمان برداری کرتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔ یقیناً اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔“

ان الٰہی ارشادات کو دیکھتے ہوئے ملا محمد عمر مجاہد نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی تحریک کی اہم ذمہ داریوں میں سے قرار دیا۔ طالبان تحریک نے ابتدا ہی سے سیار گروپ کے نام سے ایک خاص مجموعہ تشکیل دیا، جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتا۔ مذکورہ مجموعہ کے افراد نے مفتوحہ علاقوں میں نہ صرف خانگی سطح پر بلکہ عمومی شاہراہوں، مساجد، مدارس اور عوامی مقامات پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض ادا کیے۔

طالبان نے اپنا مقدس جہاد شروع کرنے کے چند ماہ بعد ہی ۱۷ ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ بمطابق ۱۸ اپریل ۱۹۹۵ء کو ملا محمد عمر مجاہد صاحب کے خصوصی فرمان کے مطابق اس مجموعے کو محکمہ امر بالمعروف میں تبدیل کر دیا اور مولوی محمد ولی صاحب کو اس محکمے کا مسئول مقرر کیا، یہ محکمہ فتحِ کابل کے بعد مستقل وزارت میں بدل دیا گیا۔

جیسا کہ سب کے علم میں ہے کہ افغانستان کے تمام اہل سنت حضرات حنفی مذہب کے پیروکار اور امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں، ملا صاحب نے بھی حنفی مذہب پر سختی سے کاربند ہونے کی وجہ سے غیر مذہبی تنظیموں اور جماعتوں کے نظریات اور سرگرمیوں پر پابندی لگادی تھی، اسی طرح وہ افغان معاشرے میں رائج غیر شرعی رسومات، خرافات اور بدعات سے بھی روکتے تھے۔

شرعی حجاب کی ترویج اور اختلاط کی روک تھام

عالمِ اسلام پر ایک لمبے عرصے سے ایسے نظام مسلط کیے گئے ہیں جو اسلامی احکامات کی تبلیغ، ترویج اور ان پر عمل پیرا ہونے کو درخورِ اعتنا نہیں گردانتے، دیگر اسلامی احکام کے ساتھ ساتھ ایک اہم فریضہ جسے اسلامی معاشروں میں ترک کر دیا گیا ہے، وہ شرعی حجاب ہے۔

افغانستان میں بادشاہی نظام کے وقت سے ہی حجاب ترک کرنے اور مرد و زن کے مابین حکومتی، تعلیمی اور دیگر اداروں میں اختلاط عام تھا، جس کے برے اثرات معاشرے میں پھیل رہے تھے، یہاں تک کہ اکثر شہروں میں مسلمان خواتین شرعی حجاب کا اہتمام نہیں کرتی تھیں اور سرکاری اداروں میں مردوں کے ساتھ اختلاط ایک معمول بن چکا تھا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ يَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ وَيَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا‌ وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوۡبِهِنَّ‌ۖ وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اٰبَآئِهِنَّ اَوۡ اٰبَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اَبۡنَآئِهِنَّ اَوۡ اَبۡنَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اِخۡوَانِهِنَّ اَوۡ بَنِىۡۤ اِخۡوَانِهِنَّ اَوۡ بَنِىۡۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوۡ نِسَآئِهِنَّ اَوۡ مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيۡنَ غَيۡرِ اُولِى الۡاِرۡبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يَظۡهَرُوۡا عَلٰى عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ‌ۖ وَلَا يَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِهِنَّ لِيُـعۡلَمَ مَا يُخۡفِيۡنَ مِنۡ زِيۡنَتِهِنَّ‌ؕ وَتُوۡبُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِيۡعًا اَيُّهَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ○ (سورۃ النور: ۳۱)

”اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی سجاوٹ کو کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے۔ اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں، اور اپنی سجاوٹ اور کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے شوہروں کے، یا اپنے باپ، یا اپنے شوہروں کے باپ کے، یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے، یا ان کے جو اپنے ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں یا ان خدمت گزاروں کے جن کے دل میں کوئی (جنسی) تقاضا نہیں ہوتا یا ان بچوں کے جو ابھی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے آشنا نہیں ہوئے اور مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ انھوں نے جو زینت چھپا رکھی ہے وہ معلوم ہو جائے۔ اور اے مومنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔“

عن عروة عن عَائِشَة رضي الله عنها قالت: لقد كان رسولُ الله صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي الفَجر، فَيَشهَدُ معه نِسَاء مِن المُؤمِنَات، مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ، ثم يَرجِعْن إلى بُيُوتِهِنَّ مَا يُعْرِفُهُنَّ أحدٌ.(متفق عليه)

”حضرت عروہ سے روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھتے تھے، اور مسلمان عورتیں (نماز کے لیے) حاضر ہوتیں، اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی۔ پھر وہ نماز کے بعد اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاتیں اور کوئی انہیں پہچان نہ سکتا تھا۔“

طالبان نے شہروں پر تسلط حاصل کرنے کے بعد تمام خواتین پر شرعی حجاب کی پابندی اور مرد و زن کے مابین اختلاط کو ممنوع قرار دیا اور تعلیمی و سرکاری اداروں میں خواتین کی غیر ضروری آمد و رفت پر وقتی طور پر پابندی لگادی، تا آنکہ ایک ایسا منظم نظام متعارف کروالیا جائے جس میں خواتین اختلاط اور بے پردگی سے بچتے ہوئے اپنی تعلیم اور ضروری کام سرانجام دے سکیں۔

افغانستان کی تمام خواتین نے ان احکامات کا خیر مقدم کیا اور انہیں اپنی عزت اور وقار کا ذریعہ سمجھا، لیکن بین الاقوامی اسلام دشمن قوتوں نے شرعی پردے جیسے اسلامی حکم کی شدید مذمت کی اور پروپیگنڈا جنگ کے ساتھ ساتھ سیاسی دباؤ بھی بڑھانے لگے، یہاں تک کہ ایک بار ہرات شہر میں خواتین کا ایک احتجاجی مظاہرہ بھی ترتیب دیا۔ اس سب کے باوجود ملا صاحب نے شرعی احکامات کی تطبیق میں ذرّہ بھر تساہل اور تنازل سے کام نہیں لیا۔

دیگر سرگرمیاں اور ادارہ جاتی اقدامات

نظام میں تبدیلیوں اور اداروں کی سرگرمیوں کے آغاز کے بعد مجموعی طور پر عمرانی اور انتظامی اقدامات عمل میں لائے گئے۔ اس کے بعد طالبان نے افغانستان میں بے شمار اصلاحات متعارف کرائیں۔ اس حوالے سے طالبان کا اہم مقصد بیت المال، قومی اثاثوں اور وسائل کو محفوظ کرنا تھا۔ طالبان نے قندھار اور دیگر صوبوں میں فعال اور غیر فعال جنگی وسائل جیسے ٹینک، ہیلی کاپٹر، توپ خانے اور دیگر وسائل کو جمع کر کے محفوظ مقامات پر منتقل کیا۔ سرکاری اسباب، تعمیرات اور وہ تمام گھر جو مختلف لوگوں کے قبضے میں تھے، واگزار کروا کر حکومتی دسترس میں دے دیے گئے۔ قندھار شہر اور دیگر علاقوں میں بہت سے لوگوں نے سرکاری زمینوں پر گھر تعمیر کیے تھے، اسی طرح عام شاہراہوں کے درمیان دکانیں اور مارکیٹیں تعمیر کی تھیں، عام راستوں میں پھاٹک لگائے ہوئے تھے۔ قندھار بلدیہ نے تمام راستے کھول دیے اور ناجائز تعمیرات اور دکانوں کو منہدم کر ڈالا۔

عمرانی شعبے میں بھی قابلِ ذکر اقدامات اٹھائے گئے، طالبان نے موسم سرما کے شروع میں صوبہ ہلمند پر قبضہ کیا اور ایک ماہ کے اندر اندر وہاں موجود بُست کی فیکٹریوں کو پھر سے فعال کر دیا اور وہاں کپاس کی پروسیسنگ کے علاوہ گھی، صابن اور چارے کی تیاری شروع کر دی گئی۔

شہری ترقیاتی امور کے حوالے سے طالبان کی زیادہ توجہ مساجد اور دینی مدارس تعمیر کرنے پر تھی، اس سے پہلے پورے افغانستان میں گنتی کے چند مدارس تھے، خانہ جنگی کے دوران ان کی عمارتوں کو بھی نقصان پہنچا تھا، طالبان نے شہروں، دیہاتوں اور اضلاع میں مساجد اور مدارس تعمیر کیے، تاکہ نوجوان نسل کی عملی و فکری تربیت ہو سکے۔

انقلاب کے انہی ابتدائی ایام میں طالبان کی جانب سے شرعی اصلاحات اور رفاہی امور پر بھرپور توجہ سے ظاہر ہوا کہ یہ لوگ اپنے دعوؤں کو عملی جامہ پہنانے والے اور ملک و ملت کے لیے کتنے خیر خواہ ہیں۔

مرکزی دارالافتاء کا قیام

امارتِ اسلامی کے تمام اقدامات شریعت کے مطابق سرانجام دینے کے لیے ایک معتبر دینی و علمی مرجع کی ضرورت تھی، جو تمام مسائل و معاملات میں امارتِ اسلامی کے امیر اور دیگر تمام مسؤلین کی رہنمائی کر سکے۔

اس مقصد کے لیے ملا محمد عمر مجاہد نے قندھار میں مرکزی دارالافتاء کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد رکھی، جو فقہ حنفی کی تعلیمات کے مطابق امارتِ اسلامیہ کے تمام اقدامات کو میزانِ شریعت میں جانچے، اس ادارے نے اگرچہ ابتدا ہی سے کام شروع کر دیا تھا، لیکن ۱۹۹۶ء

میں ملا صاحب نے اس پر خصوصی توجہ دے کر جلیل القدر علمائے کرام اور مشائخ عظام کے مشورے سے اس ادارے کے لیے افرادِ کار کی نئی تشکیل ترتیب دی۔

امارتِ اسلامی کے قاضی القضاۃ مولوی نور محمد ثاقب جو کچھ وقت کے لیے مرکزی دار الافتاء کے رئیس بھی رہے، فرماتے ہیں:

> ”سرطان ۱۳۷۵ھ ش (بمطابق جولائی ۱۹۹۶ء) میں تحریکِ اسلامی طالبان کے امیر کی جانب سے ہم چھ علماء، مولوی نور محمد ثاقب، مولوی حاجی محمد صادق، مولوی محمد نعیم اخندزادہ، مولوی فضل الرحمن، مولوی شہاب الدین دلاور اور مولوی مسلم حقانی، کو قندھار بلایا گیا۔ وہاں پہنچ کر پہلے تحریک کے رہنماؤں ملا محمد ربانی (حاجی معاون صاحب)، حاجی ملا محمد حسن اخوند، مولوی احسان اللہ احسان اور دیگر حضرات سے مجلس ہوئی، اس مجلس میں ابتدائی باتیں ہوئیں، پھر طالبان کی عالی شوریٰ کے ارکان نے کہا کہ ہم نے دیگر علماء جیسے شیخ الحدیث عبد العلی دیوبندی، مولوی خواص اور دیگر حضرات کو بھی مدعو کیا ہے، لہٰذا تفصیلی مجلس بعد میں کریں گے۔
>
> دو دن بعد دوبارہ مجلس منعقد ہوئی، اس میں علماء کی مرکزی شوریٰ کے رئیس مولوی عبد الغفور (سنانی) اور دیگر بڑے علماء نے شرکت کی، مجلس میں قضائی (عدالتی) معاملات اور دار الافتاء کے حوالے سے بحث ہوئی، اس مجلس میں بندہ مولوی نور محمد ثاقب کو مرکزی دار الافتاء کا رئیس اور مولوی خلیل اللہ زرمتی کو عدالت عالیہ تمیز کا رئیس مقرر کیا گیا، اس کے بعد دار الافتاء اور قضائی امور سے متعلق امیر المؤمنین سے بھی ملاقات ہوئی۔“

مرکزی دار الافتاء کے کئی اراکین تھے، جیسے شیخ الحدیث مولوی عبد الحکیم حقانی (قندھار) مولوی عبد اللہ عرف خطیب صاحب (ارزگان)، مولوی حمد اللہ اخندزادہ (دائی چوپان)، مولوی محمد خواص (ہلمند، لکنئی) مولوی رحیم جان آغا (میدان وردگ، سید آباد)، مولوی مسلم حقانی (بغلان)، مولوی عبد القدیم اخندزادہ (میدان وردگ)، ان کے علاوہ دیگر علماء بھی دار الافتاء کے اراکین میں شامل تھے۔

مرکزی دار الافتاء میں عموماً درج ذیل افراد اور اداروں سے استفتاءات اور سوالات بھیجے جاتے تھے:

۱. افغانستان کے عام عوام
۲. مختلف حکومتی ادارے
۳. عدالتی محکموں اور قاضیوں کی جانب سے، تاکہ وہ اپنے فیصلوں میں فقہی مسائل کو واضح کر سکیں

۴. امیر المومنین

مذکورہ دار الافتاء میں امارتِ اسلامیہ سے متعلق تمام اہم مسائل کے علاوہ عام عوام کے بہت سے مسائل اور استفتاءات کا جواب دیا جاتا، اسی طرح ابتدا میں رمضان اور عیدین کا اعلان بھی دار الافتاء کی ذمہ داری تھی۔ مرکزی دار الافتاء کی طرف سے پورے افغانستان کے خطباء کے لیے ایک جامع خطبہ بھی تیار کیا گیا تھا۔

اس وقت مرکزی دار الافتاء نے کافی فتاویٰ بھی صادر کیے تھے، جو (بدر الفتاویٰ فی الفقہ الحنفی) کے نام سے پانچ جلدوں میں ترتیب دیے گئے۔ اب تک تین جلدیں چھپ چکی ہیں، باقی چوتھی اور پانچویں جلد کی ترتیب اور کمپوزنگ کا کام مکمل ہو چکا ہے، جو جلد ہی چھپ جائے گی۔

ان فتاویٰ میں اہم، ضروری اور مفید علمی مسائل کو کافی دقت، غور و خوض اور تفصیل سے معتبر کتابوں کے حوالوں سے مزین کر کے حل کیا گیا ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں، جو روزمرہ زندگی سے متعلق ہیں، جس طرح اس وقت یہ مسائل پیش آئے تھے، ویسے ہی آج بھی ان کی ضرورت ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔

امارتِ اسلامی اور امیر المومنین

انسان روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہونے کی وجہ سے اس بات کا مکلف ہے کہ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے احکامات اور شعائرِ دین کے قیام و نفاذ کے لیے اسلامی نظام نافذ کرے۔

قرآن کریم کی آیات، نبوی ارشادات اور صحابہ کرام کے اجماع سے علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے کہ وہ اپنے لیے امام المسلمین یا امیر منتخب کریں، اسلامی نظام کا نفاذ کریں، اور اگر اس حوالے سے کوئی بھی مسلمان کوشش نہ کرے تو تمام مسلمان اس فریضے کے ترک کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

> اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ؀ (سورۃ یوسف: ۴۰)
>
> ”حکم تو صرف اللہ کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہ سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

دوسری جگہ فرمایا:

> اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَھْلِھَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ؀
> (سورۃ النساء: ۵۸)

”بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کرو اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے، بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ، لَقِيَ اللهَ يَوْمَ القِيَامَةِ لا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔(مسلم)

”جس نے (امیر یا حکمران کی) اطاعت سے ہاتھ کھینچا، وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل (عذر) نہیں ہوگی، اور جو شخص اس حال میں مرے کہ اس کی گردن میں (حاکم یا امام کی) بیعت نہ ہو، وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔“

وأجمعت الصحابة على تقديم الصديق بعد اختلاف وقع بين المهاجرين والأنصار في سقيفة بني ساعدة في التعيين، حتى قالت الأنصار: منا أمير ومنكم أمير، فدفعهم أبو بكر وعمر والمهاجرون عن ذلك، وقالوا لهم: إن العرب لا تدين إلا لهذا الحي من قريش، ورووا لهم الخبر في ذلك، فرجعوا وأطاعوا لقريش. فلو كان فرض الإمامة غير واجب لا في قريش ولا في غيرهم لما ساغت هذه المناظرة والمحاورة عليها (قرطبي: ٢٦٤/١)

”صحابہ کرام نے حضرت صدیق اکبر (ابو بکر رضی اللہ عنہ) کو آگے بڑھانے پر اتفاق کر لیا، اس اختلاف کے بعد جو مہاجرین اور انصار کے درمیان سقیفہ بنی ساعدہ میں تعیین (یعنی خلیفہ کے انتخاب) کے بارے میں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم (مہاجرین) میں سے ہو۔ تو ابو بکر، عمر اور مہاجرین نے انہیں اس مطالبے سے روک دیا اور کہا: عرب صرف اسی قبیلے (قریش) کے لوگوں کی اطاعت کریں گے، اور انہوں نے اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ان کے سامنے بیان کی۔ تو انصار (اپنی بات سے) پلٹ گئے اور قریش کی بات مان لی۔ اگر امامت فرض نہ ہوتی، نہ قریش کے لیے اور نہ غیر قریش کے لیے، تو یہ مناظرے اور گفتگو کا جواز ہی نہ ہوتا۔“

امام غزالی، علامہ ابن خلدون، علامہ شہرستانی، علامہ ماوردی، علامہ ابن حجر ہیتمی، امام نووی، علامہ شاہ ولی اللہ اور دیگر متقدمین علمائے کرام رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ اسلامی نظام کا نفاذ اور امام کی تقرری ایک اہم شرعی فریضہ ہے۔

اگرچہ خلافت راشدہ کے بعد بہت کم لوگ ہی حقیقی خلافت کے مستحق ہوئے ہیں (اس کے باوجود انہیں مسلمانوں کا امیر اور مسئول مانا گیا)، لیکن بعد کی صدیوں میں عثمانی سلطنت ہی وہ واحد مرجع تھی، جو اسلام کے دفاع اور احکام اسلام کے نفاذ میں پیش پیش رہی، اسی وجہ سے اسے خلافت عثمانیہ جیسے عظیم لقب و عنوان سے پکارا جاتا ہے۔

تقریباً ایک صدی پہلے خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد مسلمانانِ عالم اسلامی نظام حکومت سے محروم ہوگئے، اس کے بعد پورا عالمِ اسلام مغربی استعمار کے شکنجے میں چلا گیا اور مشرق و مغرب کے کفار نے مسلمان معاشروں کے عقائد، افکار، تہذیب و ثقافت، سیاست اور اجتماعی و معاشرتی اقدار میں اپنا زہر انڈیلنے کی کوششیں شروع کر دیں، جس کے نتیجے میں مسلمان معاشرے اپنے دینی اصول و اقدار سے دور ہوگئے، اس ہمہ جہت شکست وریخت اور مغربی رنگ میں رنگنے کے بعد ہماری سیاست اور امارت بھی بری طرح متاثر ہوئی، اس سے قبل مسلمانوں کی قیادت و حکومت شرعی امراء اور اسلامی حکومتوں کے ہاتھوں میں ہوتی، شکست کے بعد مسلمانوں نے مغرب کی تقلید میں (ریاست + قوم) کے نظریے کی بنیاد پر قوم پرستانہ، اشتراکیت پسند، لادین یا پھر مغربی طرز کے بدعتی جمہوری نظام ہائے سیاسی قبول کر لیے، جس کے نتیجے میں نہ صرف اسلام کی تشریعی و تقنینی حیثیت ختم کر دی گئی بلکہ متحدہ اسلامی امت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے اور اسلامی سیاست و حکومت عملی میدان سے بے دخل کر دی گئی۔

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد بیسویں صدی عیسوی میں اسلامی سیاسی حاکمیت کے اعادے کے لیے عالم اسلام کے مختلف ممالک میں سیاسی اور جہادی تحریکیں شروع ہوئیں، فکری اور دعوتی جماعتوں کی تشکیل عمل میں لائی گئیں، عوامی جدوجہد ہوئی، کچھ ممالک میں انتخابات کے ذریعے اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوششیں ہوئیں، اور دعوت و تبلیغ سے منسلک بعض افراد نے اصلاحِ افراد کے ذریعے اسلامی انقلاب کے لیے لمبے عرصے کی پلاننگ کی اور اس میں جُت گئے۔

باوجود یہ کہ یہ تمام تر کوششیں اسلامی تاریخ کے روشن جھروکے ہیں اور مسلمانوں کی اسلامی نظام سے محبت و عقیدت کا مظہر ہیں، لیکن افسوس کا مقام یہ تھا یہ سب کوششیں اور جدوجہد صرف کوششیں ہی رہیں، یہ تمام تر مجاہدے نظری و فکری ہی رہے، عمل کی دنیا میں ان کا کوئی نام ونشان نہ تھا، انہیں کوئی عملی جامہ نہ پہنا سکا، اس حوالے سے شاید ملا محمد عمر مجاہد ہی وہ شخصیت ہیں، جن پر اللہ کا خصوصی فضل و احسان ہوا کہ انہوں نے اسلامی نظام کو فکر و نظر کے بجائے عملی طور پر نافذ کیا۔ خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد بیسویں صدی عیسوی کے دسویں عشرے اور پندرہویں صدی ہجری کے دوسرے عشرے میں اسلامی نظام کے سرنگوں پرچم کو دوبارہ لہرایا اور پوری دنیا کے سامنے ایک بار پھر اسلامی حکومت اور شریعت کے نفاذ کا عملی نمونہ دکھا دیا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

حق کے سائے تلے......

سنان الداعی

چار سال کا عرصہ گزر چکا ہے کہ آفتاب امارت اسلامیہ مسلسل عروج کی منزلیں طے کرتا ہوا مسلمانان افغانستان کو اپنی روشنی سے نفع بخش رہا ہے۔ اللہ کی شریعت کے مکمل نفاذ کی منزلیں طے کرنے کے ساتھ ساتھ امن وامان کی وہ مثال قائم ہے جو دنیا کے کسی بھی مغربی ملک یا نام نہاد اسلامی ممالک میں دیکھنے کو نہیں ملے ملتی۔

طالبان ضیوف الرحمٰن کی فتح ونصرت کی تمنا ہر ایک صحیح العقیدہ نیک دل مسلمان کے ایمان کا تقاضہ تھی۔ فضل خدا کے ساتھ ساتھ شوق شہادت اور جذبہ جہاد سے معمور مجاہدین اور اللہ کی راہ میں مال لٹانے والے اہل خیر حضرات، سب کی چاہت تھی کہ حق وباطل کے اس معرکے میں حق کی فتح کے بعد ایک ایسے اسلامی نظام کا قیام ہونے جارہا ہے جس کا سایہ دنیا کے ہر مخلص مومن کو نصیب ہوگا، جو ہر باطل نظام سے ہمہ وقت ٹکرانے کے لیے تیار ہوگا، جس کے آنے سے اسلام غالب اور دینی اقدار کا رواج ہوگا۔ ہر ایک یہ سوچ رہا تھا کہ یہاں پہ غلبۂ حق کے اثرات پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش اور دور سے دور فلسطین اور مغرب اسلامی، الجزائر و لیبیا تک پہنچیں گے۔

چار سال بیت چکے ہیں میڈیا پر طالبان کے اقتدار میں آجانے اور امریکہ ظالم کے مکمل انخلاء کے سوا کوئی بھی مثبت خبر نہیں چلائی گئی۔ الٹا منفی پروپیگنڈا کرکے فتنہ وفساد کی جڑوں کو مسلمانوں کے ممالک میں مضبوط کرنے کی کوشش کی گئی۔ ساری تمنائیں دھری کی دھری رہ گئیں، ہر نیک خواہش بھولی بسری ہونے لگی، سب ہی اچھی چاہتوں پر پانی پھیرا جاچکا! لیکن اس میں مخلص طالبان حکمرانوں کا کیا قصور؟ افغان قوم تو چین وسکون کا سانس لے رہی ہے، اپنے اسلام پر عمل پیرا حکمرانوں سے راضی ہے۔ وہاں بیانات کی گرج کے بجائے خیر کی برسات ہے، پھر آخر کیا وجہ ہے کہ وہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو پا رہے؟

اس کی بنیادی وجہ دو طبقوں کا کردار ہے۔ ایک طبقہ منافق حکمرانوں کا ہے جن کو مسلم اقوام پر مسلط کیا گیا ہے۔ اس طبقہ کا کام اپنے ممالک میں بسنے والی مسلم عوام کی منفی ذہن سازی کرنا، حق کو باطل عناوین کے ذریعے چھپانا اور کردار کشی کی جھوٹی مہم چلانا ہے۔ یہ وہ ذمہ داریاں ہیں جو ان حکمرانوں کو اپنے آقاؤں کی طرف سے سونپی گئی ہیں۔ یہی طبقہ اسلام کے غلبہ سے خوف زدہ ہے کہ اسلام کی آمد سے ان کی ساری دکانیں اور چودراہٹیں ختم ہوجائیں گیں اور اسی خوف کی وجہ سے یہ اپنے ممالک میں رائج نظاموں کو زمانے کا سب بہترین نظام بتانے اور ان نظاموں کے خلاف کام کرنے والوں پر ظلم کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے اوپر سے دربار سے وابستہ ملاؤں نے ان کے ہر تصرف کو خواہ وہ شرعی ہو یا نہیں، اسے شریعت کا ہم آہنگ بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ میڈیا بھی اسی منافق طبقہ کی زیر نگرانی شعوری اور لاشعوری طور پر حق کو باطل اور باطل کو حق دکھانے میں لگا ہوا ہے۔ ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ صحیح العقیدہ مسلمان جو شریعت کے غلبے کا طالب ہے، اسے فتنہ پرور اور خارجی یا دہشت گرد بتلاکر سادہ لوح عوام کو حقائق سے بے خبر رکھا جائے اور اپنی شکست کو فتح کا عنوان دے کر اپنی بدکرداری، بدعنوانی اور ظلم وفساد کو چھپایا جائے۔ اس طبقے سے ہمیں خیر کی امید بھی نہیں کہ ان کے شیاطین کی طرف سے سلسلہ وحی منقطع نہیں ہوا ہے اور ان کی تربیت بھی ان کے اتالیقوں نے کافی کر رکھی ہے۔ اس لیے ہمیں ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں۔

وَاِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ لَيُوۡحُوۡنَ اِلٰٓى اَوۡلِيٰٓـئِـهِمۡ لِيُجَادِلُوۡكُمۡ (سورۃ الانعام:۱۲۱)

”اور شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں۔“

دوسرا طبقہ جس کا یہاں ذکر کیا جارہا ہے وہ اہل حق کا طبقہ گردانا جاتا ہے۔ یہ طبقہ علمائے وقت کا طبقہ ہے۔ یہ طبقہ عوام میں مقبول بھی ہے اور ان کی بات بھی سنی جاتی ہے۔ ہر سمجھ دار آدمی ان کی بات کو سمجھنے اور اس کی دعوت دینے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طبقہ محدود بھی ہے اور اس کا حلقہ بھی محدود ہے اور ان کی زندگی کے شب و روز بھی محدود ماحول کے مطابق گزرتے ہیں۔ شاید تفصیلی طور پر ان لوگوں کو امارت کے کارناموں کا علم نہ ہو مگر بنیادی طور پر سب ہی یہ جانتے ہیں کہ افغانستان کی سرزمین پر جو اسلامی نظام قائم ہوا ہے وہ امیر المومنین ملا محمد عمر رحمہ اللہ کی قائم کردہ امارت اسلامیہ کا ہی ایک تسلسل ہے، جس پر اسلاف اور اکابرین کا اتفاق اجماع کی حد تک تھا اور آج بھی ہر حق پرست امارت اسلامیہ کے ساتھ اسی طرح کھڑا ہے جیسا کہ ماضی میں تھا۔

یہ طبقہ ان حضرات کا ہے (جن میں خاص طور پر برصغیر کے علماء ہیں) جو اپنے ممالک کے حکمرانوں کے لیے دردِ سر اور ان کے بہت سے باطل عزائم کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ مگر جوں جوں زمانہ گزرتا جارہا ہے ایسے حضرات بھی ناپید ہوتے جارہے ہیں اور جو حیات ہیں وہ خاص طرزِ فکر کے ساتھ چلنے اور مخصوص دینی تعلیم کے اداروں اور تنظیموں ہی کے دفاع کو ترجیح دیتے ہیں اور انہی کی حفاظت کے لیے جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں جبکہ ان اداروں اور تنظیموں کی حیثیت ذرائع سے زیادہ نہیں۔

علمائے کرام امت کا ایسا گروہ ہیں جو دعوتِ حق اور ظہورِ حق کے بعد اس کو قبول کرنے سے بالکل نہیں کتراتے، بلکہ ان کی ترجیح ہی یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح امت اس نااتفاقی، انتشار اور کفر کے پھیلائے گئے فتنوں کے بھنور سے نکل کر الفت واتحاد اور اسلام کی خیر کی طرف آئے۔ جب امارت اسلامیہ کو اللہ تعالیٰ نے افغانستان میں دوسری بار فتح نصیب فرمائی اور

اقتدار عطا فرمایا تو امت کے علماء کی بڑی تعداد نے اس نعمت کی خوشی اور نیک تمناؤں کا اظہار کیا اور اس بات کا بھی بعض جگہوں پر تذکرہ ہوا کہ اسلامی نظام کے حصول کے لیے اسی طرح کی جدوجہد اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے جو افغانستان میں مجاہدین نے کی۔ مبارک بادوں کے ابتدائی ایام کے بعد سے یہ سلسلہ تاہنوز موقوف ہے، اور افغانستان میں قائم اسلامی حکومت کے دفاع، اس کی توسیع، ان سے عوامی سطح پر باہمی محبت کے فروغ اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے شاید کوئی ایسی محنت نہیں کی گئی جس سے ان خوابوں کو شرمندہ تعبیر کیا جاسکے۔

ضرورت اس امر کی محسوس ہوتی ہے کہ مذہبی طبقہ امارت اسلامیہ کے ساتھ ملت کو اس طرح جوڑے کہ پوری امت متحد ہو جائے۔ آج کل مسلمانوں میں باہمی اتحاد کی راہ ہموار کرنے کے لیے کئی طریقے اور انداز اپنائے گئے ہیں مگر یہ سب وہ طور طریقے ہوتے ہیں جس سے دشمن کو بھی ٹھیس نہیں پہنچتی اور ان میں ایسے نعرے استعمال کئے جاتے ہیں کہ دشمن ہماری طرف اگر متوجہ بھی ہو تو وہ ہماری تعریف ہی کرے اور ہماری کی جانے والی ساری کوششوں کو سراہے، یعنی ہم ایسی محنت کریں کہ ہمیں بھی آنچ نہ آئے، دشمن بھی ناراض نہ ہو اور ہم نتیجہ بھی حاصل کرلیں حالانکہ یہ نظریہ بالکل غیر معقول ہے کیونکہ حق کی دعوت ہو اور باطل سے ٹکراؤ نہ ہو، ناممکن بات ہے اور نہ ہی ایسی کوئی نظیر اسلامی تاریخ میں نظر آتی ہے۔ خائن، غلام، منافق اور کافر حکمرانوں سے ٹکرانے کا جذبہ مذہبی طبقہ اور ان کے بڑوں میں ہوتا بھی ہے تو اس کا طریقہ کار قرآن مخالف، ملحد کفار کے ایجاد کردہ نظام حکومت، معیشت، نظام عدالت اور نظام تعلیم کا جزو ہوتا ہے جو کسی طور کارگر اور مؤثر نہیں ہو سکتا۔

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ (سورۃ آل عمران:۱۹)

"بے شک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔"

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا (سورۃ المائدۃ:۳)

"آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔"

شرعی نقطہ نگاہ سے وہ کون سے ایسے عوامل اور امور ہیں جن کو اپنا کر ہم امت میں باہمی اتحاد کی ایک ایسی فضا اور سایہ قائم کردیں جس میں مسلمانانِ عالم ٹھنڈی اور راحت کی سانس لے سکیں؟ کن طریقوں کے سہارے ہم امت میں جوڑ پیدا کرسکتے ہیں؟ اور کون سی ایسی دعوت ہے جو امت کی وحدت کے لیے مؤثر تو ہو ہی اور واجب بھی ہو؟ ان نکات پر غور کیا جائے اور پھر غور و تدبر سے حاصل نتیجہ پر عزم و توکل کے ساتھ عمل کیا جائے تو امت نہ صرف متحد ہو گی بلکہ ارض اللہ پر موجود عالمی کفر کے مقابلے میں ایک عظیم اسلامی حکومت خلافت کی صورت میں نمودار بھی ہو گی اور فتنوں کے ختم ہونے کا باعث بھی بنے گی کہ بہت سے فتنوں کی سرکوبی کے لیے امت کی قیادت کا مخلص مسلمانوں اور امت کا درد رکھنے والے لوگوں کے ہاتھ میں ہونا بھی لازمی ہے۔

امت مسلمہ کے لیے ایک امیر شرعی ضرورت، امیر المومنین کی بیعت، امارت اسلامیہ کے ساتھ الحاق، ان کی امارت کی عمومی حیثیتِ شرعیہ کا بیان، یہ وہ عوامل و دواعی ہیں جو امت کو ایک جھنڈے کے نیچے، حق کے سائے تلے اور اسلامی نظام کے ساتھ چلنے پر برضا و رغبت آمادہ کریں گے اور ہم (اسلامی ممالک کے باشندے) آپس کے ملی، سیاسی، عدالتی، معاشی و فوجی انتشار اور جمہوری سیاسی، مسلکی و نظریاتی افتراق سے نکل سکیں گے۔ اس حوالے سے ذہن سازی کرنے کے لیے اور رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے ہمارے پاس بہت مضبوط پلیٹ فارمز ہیں جن کا مثبت و مؤثر استعمال کرکے ہم معاشرے میں اسلامی انقلاب کی تحریک برپا کرسکتے ہیں۔ مساجد کے منبر و محراب سے ائمہ کی صدائیں، مدارس کی مسندوں پر جلوہ افروز اساطینِ علم و تقویٰ کی طرف سے کی جانے والی ذہن سازی، خانقاہوں میں جلوہ نشین وقت کے اولیاء و صلحاء کی تربیت مسترشدین، دعوت و تبلیغ کے مراکز سے نکلنے والی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی جماعتوں میں اس دعوت کا حصہ اور سیاسی جلسوں اور کانفرنسوں میں اس چیز کو حصولِ مقاصد عالیہ کا صحیح منہج بتایا جانا اور سابقہ تمام مجرب شدہ غیر شرعی طور طریقے چھوڑ کر ان خطوط پر چلنے کا اگر نظریہ بنایا جائے تو اللہ کی ذات پر یقین رکھتے ہوئے کہتا ہوں کہ عنقریب ان شاء اللہ وہ وقت آئے گا جب امت آسودگی، چین و سکون کی حالت میں زندگی بسر کرے گی۔

اس راہ پر چلنا بھی اصطلاح قرآنی میں جہاد ہے کہ دعوتِ حق کے لیے عزیمت کی راہ اپنانا ہی ضروری ہوتا ہے اور اس سے ایک گونہ بھی اعراض کرنا پوری دعوت سے اعراض کرنے کے مترادف ہے۔ اس راہ میں اہل حق کا خون تو بہے گا مگر جب ملت کے نوجوانوں کو صحیح رخ دیا جائے گا تو ہر گھر، گلی کوچے سے مشتاقِ شہادت مجاہد صفت غازی، قائد و انقلابی نکلے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ قربانی والے اور بغیر قربانی والے کہاں برابر ہوسکتے ہیں۔

لَا یَسۡتَوِی الۡقٰعِدُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ غَیۡرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالۡمُجٰهِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ (سورۃ النساء:۹۵)

"جو مسلمان (گھروں میں) بیٹھ رہتے ہیں (اور لڑنے سے جی چراتے) ہیں اور کوئی عذر نہیں رکھتے وہ اور جو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑتے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔"

جس طرح سے اہل علم اور غیر اہل علم برابر نہیں ہوسکتے کہ وہ حق بیان کرتے ہیں، علمِ حق کے مطابق عمل کرتے ہیں، تقویٰ و عزیمت کی راہوں کو چنتے ہیں اور انہیں کا شیوہ ہے کہ ملت اسلامیہ پر اپنی جانیں قربان کرکے احسان کرتے ہیں اور ملت کی حفاظت فرماتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حرمین شریفین کا دفاع: حقیقت یا افسانہ؟

ابو عمر عبد الرحمٰن

ادھر قطر پر حملہ ہوا اور اُدھر قطر کی جگہ سعودیہ کے ساتھ پاکستان کا فوراً دفاعی معاہدہ ہو گیا۔ کیا ایسے معاہدے اس قدر جلدی ہوا کرتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ جب سے راحیل شریف کا سعودیہ میں ''روزگار'' لگا تھا، اُسی وقت سے اس پر اتفاق ہو چکا تھا۔

آپ کو یاد ہو گا جب سعودی حوثی جنگ شروع ہوئی تھی تو سعودیہ نے پاکستان سے پوچھے بغیر اپنے اتحاد میں پاکستان کو شامل قرار دیا۔ پاکستان کے لیے یہ ایک پریشان کن خبر تھی، اس لیے کہ اسے سرے سے اعتماد میں نہیں لیا گیا تھا۔

اُس وقت ایران طاقتور تھا۔ شام، لبنان، یمن اور عراق ہر جگہ اس کی ملیشیائیں سرگرم تھیں۔ پاکستان کے لیے سعودیہ کے ساتھ مل کر حوثیوں کے خلاف جنگ لڑنا مشکل تھا۔ لہٰذا پارلیمنٹ کو بیچ میں ڈالا گیا اور اعلان کیا گیا:

> ''ہم ہر مشکل میں سعودیہ کے ساتھ ہیں، لیکن یمن کے معاملے کو مذاکرات کے ذریعے حل کرانا چاہتے ہیں۔''

اس پر ابنِ سلمان سخت ناراض ہوا، دھمکیوں تک نوبت پہنچی، پاکستان کو قرض جلد از جلد واپس کرنے کی بات بھی کی گئی اور یہ سب میڈیا پر آ گیا اور یہ سب ریکارڈ پر موجود ہے۔

پاکستان سعودیہ کی ناراضگی کے سامنے زیادہ دیر مزاحمت نہ کر سکا۔ حوثیوں کو دبانا امریکہ اور اسرائیل کی بھی ضرورت تھی۔ بالآخر بائیڈن انتظامیہ بھی اس معاہدے کے حق میں ہو گئی اور یوں تینوں حکومتوں میں اتفاق ہو گیا۔

لیکن یہ میدان آسان نہ تھا، پاکستان کی ایران کے ساتھ سرحد ہے اور وہ ایران کی دشمنی مول لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا، لہٰذا موقع کا انتظار رہا۔

ایران اسرائیل جنگ میں ایران کمزور ہوا۔ شام، لبنان اور عراق کی ملیشیائیں ختم یا بہت کمزور ہوئیں۔ البتہ حوثی اب بھی باقی ہیں اور سعودیہ و اسرائیل کے لیے بڑا خطرہ ہیں۔ اسرائیل پر ان کے حملے بھی جاری ہیں اور آپ دو دن پہلے حوثی لیڈر کا بیان سن لیں جس میں اُس نے سعودیہ کو کھلی دھمکیاں دی ہیں۔

صورتِ حال یہ ہے کہ امریکہ اور اسرائیل ہمیشہ ایک تھے اور ہیں۔ حوثیوں سے آج بھی خطرہ موجود ہے۔ ایران کمزور ہو چکا ہے اور امریکہ نے اس کا مزید گھیراؤ کیا ہوا ہے۔ ایسے میں قطر پر حملے کے بعد پاکستانی عوام اور اہلِ دین کی آنکھوں میں دھول جھونکنا مزید آسان ہو گیا، اور یوں امریکہ ہی کی رضامندی سے فوراً بریکنگ نیوز آ گئی کہ سعودیہ پاکستانی فوجی معاہدہ طے ہو گیا، ایک پر حملہ دوسرے پر حملہ تصور ہو گا!

یہ معاہدہ اسرائیل و امریکہ کے خلاف ہرگز نہیں ہے۔ اس کا مقصد وہی ہے جو امریکہ و اسرائیل سعودیہ میں چاہتے ہیں۔ یعنی:

سعودی باطل نظام کو مضبوط بنانا اور اسے حوثیوں اور اپنے ہی عوام (مجاہدین) سے محفوظ رکھنا۔

یہ ہمارا خیال ہے اور اس پر کئی دلائل موجود ہیں:

۱. سعودیہ کو اپنی پوری تاریخ میں امریکہ یا اسرائیل سے کوئی خطرہ نہیں رہا۔ کوئی ایک حملہ دکھا دیں جو اِن دونوں نے سعودی نظام کے خلاف کیا ہو؟ سعودیہ دراصل امریکہ کے زیرِ قبضہ ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ٹرمپ کے بیانات سب کے سامنے ہیں۔ اگر سعودیہ امریکہ کا غلام نہ ہوتا تو مفت میں اتنا بڑا سرمایہ (خراج) کیوں دیتا؟ سعودیہ ہی نہیں، قطر و امارات سب امریکی غلام ہیں۔

۲. اسرائیل کا نیتن یاہو آج ابنِ سلمان سے جتنا خوش ہے، اتنا پہلے کبھی نہیں تھا۔ حماس کو ختم کرنے سے لے کر جزیرۂ عرب کو ''مستقبل کا یورپ'' بنانے تک سارا کام ابنِ سلمان اسرائیلی منصوبوں کے مطابق ہی کر رہا ہے۔ یہ کوئی خفیہ بات نہیں، اُس کے اپنے بیانات اور اقدامات اس پر شاہد ہیں۔

آخر میں پاکستانی عوام کے نیک جذبات کو سامنے رکھ کر عرض ہے:

ابنِ سلمان حرمین شریفین کا کتنا محافظ ہے؟! بیت اللہ کے مجسمے بنا کر اُن کے گرد امریکی فاحشاؤں کو نچوانا، حرمین کی زمین پر بدکاروں کو لا کر نمائشیں کروانا، سعودی نوجوانوں کو تباہی کے راستے پر ڈالنا، کیا یہ سب دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ اسے حرمین کی حفاظت کی فکر ہے؟ حرمین شریفین کی تقدس کا سب سے پہلا دشمن تو یہ ظالم خود ہے!

حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی فوج کو حرمین کی سرزمین کو ''یورپ'' بنانے کی مہم میں شریک کر لیا گیا ہے، نہ کہ دین و مقدسات کی حفاظت کے لیے! اور یہ سب کچھ امریکہ و اسرائیل کی خواہش اور منصوبے کے تحت ہے کوئی یہ نہ کہے کہ ہم حوثیوں کے خلاف نہیں۔ ایران اور حوثیوں کے متعلق ہمارا موقف سب کو معلوم ہے۔ ہم روافض کے دشمن ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۴۶ پر)

فوج کی 'تقسیم کرو اور راج کرو' کی پالیسی

اریب اطہر

جہادِ پاکستان آج صعوبتوں، ہجرتوں، شہادتوں اور آزمائشوں کے ایک طویل سفر کے بعد اہم دوراہے پر موجود ہے۔ اسباب کے حوالے سے دیکھا جائے تو پاکستان میں مجاہدین کو جو آج اسلحہ اور اسباب میسر ہیں وہ ماضی میں میسر نہیں تھے۔ پاکستان کا آرمی چیف امریکہ اور دنیا بھر میں روتا پیٹتا ہے کہ جدید اسلحہ ان کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔ لیکن مجموعی منظر نامہ وہ نہیں ہے جو ہونا چاہیے تھا۔ فوج معاشرے کے بیشتر طبقات، مذہبی و غیر مذہبی، سیاسی و غیر سیاسی، سب کو امن کے نام پر مجاہدین کے خلاف کھڑا کرنا چاہتی ہے۔ اور اس پیش رفت کی اصل وجہ یہی ہے کہ نام نہاد دہشت گردی کی جنگ کے دوران فوج نے دوسرے تمام محاذوں پر اپنی سازشی منصوبہ بندی کبھی بھی نہیں روکی۔ فوج کی یہ حکمت عملی نئی نہیں بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی کا تسلسل ہی ہے، ہاں وقت گزرنے کے ساتھ اس فوج نے استحصال، لوٹ مار اور عوام کو اپنا غلام بنائے رکھنے کے جدید طریقے ایجاد کئے ہیں جنہیں دیکھنے کے بعد انہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کی جدید شکل کہنا مناسب ہو گا۔

اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے جہاں ضروری ہے کہ فوج کو تمام محاذوں اور اطراف سے بے نقاب کیا جائے اور دبوچا جائے وہیں ان اسباب سے پہلے سب سے اہم چیز رجوع الی اللہ ہے۔ ہم اپنی نیتوں کا، اپنے اعمال کا محاسبہ کرنے والے بن جائیں کہ کہیں اس میں کوئی ایسا عمل یا نیت تو نہیں جو اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہو۔ کہیں جانے انجانے میں ہم ان اللہ والوں سے تو دور نہیں ہوگئے جن کی حکمت و فہم ہم جلد بازی میں سمجھنے سے قاصر ہیں۔ پاکستانی معاشرے کی پیچیدہ صورتحال میں جہادِ پاکستان کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لیے صرف مجاہدین کے مابین کے تعاون اتحاد و اتفاق ہی ضروری نہیں بلکہ تمام اہلِ دین طبقات کو کسی درجے میں اپنے ساتھ شامل کرنے کی ضرورت ہے، بلکہ اہلِ دین ہی کیا وہ طبقہ جو دین سے دور ہو چکا ہے اگر پاکستان میں اس ظالم فوج اور ظالمانہ نظام کے خاف کھڑا ہوتا ہے تو ہمیں اس سے بھی غیر ضروری الجھنے سے اجتناب کرنا چاہیے چہ جائیکہ ہم اہلِ دین طبقات کے ساتھ اختلافات کو ہوا دیں۔

ہمیں اپنی نیتوں کو ٹٹولنا چاہیے کہ کہیں ہمارا دھیان اللہ تعالیٰ سے زیادہ اس قوت و اسباب کی طرف تو نہیں ہو گیا جو ہمیں میسر آئے ہیں۔

لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىۡ مَوَاطِنَ كَثِيۡرَةٍ‌ ۙ وَّيَوۡمَ حُنَيۡنٍ‌ ۙ اِذۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡكُمۡ شَيۡـئًا وَّضَاقَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّيۡتُمۡ مُّدۡبِرِيۡنَ‌ۚ ○ (سورۃ التوبۃ: ۲۵)

”حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت سے مقامات پر مدد کی ہے، اور (خاص طور پر) حنین کے دن جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کر دیا تھا، مگر وہ کثرت تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم نے پیٹھ دکھا کر میدان سے رخ موڑ لیا۔“

غزوہ حنین میں مسلمانوں کی جانب سے چودہ ہزار سپاہی مقابلہ کے لئے نکلے تھے اور سامان جنگ بھی ہمیشہ سے زیادہ تھا اور یہ لوگ بدر و احد کے میدانوں میں یہ دیکھ چکے تھے کہ صرف تین سو تیرہ بے سروسامان لوگوں نے ایک ہزار کے لشکر جرار پر فتح پائی، تو آج اپنی کثرت اور تیاری پر نظر کر کے حاکم اور بزار کی روایت کے مطابق ان میں سے بعض کی زبان سے ایسے کلمات نکل گئے کہ آج تو یہ ممکن نہیں کہ ہم کسی سے مغلوب ہو جائیں آج تو مقابلہ کی دیر ہے کہ دشمن فوراً بھاگے گا۔

مالک الملک و الملکوت کو یہی چیز ناپسند تھی کہ اپنی طاقت پر بھروسہ کیا جائے، چنانچہ مسلمانوں کو اس کا سبق اس طرح ملا کہ جب قبیلہ ہوازن نے منصوبے کے مطابق یکبارگی ہلہ بولا اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستوں نے چار طرف سے گھیر اڈال دیا، گرد و غبار نے دن کو رات بنا دیا تو صحابہ کرام کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنے لگے، صرف رسول کریم ﷺ اپنی سواری پر سوار پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے تھے، اور بہت تھوڑے سے صحابہ کرام جن کی تعداد تین سو اور بعض نے ایک سو یا اس سے بھی کم بتلائی ہے آنحضرت ﷺ کے ساتھ جے رہے، وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ آپ آگے نہ بڑھیں۔

یہ حالت دیکھ کر آپ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ کو پکارو کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے جہاد کی بیعت کی تھی، اور سورۃ بقرہ والے حضرات کہاں ہیں، اور وہ انصار کہاں ہیں جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا تھا، سب کو چاہیے کہ واپس آئیں، اور رسول اللہ ﷺ یہاں ہیں۔ حضرت عباس کی ایک آواز بجلی کی طرح دوڑ گئی، اور یکایک سب بھاگنے والوں کو پشیمانی ہوئی، اور بڑی دلیری کے ساتھ لوٹ کر دشمن کا پورا مقابلہ کیا، اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد بھیج دی، ان کا کمانڈر مالک بن عوف اپنے اہل و عیال اور سب مال کو چھوڑ کر بھاگا اور طائف کے قلعہ میں جا چھپا، اور پھر باقی پوری قوم بھاگ کھڑی ہوئی، ان کے ستر سردار مارے گئے، بعض مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ بچے زخمی ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا، ان کا سب مال مسلمانوں

کے قبضہ میں آیا، چھ ہزار جنگی قیدی چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں چار ہزار اوقیہ چاندی ہاتھ آئی۔[1]

اصل موضوع کی طرف واپس آتے ہیں جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ فوج اس وقت جہادِ پاکستان کو کچلنے کے لیے جو ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہے اس میں مذہبی، سیاسی، معاشرتی لحاظ سے فوج جو کچھ کر رہی ہے اس کے مناسب توڑ اور مجاہدین کی دعوت اور پیغام کو عام عوام میں مقبول بنانے کے لیے جس جدوجہد کی ضرورت ہے اس کے لیے جہادی جماعتوں میں تعاون سمیت، یہ بھی ضروری ہے کہ مختلف مکتبہ فکر اور شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد جو حکیمانہ بصیرت بھی رکھتے ہوں اور ملک وملت اور اپنے دین کے لیے جذبہ بھی رکھتے ہوں ان کی صلاحیتوں کو بھی استعمال کیا جائے اور اسے ایسا رخ دیا جائے جو اس فوج کے تسلط و قبضے کے توڑ میں مدد دے۔ پاکستانی فوج کی موجودہ استحصالی و استعماری ذہنیت اور پالیسیوں کو سمجھنے کے لیے یہاں ہم ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسیوں کی بھی مثالیں سامنے رکھتے ہیں جس سے موجودہ حالات اور ان کا حل سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اورنگزیب کی ۱۷۰۷ء میں وفات کے بعد اقتدار نااہل حکمرانوں کے ہاتھ میں پہنچ چکا تھا، ۱۷۱۷ء میں بادشاہ فرخ سیر بیمار ہوا تو اس کے علاج کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ڈاکٹر ولیم ہملٹن کو بھیجا جس نے فرخ سیر کا علاج کیا اور وہ ٹھیک ہو گیا۔ بادشاہ نے حسب روایت انعام وخلعت پیش کی، ہملٹن نے لینے سے انکار کر کے کمپنی پر ٹیکس معاف کرنے کی درخواست کی جو قبول ہوئی۔ ڈاکٹر سبحان اللہ لکھتے ہیں اس ٹیکس معافی کا جتنا فائدہ کمپنی کو ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ دیسی کمپنیوں کو ٹیکس کی وجہ سے اپنا مال مہنگا بیچنا پڑتا تھا جبکہ کمپنی اس جھنجھٹ سے آزاد ہو گئی۔ اس طریقے سے مقامی کمپنیوں کو مارکیٹ سے بے دخل کیا گیا یوں بہت کم عرصے میں ہندوستان کا صنعتی کنٹرول کمپنی کے ہاتھ میں آ گیا اور دیسی کارخانہ داران کے رحم وکرم پر ہو گئے۔

معاشی قبضے کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی اس پالیسی کو پاکستانی فوج نے شروع دن سے اپنایا لیکن اسے سمجھنے اور بے نقاب کرنے میں اس قوم کے دانشوروں کو ساٹھ ستر سال لگ گئے۔ اب اگرچہ اس ناسور کی تشخیص ہو چکی ہے لیکن اس کا علاج کیونکر ہو پائے گا؟ کیا پاکستان کی تمام سیاسی جماعتیں بھی مل کر کوئی قانون پاس کروا سکتی ہیں جو فوج کو تجارت اور کاروبار سے روکے؟ بقول قیصر بنگالی پاکستان میں بزنس سیکٹر فوج کے کاروبار کی وجہ سے مفلوج ہو چکا ہے۔

لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی

ایسٹ انڈیا کمپنی کی ”تقسیم کرو اور راج کرو“ (Divide and Rule) کی پالیسی برصغیر پاک وہند پر اس کے قبضے اور کنٹرول کے دوران ایک اہم حکمت عملی تھی۔ اس پالیسی کا مقصد مختلف مذہبی، نسلی، اور علاقائی گروہوں کے درمیان تقسیم پیدا کر کے انہیں کمزور کرنا اور اپنی حکمرانی کو مضبوط بنانا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے سترہویں سے انیسویں صدی تک برصغیر میں اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے مختلف گروہوں کے درمیان تقسیم کو فروغ دیا۔ اس پالیسی کے تحت ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، اور دیگر گروہوں کے درمیان باہمی عدم اعتماد پیدا کیا گیا، تاکہ وہ متحد ہو کر کمپنی کے خلاف مزاحمت نہ کر سکیں۔ ولیم ڈیلرمپل اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کی مقامی طاقتوں کو کمزور کرنے کے لیے ”تقسیم کرو اور راج کرو“ کی پالیسی کو بطور ہتھیار استعمال کیا۔ کمپنی نے مقامی راجاؤں، نوابوں، اور جاگیرداروں کو ایک دوسرے کے خلاف لڑایا، جیسے کہ میسور کے ٹیپو سلطان اور مرہٹوں کے درمیان تنازعات کو ہوا دی۔ اس کے علاوہ، مذہبی اور نسلی اختلافات کو بڑھاوا دیا۔[2]

ایڈورڈ سائیڈ کی کتاب برصغیر میں نوآبادیاتی نظام کی گہری چھان بین کرتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کمپنی نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان سماجی اور سیاسی تقسیم کو گہرا خاص طور پر ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد۔ کمپنی نے مقامی آبادی کو کنٹرول کرنے کے لیے مذہبی شناختوں کو سیاسی طور پر استعمال کیا، جو بعد میں ہندو مسلم تنازعات کی بنیاد بنی۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ کمپنی نے مقامی اشرافیہ کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے انہیں مراعات دیں، جیسے زمینوں کے حقوق اور عہدے، تاکہ وہ کمپنی کے وفادار رہیں۔[3]

جان کیئر بیان کرتے ہیں کہ کمپنی نے مقامی راجاؤں کے درمیان لڑائیاں کروائیں اور انہیں معاشی طور پر کمزور کیا۔ مثال کے طور پر، کمپنی نے بنگال کے نواب سراج الدولہ کے خلاف رابرٹ کلائیو کے ذریعے سازش کی اور پلاسی کی جنگ (۱۷۵۷ء) میں فتح حاصل کی۔ کیئر کے مطابق، کمپنی نے ہندوستان کی معاشی دولت کو لوٹنے کے ساتھ ساتھ مقامی آبادی کو تقسیم رکھنے کی حکمت عملی اپنائی۔[4]

ولیم ڈیلرمپل اپنی کتاب میں ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے تناظر میں کمپنی کی پالیسیوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ بغاوت کے بعد کمپنی نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بداعتمادی کو مزید گہرا کیا، خاص طور پر مسلم اشرافیہ کو نشانہ بنایا تاکہ وہ دوبارہ بغاوت نہ کر سکیں۔ اس پالیسی نے برصغیر میں طویل مدتی فرقہ وارانہ تناؤ کو جنم دیا۔[5]

اب ہم قیام پاکستان کے بعد کے حالات کا جائزہ لیں تو ہمیں پاکستان کی پوری سیاسی تاریخ میں اس کے جابجا ثبوت ملتے ہیں کہ پاکستانی فوج نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے سیاسی، مذہبی، صوبائی، لسانی و گروہی اور مسلکی تعصبات کو بہت چالاکی سے ہمیشہ ہوا دی اور اس تقسیم در تقسیم کے عمل کو اپنی طاقت مستحکم کرنے کے لیے استعمال کیا۔ قیام

---

[1] معارف القرآن - مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ

[2] The Anarchy: The Relentless Rise of the East India Company" by William Dalrymple

[3] Ascendancy of India by Edward Said

[4] India: A History by John Keay

[5] Last Mughal by William Dalrymple

پاکستان کے بعد جناح کی بہت سی تقریروں میں یہ واضح اشارے ملتے ہیں کہ وہ فوجی افسران کی سیاست میں مداخلت سے ناخوش تھے۔

لیاقت علی خان نے ۱۹۴۹ء میں کرپشن اور اقرباپروری ختم کرنے کے لیے PRODA کا قانون منظور کرایا جس کے تحت وزیروں اور اراکین اسمبلی کو دس دس سال کے لیے نااہل قرار دیا جاسکتا تھا۔ ممتاز دولتانہ نے لیاقت علی خان کے خلاف گروپ بنایا جسے فوج کی حمایت حاصل تھی۔[6]

لیاقت علی خان کے قتل کے بعد جنرل ایوب کی جانب سے تاثر دیا گیا جیسے وہ ان کے ہمدرد تھے اور ان کے قتل میں وہ شخصیات ملوث تھیں جو کرپشن کے خلاف پروڈا قانون سے نالاں تھیں۔ لیکن پھر دہائیوں کے بعد یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ قاتل کو سکیورٹی ادارے ہی اس جلسہ گاہ میں لائے تھے، جہاں لیاقت علی خان نے تقریر کرنی تھی۔ لیاقت علی خان کے قاتل کو گرفتار کرنے کی بجائے موقع پر پولیس کی جانب سے قتل کیا گیا، اس پولیس اہلکار کو غیر معمولی ترقی ملی۔ قاتل کی بیوہ کو مراعات اور جائیدادیں دی گئیں۔ قتل کی تفتیش کرنے والے اعلیٰ پولیس افسر کو جہاز میں بم سے اس وقت اڑا گیا جب وہ تفتیش مکمل کر چکے تھے اور اہم حقائق بے نقاب کرنے جا رہے تھے۔

عائشہ صدیقہ اپنی کتاب میں لکھتی ہیں کہ پاکستانی فوج سیاسی استحکام کو کمزور کرنے کے لیے سیاسی جماعتوں کے درمیان تنازعات کو ہوا دیتی ہے۔ وہ فوج کے معاشی اور سیاسی مفادات کی حفاظت کے لیے سیاسی لیڈروں کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرتی ہے۔ مثال کے طور پر، فوج نے مختلف ادوار میں مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی کے درمیان سیاسی دشمنی کو فروغ دیا تاکہ کوئی ایک جماعت مضبوط نہ ہو سکے۔ صدیقہ کے مطابق، یہ حکمت عملی نوآبادیاتی دور کی ”تقسیم کرو اور راج کرو“ کی پالیسی سے ملتی جلتی ہے۔[7]

عاقل شاہ لکھتے ہیں کہ پاکستانی فوج نے سیاسی عدم استحکام کو برقرار رکھنے کے لیے مختلف سیاسی گروہوں کو کمزور کیا۔ مثال کے طور پر، فوج نے ۱۹۹۰ء کی دہائی میں سیاسی جماعتوں کے درمیان بداعتمادی کو فروغ دیا اور ۲۰۱۸ء کے انتخابات میں مبینہ طور پر عمران خان کی حمایت کی تاکہ مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی کے اثر کو کم کیا جاسکے۔ شاہ کے مطابق، فوج کی یہ حکمت عملی سیاسی اتحاد کو روکنے اور اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لیے ہے۔[8]

حسین حقانی لکھتے ہیں کہ پاکستانی فوج نے مذہبی اور لسانی گروہوں کے درمیان تقسیم کو استعمال کیا تاکہ وہ اپنی سیاسی طاقت کو برقرار رکھے۔ مثال کے طور پر، فوج نے بلوچستان اور سندھ میں قوم پرست تحریکوں کے خلاف سخت پالیسیاں اپنائیں اور انہیں دبانے کے لیے مقامی دھڑوں کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کیا۔ حقانی کے مطابق، فوج کی یہ حکمت عملی نوآبادیاتی دور کی پالیسیوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔[9]

معروف اینکر و پاکستانی کالم نگار طلعت حسین نے اپنے کالم میں لکھا کہ فوج سیاسی جماعتوں کے درمیان تنازعات کو ہوا دے کر اپنی سیاسی بالادستی قائم رکھتی ہے۔ ان کے مطابق، فوج کی حمایت سے کچھ سیاسی جماعتیں مضبوط ہوتی ہیں، جبکہ دیگر کو کمزور کیا جاتا ہے، جو ایک تقسیم پیدا کرنے کی حکمت عملی ہے۔

کالم نگار عارفہ نور لکھتی ہیں کہ فوج کی مداخلت نے پاکستان کی سیاسی جماعتوں کو متحد ہونے سے روکا، جو نوآبادیاتی دور کی پالیسیوں کی یاد دلاتی ہے۔ انہوں نے خاص طور پر ۲۰۲۲ء کے سیاسی بحران کا ذکر کیا جب فوج نے مبینہ طور پر سیاسی جماعتوں کے درمیان مذاکرات کو ناکام بنایا۔

چند دہائیوں قبل تک فوج کی اس پولیٹکل انجینئرنگ کے نتائج الیکشن کے نتائج اور حکومتوں کے بننے ختم ہونے تک محدود تھے لیکن گزشتہ ایک دہائی میں فوج کی پیدا کردہ تقسیم اور اختلاف نے مختلف سیاسی جماعتوں کے مابین نفرت کو انتہا تک پہنچایا ہے۔ سوشل میڈیا پر گالم گلوچ کا جو طوفان بدتمیزی برپا ہوتا ہے اس سے بھلا کون سا سیاستدان محفوظ ہے؟ لیکن اس بڑھتی تقسیم اور ان سے پیدا ہونے والی معاشرتی خرابیوں کو دیکھ کر بھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے جرنیلوں کا نشہ پورا نہیں ہوتا اور وہ ان خرابیوں میں مزید ترقی چاہتے ہیں۔ کبھی نواز شریف پر کوئی جوتا پھینک دیتا ہے، خواجہ آصف پر سیاہی پھینک دی جاتی ہے تو کبھی کسی سیاستدان پر خواجہ سراؤں سے حملہ کروایا جاتا ہے اور اب عمران خان کی بہن پر انڈے پھینکوائے گئے۔ سابق سی ایس پی آفیسر عاشر عظیم اپنے ویلاگ میں کہتے ہیں کہ انٹیلی جنس کے ادارے تمام بڑے شہروں میں شراب و کباب کی جو پارٹیاں ارینج کرتے ہیں وہاں موجود انٹیلی جنس کے بہت سے لوگ آپ کو ایسے مارپیٹ، سیاہی اور جوتے پھینکنے جیسے ہجومی واقعات میں بھی نظر آئیں گے۔

اس کھیل میں ایک نئے ایکٹر کا اضافہ داعش کی پاکستانی شاخ بھی ہے۔ جماعت اسلامی ایک موقع پر تحریک انصاف کی حمایت میں کھڑی ہوتی ہے تو اسٹیبلشمنٹ سبق سکھانے کے لیے سراج الحق پر داعش سے خودکش حملہ کروا دیتی ہے، حامد الحق حقانی فوج اور خفیہ اداروں کو پالیسیوں کو اپنی تقریر میں سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہیں داعش یہاں بھی حملہ آور ہوتی ہے، بی این پی کے جلسے میں اداروں کو بلوچستان میں مظالم ڈھانے پر اختر مینگل بددعائیں دیتے ہیں، داعش یہاں بھی حملہ آور ہو جاتی ہے۔ کیا یہ سب اتفاقات تھے کہ داعش صرف اور صرف پاکستانی فوج کے مخالفین پر ہی حملہ آور ہے؟ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ داعش

---

[6] جنرل پرویز مشرف جی ایچ کیو سے ایوان صدر تک، مصنف منیر احمد

[7] "Military Inc.: Inside Pakistan's Military Economy" By Ayesha Siddiqa.

[8] "The Army and Democracy: Military Politics in Pakistan" By Aqil Shah

[9] Pakistan: Between Mosque and Military By Husain Haqqani

اس وقت پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی آلہ کار بنی ہوئی ہے اور پاکستانی فوج اور اس کے خفیہ ادارے انہیں اپنے مخالفین کے خلاف استعمال کر رہے ہیں؟ جس وقت یہ مضمون تحریر کر رہا ہوں اس وقت یہ خبر بھی نظر سے گزری کہ باجوڑ میں کرکٹ گراونڈ میں بم دھماکہ ہوا ہے جس کی ذمہ داری داعش نے قبول کی ہے۔

پاکستانی فوج کی پالیسی دیکھیے کہ یہ ان افراد کی بھی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی ہے یا حمایت نہ بھی حاصل کرے تو انہیں خاص رخ کی طرف دھکیل کر ان کے طرز عمل سے فائدہ اٹھاتی ہے جو فوج اور اسٹیبلشمنٹ مخالف شناخت رکھتے ہیں۔ پاکستانی میڈیا اینکرز صحافیوں اور دانشوروں میں سے بہت سے ایسے ہیں جو فوج کے خفیہ اداروں کی دھونس دھمکیوں کا سامنا کرتے ہیں، بعض پر جان لیوا حملے ہوتے ہیں، بعض اپنے ساتھی اینکرز کے اغوا اور ہلاکتیں بھی مشاہدہ کرتے ہیں، ان کے اہلخانہ اور عزیز و اقارب تک کو نہیں بخشا جاتا لیکن ان تمام افراد کی اکثریت چاہے فوج کی حمایت کرے یا نہ کرے لیکن فوج کی جنگ کی حمایت بہر صورت کرتے ہیں۔ ان میں کچھ یقیناً خوف کے سبب ایسا کرنے پر مجبور ہیں لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں اپنی جانوں کا خوف نہیں لیکن وہ فوج کے ظلم کے باوجود فوج کی جنگ کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ طبقہ سیکولر صحافیوں پر مشتمل ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ فوج چاہے جیسی بھی ہو سیکولر نظام کی حامی ہے۔ اور یہ طبقہ سیکولر نظام کے لیے اپنے بدترین دشمن کی حمایت پر تیار ہو جاتا ہے۔ فوج اسی سبب پاکستان کے جمہوری نظام میں سیکولر جماعتوں کی موجودگی یقینی بناتی ہے۔ اور صرف سیکولر ہی نہیں بلکہ ہر دین دشمن طبقے کی افزائش کے لیے بطور نرسری کا کام سرانجام دیتی ہے۔

ایک طبقہ وہ ہے جو فوج کے جرائم اور مظالم کو چند جرنیلوں کے انفرادی افعال سے منسوب کرتا ہے اور ادارے کو بری الزمہ قرار دیتا ہے۔ ایک خاتون صحافی بتول راجپوت کو انٹیلی جنس کے ادارے آفر کرتے ہیں کہ وہ سلیم صافی کے ساتھ ایک ویڈیو بنوالیں۔ خاتون کی شناخت چھپائی جائے گی، سلیم صافی کو بلیک میل کیا جاسکے گا اور بدلے میں خاتون صحافی کو منہ مانگی رقم اور چینل پر ترقی دلوائی جائے گی۔ خاتون صحافی اس تذلیل پر یہ معاملہ میڈیا پر لے آتی ہیں۔ اسی طرح ایک اور مشہور خاتون اینکر کو ایک شخص شادی کر کے بلیک میل کرتا ہے، ایجنسیوں کا نام استعمال کرتا ہے اور وہ یہ سب سہنے کے بعد یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جو کچھ ان کے ساتھ ہوا وہ کسی کا ذاتی فعل نہیں بلکہ صحافیوں کو کنٹرول کرنے کے لیے خفیہ اداروں کی منظم پالیسی اور منصوبہ بندی کا حصہ تھا۔ اس کیس میں خاتون صحافی کی مہنگی پراپرٹی اور گاڑیاں بھی ہتھیائی گئیں۔ اس کا یہاں یہ بھی مطلب ہوا کہ خفیہ ادارے اپنے ہدف کے لیے جس جاسوس کو استعمال کر رہے ہیں اسے تنخواہ نہیں دے رہے بلکہ وہ جاسوس ان خفیہ اداروں کو کمائی کر کے بھی دے رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں ہر جگہ ہر طبقے میں جاسوس اور اپنے اثاثے شامل کرنے کے لیے انہیں بہت بڑے وسائل اور سرمایے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ ان افراد سے کام بھی لیتے ہیں اور ان کی لوٹ مار اور فراڈ کو کمائی کا ذریعہ بھی بنائے رکھتے ہیں۔

ان نام نہاد صحافیوں اور دانشوروں کی عقل کا یہ حال ہے کہ جو اپنے گھٹیا مفادات کے لیے ان کی زندگیاں تباہ کرنے سے بھی نہیں چوک رہا یہ نہ انہیں پہچان پاتے ہیں اور نہ یہ سمجھ پاتے ہیں کہ یہ انفرادی افعال نہیں بلکہ منظم اداراتی پالیسی اور ہتھکنڈے ہیں۔ یہ نام نہاد اینکر اور دانشور جو اپنا برا بھلا سمجھنے سے قاصر ہیں قوم کو صحیح غلط کی تمیز کروانے پر مامور ہیں، لاکھوں کروڑوں لوگ ان کی باتوں کو ان کی رائے کو سنتے ہیں، سمجھتے ہیں اور اسے درست خیال کرتے ہیں۔ یہی اینکر صاحبان اسی فوج کے تجویز کردہ ناموں سے مجاہدین کو پکارتے ہیں۔

مولانا عاصم عمر رحمہ اللہ ایسے ہی دانشوروں کے متعلق اپنی کتاب تیسری جنگ عظیم اور دجال میں لکھتے ہیں:

> ”ذہنی غلامی نے مسلمانوں کو قرآن و حدیث کے مطابق سوچنے کی صلاحیت سے دور کر کے رکھ دیا کہ وہ حالات کا قرآن و حدیث کی روشنی میں تجزیہ کرتے بلکہ آج اکثر پڑھے لکھے لوگ بھی حالات کو مغربی میڈیا کی نظر سے دیکھ کر تجزیہ کرتے ہیں موجودہ دور میں نام نہاد دانشور اور مفکرین اور ادیب حضرات اپنے قلم کو انہی راستوں پر دوڑاتے ہوئے نظر آتے ہیں جو خود مغربی مفکرین نے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے ہیں اور یہ دانشور انہی راستوں پر اپنے قلم کو دوڑا کر جب اپنی منزل پر پہنچتے ہیں تو یہ وہی منزل ہوتی ہے جو مغربی مفکرین پہلے سے طے کر چکے ہوتے ہیں، حالانکہ یہ حضرات یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ بہت دور کی کوڑی لائے ہیں۔ موجودہ دور میں آپ اکثر یہی بات دیکھیں گے، مثال کے طور پر روس کا افغانستان میں آنا اور افغان مجاہدین کا جہاد اور فتح، طالبان کی اسلامی حکومت اور امریکہ کا افغانستان پر حملہ، امریکہ کا خلیج میں آنا اور عراق پر قبضہ، اسرائیل کے فلسطینیوں پر مظالم، گیارہ ستمبر کے امریکہ پر حملے اسی طرح کے دیگر واقعات میں ان دانشوروں کے تجزیوں کے نتیجوں کا خلاصہ ایسا ہو گا جس میں مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے بجائے حوصلہ شکنی ہوتی ہو گی، اللہ تعالی کی طاقت کو سپر پاور ثابت کرنے کے بجائے، کسی کافر ملک کو سپر پاور ثابت کہا جائے گا، کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے بس کافروں کی مرضی کے مطابق ہی ہوتا ہے۔
>
> ......سوچوں میں اس تبدیلی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلمان موجودہ حالات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ ان کی بنیاد مغربی میڈیا کے تجزیے اور تبصرے ہوتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۵ پر)

جرنیلوں کو شرمندہ کرتے پانچ پاکستانی

جنید احمد

بات کا آغاز ایک چبھتے ہوئے جملے سے کرتے ہیں، کیونکہ اس سے کم کچھ نہیں چلے گا۔ اگر پاکستان میں بہادری کا کوئی دارالحکومت ہوتا، تو وہ راولپنڈی کے جنرل ہیڈکوارٹرز میں نہ ہوتا۔ یہ اس سویلین بحری جہاز کے ڈیک پر ہوتا جو غزہ کی طرف جا رہا ہے، جس پر پانچ پاکستانی، جن میں سابق سینیٹر مشتاق احمد خان بھی شامل ہیں، اپنے کمزور اور فانی جسموں کو اسرائیلی جنگی مشین کے سامنے لے جانے کی جرأت کر رہے ہیں، جو اپنی خون کی پیاس کے لیے بدنام ہے۔ یہ لوگ نادان نہیں ہیں۔ وہ ماضی کے فریڈم فلوٹیلا کے خوفناک انجام سے بخوبی واقف ہیں، جسے ایک ایسی ریاست نے بے دردی سے گولیوں کا نشانہ بنایا جو امدادی کارکنوں پر اسی آسانی سے گولی چلاتی ہے جیسے وہ امریکی ڈالروں سے خریدے گئے بموں کو پناہ گزین کیمپوں پر گراتی ہے۔ اور پھر بھی وہ جا رہے ہیں۔ نہ ٹینکوں کے ساتھ، نہ ڈرونز کے ساتھ، بلکہ آٹے اور ادویات کی بوریوں کے ساتھ۔ اور اس خوفناک عدم توازن میں، ان کی بہادری ہر اس تمغے کو شرمندہ کر رہی ہے جو کبھی کسی جرنیل کے سینے پر سجایا گیا۔

یہ تقریباً مضحکہ خیز ہے، اگر یہ اتنا المناک نہ ہوتا، کہ ان کا موازنہ پاکستانی جرنیلوں سے کیا جائے۔ یہ خود ساختہ بہادری کے دیوتا، جو ہر پریس بریفنگ میں ''غیرت'' کی قے کرتے ہیں، امریکی قالینوں پر اپنے بوٹ چمکانے میں اس قدر مصروف ہیں کہ وہ غزہ کے لیے ایک گولی، حتیٰ کہ ایک آواز بھی نکالنے کو تیار نہیں۔ اس کے بجائے، وہ واشنگٹن کے سب سے متعصب صہیونیوں کو تمغے بانٹتے ہیں، جیسے ہولوکاسٹ خود غزہ میں نہیں بلکہ راولپنڈی کے ضیافتی ہالوں میں دوبارہ جنم لے رہا ہو، جہاں جرنیل اپنے آقاؤں کے ساتھ جام ٹکراتے ہیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے تو انتہائی ڈھٹائی دکھاتے ہوئے ''ہولوکاسٹ ڈونلڈ'' کہلائے جانے والے شخص کے لیے نوبیل امن انعام کی تجویز بھی دے دی۔ ایسا لگتا ہے کہ ان جرنیلوں کی حسِ مزاح بھی ان کی ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ ساتھ آپریشن کرکے نکال دی گئی ہے۔

دریں اثنا، پانچ عام شہری، محض پانچ، پچیس کروڑ کی آبادی والے ملک سے، موت کے منہ میں جانے کو تیار ہیں تاکہ کم از کم یہ کہہ سکیں: ''ہمارے نام پر نہیں''۔ ان کا عمل ایک لحاظ سے حقیر بھی ہے اور دوسرے لحاظ سے بے پناہ عظیم بھی ہے۔ حقیر، کیونکہ وہ امریکی ہتھیاروں اور اسرائیلی جنون سے جاری نسل کشی کو ختم نہیں کر سکتے۔ عظیم، کیونکہ وہ پورے ریاستی نظام کے اخلاقی دیوالیہ پن کو بے نقاب کر رہے ہیں جس کی بہادری کی واحد تعریف اپنے ہی لوگوں کو کچلنا اور آزادیٔ اظہارِ رائے کے جرم میں طلبہ کو جیلوں میں ڈالنا ہے۔

تصور کریں: ایک طرف عام شہری جو خستہ حال جہازوں پر امدادی سامان لے جا رہے ہیں، دوسری طرف، کلف لگی وردیوں میں جرنیل، واشنگٹن میں اپنے آقاؤں کی ناراضگی کے خیال سے کانپ رہے ہیں۔ ایک طرف، بغیر کسی انعام کی امید کے خطرہ، دوسری طرف، بزدلی میں لپٹی 'سلامتی' اور استعمار کی خدمت کے لیے سجائے گئے تمغے۔ اگر منافقت اولمپک کا کھیل ہوتی، تو پاکستان کے جرنیل پوری میڈل ٹیبل سمیٹ لیتے۔

اور میڈیا؟ ہاں، ہمارا بہادر ''آزاد پریس''۔ کہاں ہے اس فلوٹیلا، پاکستانی عزم کے اس اقدام، کی بھرپور کوریج؟ کہیں نہیں! حاشیوں میں دبی دبی سرگوشیاں، پوری احتیاط کے ساتھ کہ کہیں وردی پوش بزدلوں کو شرمندہ نہ کر بیٹھیں، جن کا اگر حقیقی بہادری سے سامنا ہو گیا تو کہیں ان کے درآمد شدہ سگار ان کے حلق میں پھنس کر ان کا دم ہی نہ نکال دیں۔ بہرحال، کرکٹ اسکورز اور مشہور شخصیات کی شادیوں کی رپورٹنگ کرنا اس بات کو تسلیم کرنے سے زیادہ محفوظ ہے کہ پانچ عام پاکستانی شہری فلسطین کے لیے وہ کر رہے ہیں جو پوری عسکری اسٹیبلشمنٹ نے دہائیوں میں نہیں کیا۔

یہ کوئی حادثاتی خاموشی نہیں ہے۔ جرنیلوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اصلی دشمن نہ اسرائیل ہے، نہ امریکہ، نہ ہی ہندوستان، بلکہ اصل دشمن خجالت ہے۔ صرف اپنے ایمان کے ساتھ تھوڑا سا سامان لے جانے والے عام شہریوں سے پیچھے رہ جانا ان مردوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہے جو اپنے رئیل اسٹیٹ کے پورٹ فولیو کے وزن سے عزت کی پیمائش کرتے ہیں۔ بہتر ہے کہ کہانی کو دبا دیا جائے، اسے غائب کر دیا جائے، تاکہ لوگ یہ کڑوا سوال نہ پوچھیں کہ: ''اگر پانچ آدمی جا سکتے ہیں، تو پچاس ہزار کیوں نہیں؟ اگر ایک سینیٹر اپنی جان خطرے میں ڈال سکتا ہے، تو پوری فوج کیوں نہیں؟'' یہ وہ سوالات ہیں جو تخت ہلا دیتے ہیں، لہٰذا بہتر ہے کہ انہیں پوچھا ہی نہ جائے۔

امریکی، بلاشبہ، اس سب سے راضی ہیں۔ ان کے پاگل صہیونی حکمران، وہ مسکراتے ہوئے آرام دہ کرسی پر بیٹھے نسل کشی کے منصوبہ ساز، جو اسرائیل کے لیے اربوں ڈالر کے چیک اسی آسانی سے لکھتے ہیں جیسے وہ کافی آرڈر کر رہے ہوں، یہ دیکھ کر خوش ہیں کہ پاکستان کی فوج ایک فرمانبردار ریاست کا کردار ادا کر رہی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ راولپنڈی کبھی بھی غزہ کو حقیقی مادی امداد بھیجنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ زیادہ سے زیادہ، اقوامِ متحدہ میں چند مگرمچھ کے آنسو، اس کے بعد واشنگٹن کو یقین دلانے کے لیے ایک خاموش فوجی پریڈ کہ کچھ خاص نہیں ہو رہا۔ استعمار کو یہ جان کر اچھی نیند آتی ہے کہ اس کے کلائنٹ جرنیل سلوٹ مارنے میں اس قدر مصروف ہیں کہ ان کے پاس لڑنے کا وقت ہی نہیں۔

لیکن فلوٹیلا کچھ بدل رہا ہے۔ یہ ہتھیاروں کی طاقت نہیں ہے، اسرائیل ان جہازوں کو ایک دن میں ڈبو سکتا ہے، اور امریکہ تالیاں بجائے گا۔ یہ شرم کی طاقت ہے۔ ان پانچ پاکستانیوں نے غیرت پر بیان بازی اور اس پر عمل کے درمیان ایک خلیج کو بے نقاب کیا ہے۔ انہوں

نے ثابت کیا ہے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں سب سے اوپر بزدلی کا راج ہے، وہاں اب بھی زندہ ضمیر لوگ موجود ہیں جو تاریخ کے تقاضے پر ڈٹ جاتے ہیں۔

زیادہ رومانوی ہونا بھی ٹھیک نہیں۔ وہ فلسطین کو آزاد نہیں کرواسکتے، اور نہ ہی نسل کشی کرو روک سکتے ہیں۔ لیکن ان کا عمل ایک ایسی علامتی طاقت رکھتا ہے جو ان کی زندگیاں مجموعی طور پر بھی نہیں رکھتیں۔ وہ یہ احساس دلا رہے ہیں کہ تاریخ ہمیشہ بڑے ہتھیار والوں کی نہیں ہوتی، بلکہ کبھی کبھار صاف ضمیر والوں کی بھی ہوتی ہے۔ وہ یہ سمجھا رہے ہیں کہ پاکستانی جرنیلوں کی حیثیت اپنی تمام اکڑ کے باوجود محض استعمار کے سکیورٹی گارڈز سے زیادہ کچھ نہیں۔ جبکہ عزت کے اصل محافظ وہ نہتے شہری ہیں جو خطرے میں جہاز چلا رہے ہیں۔

یہاں ایک ہلکا سا مزاح کا پہلو بھی ہے۔ ذرا تصور کریں کہ یہ جرنیل اپنی پلازما اسکرینوں پر فلوٹیلا کی فوٹیج دیکھ رہے ہیں۔ ذرا ان کی گھبراہٹ تصور کریں: ان بلڈی سویلینز نے وہ کرنے کی جرات کیسے کی جو ہم نے نہیں کیا؟ وہ ہمیں شرمندہ کرنے کی جرات کیسے کرسکتے ہیں کہ وہ مردانگی دکھا رہے ہیں اور ہم صہیونیوں کے تمغے پالش کر رہے ہیں؟ یہ اس طرح کی کامیڈی ہے جو ایسے کی سرحد پر کھڑی ہے، جیسے ایک شیر کو چوہے سے بھاگتے ہوئے دیکھنا۔

یوں یہ تضاد بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ ایک طرف پانچ مرد جن کے پاس کھونے کو اپنی جان کے سوا کچھ نہیں۔ دوسری طرف پوری فوجی مشینری جس کے پاس ضمیر کے سوا باقی سب کچھ ہے۔ پانچ مرد، جو جانتے ہیں کہ وہ اپنی موت کی جانب بڑھ رہے ہیں، پھر بھی وہ اس قربانی میں اپنے لیے معنی ڈھونڈتے ہیں۔ پانچ مرد، جن کی بہادری نے پہلے ہی اپنی قوم کے نام نہاد محافظوں کی بزدلی کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان کا سفر اہم ہے۔ یہ صرف غزہ کو امداد پہنچانے کی بات نہیں ہے۔ یہ دراصل بہادری کے تصور کو ان سے چھین لینے کی بات ہے جنہوں نے اسے بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ یہ پچیس کروڑ کی قوم کو یاد دہانی کروانے کے لیے ہے کہ اصل عزت نہ پریڈ میں ہے، نہ تمغوں میں، نہ کرائے کے اتحادوں میں، بلکہ مظلوموں کے ساتھ کھڑے ہونے میں ہے، چاہے اس کی قیمت موت ہی کیوں نہ ہو۔

آخر میں فلوٹیلا تباہ ہو سکتا ہے، یہ رضاکار قتل ہو سکتے ہیں، اور اسرائیل اپنی خوفناک فہرست میں ایک اور "فتح" درج کر سکتا ہے۔ لیکن اخلاقی کھاتہ کھلا رہے گا، اور اس میں ان پانچ پاکستانیوں کے نام ہمارے جرنیلوں کے کندھوں پر سجے ستاروں کی پوری کہکشاں سے زیادہ روشن ہوں گے۔

جرنیلوں کے پاس ان کی بندوقیں، ان کے تمغے، ان کے سرپرستی کے نیٹ ورکس، ان کے امریکی ویزے ہو سکتے ہیں، لیکن جو ان کے پاس نہیں ہے، اور جسے وہ جھوٹ اور ڈھونگ سے حاصل نہیں کر سکتے، وہ ہے بہادری! پانچ مرد جو اندھیروں میں جہاز رانی کر رہے ہیں، انہیں ننگا کر چکے ہیں۔ اب کوئی پروپیگنڈا، صہیونیوں کو دیے گئے تمغوں کی کوئی مقدار یا "اسٹریٹیجک ڈیپتھ" کی گونجدار تقریریں، ان کے ننگے پن کو دوبارہ ڈھانپ نہیں سکتیں۔

آخری بات یہی ہے۔ قومیں اپنے جرنیلوں سے نہیں پہچانی جاتیں۔ وہ اپنے جوانمردوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ اور اس وقت پاکستان کے جوانمرد نہ راولپنڈی میں ہیں، نہ اسلام آباد میں اور نہ ہی ان عالیشان کنٹونمنٹس میں جو زمین پر دیمک کی طرح بکھرے ہوئے ہیں، بلکہ وہ کھلے سمندر میں ہیں۔ جہاں دوسرے بم لے کر جاتے ہیں وہاں وہ روٹی لے کر جا رہے ہیں، جہاں دوسرے خجالت لے کر جاتے ہیں وہاں وہ امید لے کر جا رہے ہیں۔ اگر پاکستان کا کوئی مستقبل ہے، جسے مستقبل کہا جا سکے، تو وہ انہی کے ساتھ ہے، نہ کہ ان بزدل جرنیلوں کے ساتھ جو ہتھیار ڈالنے کو حکمت عملی سمجھتے ہیں۔

یوں فلوٹیلا روانہ ہوتا ہے، خطرے کی طرف، تاریخ کی طرف، ایک ایسی قوم کے ضمیر کی طرف جو بہت پہلے بہادری بھلا بیٹھی تھی۔ شاید اب، آخرکار، وہ اسے دوبارہ پہچان سکے۔

[یہ مضمون ایک معاصر آن لائن جریدے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: اصلاح معاشرہ

یہ سچائی جس کو مل جاتی ہے، اس کے دل کے داغ دھبے مٹ جاتے ہیں، اور وہ تقویٰ سے آراستہ ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں دوسری جگہ تفصیل سے اہل تقویٰ کا بیان ہے:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ
وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ
اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (سورۃ البقرۃ: ۱۷۷)

"لیکن نیکی یہ ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، اور کتاب پر، اور نبیوں پر ایمان لایا، اور چاہت کے باوجود رشتہ داروں پر، یتیموں پر اور مسکینوں پر، مسافروں پر اور سوال کرنے والوں پر اور غلام آزاد کرنے میں مال خرچ کیا، اور نماز قائم کی، اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی، اور جو وعدہ کر کے اپنے وعدے کو پورا کرنے والے ہیں، اور سختی اور تکلیف اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ٹھہرے اور تقویٰ والے ہیں۔"

اس آیت میں بھی صفات قبولیت کے بیان کے بعد پہلے "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا" (یہی لوگ سچے ٹھہرے) کہہ کر یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ صدق، تقویٰ کی سیڑھی ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

شبابِ کشمیر کے نام ایک درد بھرا پیغام

محمد طارق ڈار شوپیانی

علامہ اقبال رحمہ اللہ کے شعری پیرائے میں:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟
وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا؟

یہ محض کلامِ شاعرانہ نہیں، بلکہ ایک گہری تنبیہ اور پردرد صدائے بیداری ہے، یہ ان مسلمان نوجوانوں کے لیے ہے جو اس فانی دنیا کی بے ثبات لذتوں کے پیچھے سرگرداں ہیں، جو محرمات میں غرق ہیں، یہ ایک یاد دہانی ہے ان عظیم دینی و ملی ذمہ داریوں کی جن سے وہ غفلت برت رہے ہیں جو اللہ رب العزت نے ان پر عائد کی تھیں۔ لیکن آہ! اس درد بھری آواز پر کون کان دھرے اور کون اس پیغام کو سمجھنے کی سعی کرے؟

خصوصاً نوجوانانِ کشمیر کے اذہان کو تو قابض قوتوں نے فکری طور پر محکوم بنا رکھا ہے، انہیں جن جدید استعماری ہتھکنڈوں اور نوآبادیاتی حربوں کا سامنا ہے، بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ غاصب اپنے مذموم عزائم میں کامیاب ہوتا جا رہا ہے۔

افسوس! یہ کیسی کایا پلٹ ہے؟ تم وہ نہ رہے جو کبھی تھے! تم تو اسلاف کی عظیم روایات کے امین اور شہداء کے وارث تھے!

کیا تمہاری نگاہوں سے وہ خونیں مناظر اوجھل ہو گئے ہیں جہاں تمہارے اپنے، تمہارے بھائی، تمہارے جگر گوشے، تمہارے سامنے خون میں غلطاں کیے گئے؟

جہادی تحریکات کی کامیابی میں نوجوانوں کا کردار بنیادی اور فیصلہ کن ہوتا ہے، جس قدر وہ پختہ عزم و عالی ہمت ہوں گے، جرات و بہادری کے پیکر بنیں گے، اور دین و دنیا کے رموز سے گہری واقفیت رکھیں گے، اُسی قدر وہ تحریک استحکام پذیر ہوگی اور ایسی قوم کو پھر دنیا کی کوئی طاقت شکست سے دوچار نہیں کر سکتی۔

تاریخِ کشمیر کے حقائق کسی نگاہ سے پوشیدہ نہیں، ہر ذی فہم شخص اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ ہم پر کیا کیا ستم ڈھائے گئے ہیں۔ ہمارے لیے آئندہ کا لائحہ عمل بالکل واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مضبوط اور مستحکم بنیاد پر از سرِ نو ایک ایسی جہادی تحریک کی تعمیر کی جائے جو خالصتاً رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے عظیم مقصد کے لیے مکمل طور پر وقف ہو۔

لیکن اس عظیم خواب کے سرچشمے اور علمبردار، ہمارے نوجوان کہاں ہیں؟

آخر وہ کدھر غائب ہو گئے ہیں؟

کن فتنوں میں جا پھنسے ہیں؟

کون سی مکار قوتیں انہیں راہِ حق سے بھٹکا کر گمراہ کر چکی ہیں؟

وہ کن مکروہ ہتھکنڈوں اور شیطانی سازشوں کا نشانہ بن کر رہ گئے ہیں؟

ہمارے نوجوان آج غاصب افواج کی سرپرستی میں منعقد ہونے والے کرکٹ میچوں میں اپنا قیمتی وقت، جوش اور صلاحیتیں ضائع کر رہے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ یہ دراصل انہیں اصل مقصد سے بھٹکانے کی ایک سوچی سمجھی چال ہے۔

سینما گھروں میں، وہ فتنہ پرور اور لغو فلموں اور شوز میں اپنی روح کو ملوث کر رہے ہیں، جو ان کے ذہن و فکر کو آلودہ کر کے انہیں حقیقت سے بیگانہ کر رہی ہیں۔

کالجوں اور یونیورسٹیوں میں وہ ظالم قوتوں کے فریب پر مبنی حربوں اور مکروہ چالوں کا بآسانی شکار ہو رہے ہیں، جہاں انہیں اپنے تشخص سے دور کیا جا رہا ہے، جس کے نتیجے میں وہ منشیات، سوشل میڈیا کے بے مقصد ہنگاموں اور دیگر بے سود مشاغل میں پناہ ڈھونڈ رہے ہیں۔

حالیہ عرصے میں، قابض افواج کی کھلی سرپرستی اور مکارانہ منصوبہ بندی کے تحت منعقد ہونے والے چند کرکٹ ٹورنامنٹس میں سینکڑوں ٹیموں نے شرکت کی اور ہزاروں، بلکہ بسا اوقات لاکھوں شائقین کا جم غفیر اکٹھا ہوا۔ آخر آپ کی غیرت و حمیت نے آپ کو دشمن کی جانب سے منعقدہ سرگرمیوں میں شمولیت کی اجازت بھلا کیسے دے دی؟ یہ تو وہی ظالم ہاتھ ہیں جنہوں نے آپ کے بھائیوں کو بے دردی سے شہید کیا، آپ کی بہنوں کی عفت و عصمت کو پامال کیا، اور آپ کے آباد گھروں کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا، پھر کیسے آپ کی روحیں یہ گوارا کرتی ہیں کہ آپ ان کے ساتھ تصاویر کھنچوائیں، ویڈیوز بنائیں، اور حتیٰ کہ ان کے نام کے نعرے بلند کریں؟

یہ مناظر دیکھ کر تو میرا دل چھلنی ہو گیا ہے، کیا آپ واقعی اس حد تک بدل چکے ہیں؟ کیا آپ سب کچھ واقعی بھلا بیٹھے ہیں؟ کیا آپ نے اس تحریک سے اپنا رشتہ واقعی توڑ لیا ہے؟

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

دیوار جانتا تھا جسے میں وہ دھول تھی
اب مجھ کو اعتماد کی دعوت نہ دے

ہمارے ایمان اور آزادی پر حملہ ہمارے تعلیمی اداروں تک پہنچ گیا ہے، ایک بار علم کے ٹھکانے، ہمارے کالج اب فکری جنگ کے میدان ہیں، ناجائز طریقوں کی افزائش گاہ بن گئے ہیں، آزادانہ میل جول اب عام ہے، موسیقی اور رقص عام ہیں۔ سب سے زیادہ پریشان کن

بات، قوم پرستی کا پرچار، ترنگا ریلیاں، قومی ترانے، اور پرچم کی سلامی لازمی رسومات بن گئی ہیں۔ کالجوں میں این سی سی (NCC) اور این ایس ایس (NSS) کے بہانے، یہ اسٹریٹجک طور پر کام کر رہے ہیں۔ مقصد واضح ہے، نوجوان ذہنوں کو خراب کرنا اور ان لوگوں کے لیے وفاداری پیدا کرنا جو ہم پر ظلم کرتے ہیں۔

کالجوں میں پڑھنے والے ہمارے بھائیو اور بہنو! آپ گواہ ہیں، آپ بہترین طور پر سمجھتے ہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں اور ان کے پیچھے کون ہیں۔

این سی سی (National Cadet Corps) اور این ایس ایس (National Service Scheme) سے ظالم کو کیا فائدہ ہوتا ہے:

۱. **ہندو ظالم حکومت سے وفاداری کو فروغ دینا:** فوجی تربیت اور نظم وضبط، یوم آزادی کی پریڈ، پرچم کی سلامی کی تقریب، قومی ترانے کی تقریب، ان سب سے ان کے لیے وفاداری کو فروغ ملتا ہے۔

۲. **ایک فرمانبردار معاون فورس بنانا:** NCC اور NSS کے اراکین ظالم فوج میں شامل ہونے کے لیے زیادہ آمادہ ہوتے ہیں، جو ان کے مقاصد کے لیے ایک مقامی، منظم افرادی قوت فراہم کرتے ہیں۔

۳. **نوجوانوں کو کنٹرول اور نگرانی میں رکھنا:** نوجوانوں کی توانائی کو ریاستی منظور شدہ سرگرمیوں میں ڈال کر، انہیں مخالف تحریکوں میں حصہ لینے سے روکا جا رہا ہے۔

۴. **سماجی نظم برقرار رکھنا:** طلباء کو اپنی خدمت میں مشغول کر کے، ان کی توجہ اصل مسائل سے ہٹائی جا رہی ہے۔

ہوش کے ناخن لیجیے! کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کس منصوبے کا حصہ بن رہے ہیں؟ یہ سرگرمیاں آپ کی توانائی کو کس سمت میں موڑ رہی ہیں؟ اس پر غور کیجیے! بظاہر بے ضرر لگنے والے کاموں کے پیچھے پوشیدہ مقاصد کو سمجھنے کی کوشش کیجیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ نادانستہ طور پر اس ظالم نظام کو مضبوط کرنے کا ذریعہ بن جائیں۔

کیا آپ نبی ﷺ کے عظیم صحابہ کو بھول چکے ہو؟

الارقم بن ابی الارقم، طلحہ بن عبید اللہ، سعد بن ابی وقاص، الزبیر بن العوام، اسامہ بن زید، زید بن ثابت، معاذ بن عمرو بن الجموح، معوّذ بن عفراء، اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہم، یہ وہ تاباں و درخشاں ستارے ہیں جنہوں نے اسلام کو روشن کیا، ان کی ہمت، ایمان اور قربانیاں وہ روشنی ہیں جو ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

یہ نام صرف تاریخ تک محدود نہیں، یہ وہ ورثہ ہیں جسے ہمارے آج کے شباب کو جاننے کی ضرورت ہے۔

اے نوجوانو! آپ اس عظیم ورثے کے وارث ہو، آپ ہی وہ روشن ستارے ہو جنہیں دنیا میں دینِ حق کی روشنی پھیلانی ہے، اپنی زندگیوں کو مقصد اور ایمان سے منور کر دیجیے۔

کیا آپ ان عظیم اسلاف کو بھول چکے ہیں؟

محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلم الباہلی، طارق بن زیاد، ہارون الرشید، المعتصم باللہ، صلاح الدین ایوبی، سیف الدین قطز، سلطان بیبرس، سلطان محمد دوم، سلطان سلیمان، ملا محمد عمر اور محسنِ امت شیخ اسامہ رحمہم اللہ، یہ وہ شیر دل فاتحین اور رہنما تھے جنھوں نے اپنے وقت میں اسلام کا جھنڈا بلند رکھا۔

یہ بزرگ ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ عظمت اور فتح محض خواب نہیں بلکہ ایمان، حوصلہ، حکمت اور قربانی کا نتیجہ ہے۔

نوجوانو! آپ کیونکر اپنی جڑوں کو بھول گئے ہو، اپنی تاریخ کو جانو اور اس سے سبق حاصل کرو۔

کیا آپ نے اپنے بھائیوں کو بھی بھلا دیا ہے جنھوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جانیں، مال و متاع، اور سب کچھ قربان کر دیا؟ جن کے اہل خانہ آج بھی اسی قربانی کا بوجھ اٹھا رہے ہیں، کیا آپ نے انہیں بھی فراموش کر دیا ہے؟ کبھی غور کیا ہے کہ جب شہید کی ماں، بہن، باپ یا بیٹا یا بیٹی تمہیں ہندو قومی ترانے پر ناچتے، جھنڈا اٹھاتے دیکھتے ہوں گے تو ان کے دل پر کیا گزرتی ہو گی؟

کیا آپ ان کے لیے درد کا باعث نہیں بن رہے؟

شہدائے کرام تمہیں گریباوں سے پکڑ کر پوچھیں گے کہ تم ہمارے اہل خانہ کے لئے اگر کچھ اچھا نہ کر سکے تو پھر ان کے درد کا باعث کیوں بن گئے؟

ان کی قربانی کا حق صرف الفاظ نہیں بلکہ ایک ذمہ داری بھی ہے، اگر ان کا خون اور قربانی آپ کے لیے کوئی معنی رکھتی ہے تو وہ آپ سے مطالبہ کرتا ہے کہ کسی بھی ذریعے سے باطل کے آلہ کار نہ بنیں۔

کیا وہ بے شمار مسخ شدہ چہرے آپ کی یادداشت سے محو ہو گئے ہیں؟

کیا آپ ان شہداء کی جلی ہوئی باقیات بھول چکے ہیں؟

شہید تو شہید ہے، چاہے وہ کوئی بھی ہو، سب برابر ہیں۔ مگر بعض لوگوں کے دلوں میں خاص مقام رکھتے ہیں اور ہمیشہ یاد رکھے جاتے ہیں۔ ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ شہید ذاکر موسیٰ عوام، خاص طور پر کشمیری نوجوانوں میں کس حد تک محبوب تھے۔ وہ ہمیشہ کشمیری نوجوانوں کے لیے کتنے فکر مند تھے۔

آخر میں، میں آپ کے سامنے ان کی ایک نصیحت پیش کرتا ہوں، براہ کرم اسے غور سے پڑھیں اور ان کی آواز میں محسوس کرنے کی کوشش کریں۔ مجھ گنہگار کے الفاظ تو وہ اثر نہیں رکھتے مگر 'شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں اس کی بات'۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۱۲۹ پر)

شام میں جہاد کا مستقبل

استاذ ابو اسامہ عبد العزیز الحلاق | مترجم: ڈاکٹر نیک محمد

شیخ اسامہ رحمہ اللہ نے اس بیان میں عالمی جہاد کی خصوصیات کے دیگر پہلوؤں کو بھی واضح کرتے ہوئے فرمایا:

”اگر معاشی بائیکاٹ کو بھی مجاہدین کے عسکری حملوں کے ساتھ ملایا جائے تو دشمن کی شکست ان شاء اللہ بہت قریب ہوگی۔ اس کے برعکس یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر مسلمان امریکی دشمن کے ساتھ معاشی معاملات منقطع کر کے اپنے مجاہدین بھائیوں کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے اور ان کو مضبوط نہیں کریں گے تو وہ امریکہ کو وہ رقم ادا کریں گے جو جنگ اور اس کی افواج کی بقا کی ضامن ہے، اس طرح جنگ طویل ہو جائے گی اور مسلمانوں پر بوجھ مزید شدید ہو جائے گا۔ دنیا کے تمام سیکورٹی ادارے اور خفیہ ایجنسیاں مل کر بھی کسی مسلمان کو اپنے دشمنوں کا سامان خریدنے پر مجبور نہیں کر سکتیں، امریکی دشمن کے سامان کا معاشی بائیکاٹ، اسے کمزور کرنے اور نقصان پہنچانے کا ایک انتہائی موثر ہتھیار ہے اور یہ ایک ایسا ہتھیار ہے جو ممنوعہ آلات کے زمرے میں نہیں آتا۔“

اس کے بعد شیخ نے اپنے بیان کو یہ کہتے ہوئے ختم کیا:

”دنیا بھر کے ہمارے مسلمان بھائیو! حرمین شریفین اور فلسطین کی سرزمین میں آپ کے بھائی آپ سے مدد کے خواہاں ہیں اور وہ آپ سے اپنے دشمنوں اور آپ کے دشمنوں، اسرائیلیوں اور امریکیوں کے خلاف جہاد میں اپنے ساتھ شریک ہونے کی درخواست کرتے ہیں، تاکہ ہر ایک اپنی قابلیت کے مطابق ان کو ہر اس چیز سے نقصان پہنچائے جس سے انہیں شکست ہو اور انہیں ذلیل و رسوا کر کے اسلامی مقدسات سے نکال باہر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کا ارشاد ہے:

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ (سورۃ الانفال: ۷۲)

’اور اگر وہ تم سے دین کے لیے مدد چاہیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے۔‘

پس اے خدا کے بندو! گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ! یہ سوار ہونے کا وقت ہے، اس لیے مضبوط بنو اور جان لو کہ اسلام کے مقدسات کی آزادی کے لیے آپ کا اتحاد اور تعاون، کلمہ توحید کے تحت امت کو متحد کرنے کی جانب ایک درست قدم ہے۔“

پھر، دو سال بعد، انہوں نے فروری ۱۹۹۸ء میں ایک بیان جاری کیا جس کا عنوان تھا: ”یہودیوں اور صلیبیوں کے خلاف جنگ کے لیے عالمی محاذ کا اعلان“، جس میں کہا گیا:

”اس بنیاد پر اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں، ہم تمام مسلمانوں کے لیے درج ذیل فتویٰ جاری کرتے ہیں:

امریکہ اور ان کے اتحادیوں کے شہریوں اور فوجیوں کو قتل کرنا ہر مسلمان پر انفرادی طور پر فرضِ عین ہے خواہ وہ مسلمان دنیا کے کسی بھی ملک میں رہتا ہو اور انہیں قتل کرنے کے قابل ہو۔ جب تک کہ مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام کو ان کے قبضے سے آزاد نہ کرا لیا جائے اور جب تک ان کی فوجیں تمام اسلامی سرزمینوں سے، اس حال میں کہ ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں، ان کی طاقت کے بازو ٹوٹے ہوئے ہوں اور یہ کسی مسلمان کو دھمکانے کے قابل نہ ہوں، نکل نہ جائیں، اللہ کے اس فرمان کی تعمیل:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً (سورۃ التوبۃ: ۳۶)

’اور تم سب مل کر مشرکین سے لڑو جیسے وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں۔‘

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (سورۃ الانفال: ۳۹)

’اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ یعنی کفر کا فساد باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے۔‘

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (سورۃ النساء: ۷۵)

’اور تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔‘

باذن اللہ، ہم ہر اس مسلمان سے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت میں اجر و ثواب کی خواہش رکھتا ہے، اللہ کے اس حکم کی تعمیل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ، جہاں کہیں بھی اور جب بھی ممکن ہو، امریکیوں کو قتل کرے اور ان کی دولت لوٹے۔ اسی طرح ہم علمائے کرام، مسلمانوں کے قائدین اور نوجوانوں سے بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ امریکہ ابلیس کے فوجیوں اور اس کے شیطانی اتحادیوں پر حملہ کریں اور ان کے پیچھے والوں کو منتشر کریں تاکہ وہ یاد رکھیں۔“

ان دو بیانات سے ہم عالمی جہاد کی خصوصیات، ستونوں اور بنیادوں کو دیکھ سکتے ہیں، واضح رہے کہ شیخ اسامہ نے ”عالمی جہاد“، ”جہاد کی عالمگیریت“ یا ”عالمگیر جہاد“ کی اصطلاح استعمال نہیں کی تھی۔ بلکہ جہادی ماحول کے اندر سے یہ اصطلاح استعمال کرنے والے پہلے شخص، جہاں تک میں جانتا ہوں، شیخ امام عبد اللہ عزام رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب ”عالمی سازش“ میں فرمایا تھا:

”انہیں اس جہاد کے خطرے کا احساس اس وقت ہوا جب انہیں ایک ایسا مدرسہ ملا جس میں پوری اسلامی دنیا (جہادی) تعلیم حاصل کر رہی تھی، جب انہیں ایک ایسی چوٹی اور روشنی کا مینار ملا جس کی پیروی امتِ مسلمہ کے تمام فرزند کر رہے تھے، جب انہوں نے محسوس کیا کہ افغان جہاد ایک قومی و ملکی لڑائی سے شروع ہو کر، ایک عالمی اسلامی جہاد میں تبدیل ہو گیا ہے۔“[1]

انہوں نے اس کتاب میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

”مغرب ایک ایسی سنی ریاست سے کانپتا ہے جو اس کے پہلو میں ہے اور اس کی سرحدوں پر کھڑی ہے، اور شمال میں روس اس سنی ریاست اور اس کے جنوب میں موجود اسلامی ریاستوں کی نقل و حرکت سے کانپتا ہے، اور یہ سب افغانستان کے عالمی اسلامی جہاد کا اڈہ اور لانچنگ پیڈ بننے سے کانپتے ہیں، اور اسی طرح جنوب کانپتا ہے، اور مشرق بھی کانپتا ہے۔“

پس اس نظریہ اور فقہی، فکری اور سیاسی فریم ورک کو قائم کرنے والے پہلے دو اشخاص شیخ عبد اللہ عزام اور شیخ اسامہ بن لادن تھے۔

شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”مسلم ممالک پر جو مصیبت آئی ہے اس کی دو بڑی وجوہات ہیں۔ پہلی ان پر امریکی تسلط کا وجود ہے اور دوسرا ان حکمرانوں کا وجود ہے جو شریعت کو چھوڑ کر اس تسلط سے ہم آہنگ ہیں اور اپنے مفادات میں سے کچھ کے حصول کے عوض امریکی مفادات کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ہمارے سامنے دین کو قائم کرنے اور مسلمانوں پر پڑنے والی آفت کو دور کرنے کا راستہ یہ ہے کہ ہم مسلم ممالک اور مسلمانوں پر اس امریکی تسلط کو ختم کریں جو وہاں شریعت کے مطابق حکمرانی کرنے والی کسی بھی حکومت کی بقا کو روکتا ہے اور اس تسلط کو ختم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ امریکی دشمن کو براہ راست تھکاتے رہیں یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے اور اتنا کمزور ہو جائے کہ مسلم دنیا کے معاملات میں مداخلت نہ کر سکے۔ اس مرحلے کے بعد دوسری وجہ کو ختم کرنے کا مرحلہ آتا ہے، یعنی ان حکمرانوں کا تختہ الٹنا جنہوں نے شریعت کو ترک کر دیا ہے اور اس کے بعد ان شاء اللہ اسلامی ریاست کے قیام کا مرحلہ آئے گا۔“

پھر شیخ عبد اللہ عزام اور شیخ اسامہ بن لادن کے بعد دوسرے لوگ آئے جنہوں نے ”عالمی جہاد“ کی اصطلاح کی غلط تشریح کی اور ان دونوں حضرات کے منشاء و مراد سے ہٹ کر کسی اور طریقے سے تعبیر کی۔ امریکی میڈیا کو اس دوسری تشریح و تعبیر میں وہ چیز مل گئی جس کی وہ تلاش میں تھے، چنانچہ انہوں نے عالمی جہاد کے تصور کے خلاف ایک اشتعال انگیز میڈیا مہم شروع کر دی۔ عالمی سطح پر جس بیگانگی اور اشتعال انگیزی کو پھیلانے کا ان کا ارادہ تھا، اس کے حصول کے لیے انہوں نے سینکڑوں مضامین اور تحقیقی مقالے لکھ ڈالے جن میں ”عالمی جہاد“ کی اصطلاح کو بغیر کسی استثناء کے دنیا کے تمام ممالک کو نشانہ بنانے اور عالمی نظام اور عالمی برادری کے خلاف اعلانِ جنگ سے تعبیر کیا گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے تیسری دنیا کے ممالک کو بھی اپنی مقدس جنگ میں شامل ہونے کے لئے اکسایا جسے انہوں نے ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ کا نام دیا۔ ہمارے بعض لوگوں نے بھی اس اصطلاح کا تصور مغربی میڈیا سے لیا جس کی وجہ سے امت کے بہت سے نوجوانوں میں الجھنیں اور اشکالات پیدا ہوئے۔ اگر ہم ان دونوں حضرات کے الفاظ پر غور کریں، خاص طور پر مذکورہ بالا دو بیانات پر، تو ہمیں معلوم ہو گا کہ عالمی جہاد کا تصور کئی ستونوں پر مبنی ہے، جو درج ذیل ہیں۔

[1] عبد الله عزام، في التآمر العالمي ١، ضمن: «الذخائر العظام» (٤/٥٨٧).

مجاہدین کا ستون

جس طرح پوری دنیا کے مسلمان حج کے لیے مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں اسی طرح دنیا بھر سے مجاہدین کو جہاد کا فریضہ ادا کرنے کے لیے مسلمانوں کی سرحدوں پر جمع کرنا۔ یہاں عالمی جہاد کا مطلب عالمی حج کی طرح ہے، یعنی دنیا بھر کے مسلمانوں کا اجتماعی عبادت کے لیے جمع ہونا۔ اس پر عالمی جہاد کے حامیوں کی طرف سے قرآنِ مجید کی اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً (سورۃ التوبۃ:۳۶)

”اور تم سب مل کر مشرکین سے لڑو جیسے وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں۔“

دشمن کا ستون

عالمی جہاد میں تمام کوششیں عالمی کفر کے سرغنہ پر مرکوز کرنا (یعنی سب سے بڑے، سب سے زیادہ تلخ، شدید ترین اور کفر میں واضح ترین دشمن پر مرکوز کرنا) جسے اللہ کی کتاب میں، ”ائمۃ الکفر“ یعنی کفر کے اماموں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس وقت عالمی کفر کا یہ سرغنہ امریکہ ہے جو اپنے مغربی اتحادیوں اور مرتدین کے ساتھ مل کر ہمارے مسلم ممالک کے خلاف صہیونی صلیبی مہم کی قیادت کر رہا ہے۔ جو براہ راست یا اپنے ایجنٹوں کے ذریعے اسلامی دنیا پر قبضہ اور تسلط قائم کیے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے وسائل اور دولت و ثروت چوری کرتے ہیں۔ جب بھی مسلمان اپنے حکمرانوں کے مظالم سے تنگ آ کر ان کے خلاف بغاوت کرتے ہیں تو وہ مسلم ممالک کے حکمرانوں میں سے اپنے ایجنٹوں کی مدد کرتے ہیں تا کہ یہ ایجنٹ حکمران اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی اپنی ہی سرزمین پر اور اپنے ہی لوگوں کے خلاف لڑیں۔ کفر کے اماموں کے خلاف عالمی جہاد کے حامیوں کی طرف سے قرآنِ مجید کی اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے:

فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ۝ (سورۃ التوبۃ: ۱۲)

”تو ان کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں ہے، شاید وہ باز آجائیں۔“

شیخ اسامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”آج عالمی کفر کا سرغنہ وہ ہے جو خطے کے ممالک پر سب سے زیادہ اثر و رسوخ رکھتا ہے، ان کی شریانِ حیات ہے اور ان کا اصل مددگار ہے، جس کے پاس وہ طاقت ہے جس نے اسے افغانستان میں امارتِ اسلامیہ اور عراق کی حکومت کو گرانے کے قابل بنایا، اگرچہ وہ بہت تھک چکا ہے۔ تاہم، وہ اب بھی خطے میں قائم کسی بھی حقیقی اسلامی ریاست کی حکومت کا تختہ الٹنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اسلامی تحریکوں کو ختم کرنے اور جڑ سے اکھاڑنے میں مقامی اور بین الاقوامی مخالفین کے سب سے اہم تجربات میں سے ایک یہ ہے کہ انہیں مشتعل کیا جائے، ان کو لالچ دیا جائے اور انہیں ایک ایسے تصادم میں گھسیٹا جائے جس کے اجزاء ابھی تک مکمل نہ ہوئے ہوں۔ اس لیے ہمیں اس کی منصوبہ بندی کو ناکام بنانا چاہیے، اور ہمیں افغانستان اور عراق کے کھلے میدانوں میں اس پر حملے جاری رکھنے چاہئیں اور اسے تھکا دینا چاہیے، یہاں تک کہ وہ اپنی کمزوری کی اس حالت کو پہنچ جائے کہ ہماری قائم کردہ کسی بھی ریاست کو گرانے کے قابل نہ رہے۔ پھر ہمیں مسلمانوں کی تمام ممکنہ کوششوں اور توانائیوں کو اکٹھا کرنے اور متحد کرنے کے لیے کام کرنے کی ضرورت ہے جو کسی عذر کے ساتھ یا بغیر عذر کے جہاد سے باز رہی ہیں، پھر ہم اللہ کے حکم سے مسلم ریاست قائم کرنا شروع کر دیں گے۔“

انہوں نے مزید فرمایا:

”جب عالمی کفر تھکن کے اس درجے پر پہنچ جاتا ہے جو اس کے زوال کا باعث بنتا ہے اور عالمی کفر کی کمزوری کی وجہ سے مقامی حکمران کمزور ہو جاتے تو ہم ان مقامی حکمرانوں کے ساتھ تصادم میں داخل ہو جاتے ہیں، تب ہم وہاں اپنے بھائیوں کو پوری طاقت اور توانائی کے ساتھ کھڑا پاتے ہیں۔“

میدانِ جنگ کا ستون

چونکہ عالمی کفر نے ہماری پوری اسلامی دنیا کو جنگ، تصادم اور قبضے کے میدان میں تبدیل کر دیا ہے، اس لیے دنیا بھر میں عالمی کفر کے سرغنہ کو نشانہ بنانا شرعی و عقلی طور پر جائز ہے۔ دنیا بھر میں عالمی کفر کے پیشواؤں کو نشانہ بنانے کی اجازت دینے کے لیے عالمی جہاد کے حامیوں کی طرف سے درج ذیل آیتِ کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے:

فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ۝ (سورۃ النساء:۹۱)

”تو ان کو پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کر دو۔ اور انہی کے مقابلے میں ہم نے آپ کو کھلی چھوٹ دے دی ہے۔“

وسائل کا ستون

تمام فرزندانِ اسلام بلکہ درحقیقت دنیا بھر کے تمام مظلوموں کو ہماری دعوت ہے کہ وہ امریکیوں کے معاشی، عسکری اور سیاسی مفادات کو ہر ممکن طریقے سے نشانہ بناتے ہوئے اس جہاد میں اپنا حصہ ڈالیں، اس کے لیے ان تمام طریقوں کو اختیار کیا جائے جن کی شریعتِ اسلامیہ اجازت دیتی ہے، چنانچہ اقتصادی بائیکاٹ سے شروع کر کے فوجی حملوں تک، انفرادی اور اجتماعی جہاد کے ذریعے امریکیوں کو نشانہ بنائیں، اور یہ بھی واضح رہے کہ امریکی عوام بھی محاربین اور جنگجوؤں کے زمرے میں آتے ہیں کیونکہ یہ امریکی شہری ہی ہیں جو اپنی حکومت کو ہماری زمینوں اور ہمارے مقدسات پر قبضے کی اجازت دیتے ہیں اور مسلم ممالک کے خلاف صہیونی صلیبی جنگ کو تقویت دینے کے لیے اپنے پیسے اور ٹیکس سے حصہ ڈالتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ”سب سے پہلے میں اس بات پر زور دیتا ہوں کہ امریکہ کے ساتھ ہماری جنگ میں ہمارا اصل مقصد ہماری نظروں میں واضح ہونا چاہیے، اس کے بعد ہم اس مقصد کو حاصل کرنے کے بہترین طریقوں پر عمل کریں گے۔ ہمارا مقصد اور ہماری مراد وہی ہے، جس کا خلاصہ گیارہ ستمبر کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ امریکہ اپنی برائی کو ہم سے دور کر دے، مثلاً یہودیوں کی حمایت و مدد کرنا، اور مسلمانوں کے معاملات میں مداخلت کرنا چھوڑ دے تاکہ ہم ایک حقیقی اسلامی ریاست قائم کر سکیں۔ یہ بات آپ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے مسلمانوں کے لیے لڑائی اور جنگ کے بہت سے مقاصد رکھے ہیں اور ان میں سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ دین مکمل طور پر اللہ ہی کے لیے ہو۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:
>
> وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ (سورۃ الانفال: ۳۹)
>
> ’اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ یعنی کفر کا فساد باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے، اور اگر وہ باز آجائیں تو اللہ ان کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔‘
>
> اور اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ کافر لوگ اسلام اور مسلمانوں پر حملے روک دیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
>
> فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○ (سورۃ التوبۃ: ۱۲)
>
> ”تو ان کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں ہے، شاید وہ باز آجائیں۔“
>
> ہم ایک ایسی جنگ چاہتے ہیں جو دشمن کو اپنی جارحیت اور ہمارے خلاف چھیڑی گئی لڑائی ختم کرنے پر مجبور کرے۔ اور اللہ کے حکم سے آج کے کفر کے پیشواؤں یعنی امریکہ پر توجہ مرکوز کر کے یہ ہدف پوری قوت اور تیزی سے حاصل کیا جائے گا۔ یہ بات معلوم ہے کہ امریکہ میں حاکمیت و خودمختاری اور اقتدارِ اعلیٰ امریکی عوام کے پاس ہیں، امریکی عوام ہی بنیادی فیصلہ ساز ہیں، جن کی نمائندگی ایوان نمائندگان اور وائٹ ہاؤس کرتے ہیں۔ اس لیے ہمیں اپنے قتل و قتال کو امریکی عوام اور ان کے نمائندوں اور لیڈروں پر مرکوز رکھنا چاہیے۔ لہٰذا، ہمیں اس جنگ میں، اپنے اور ان کے درمیان رعب و دہشت کے توازن کی مساوات کا استعمال کرتے ہوئے، اس کے جنگی کمانڈ سینٹرز، جو کہ وائٹ ہاؤس انتظامیہ، کانگریس، اور پنٹاگون ہے، کو براہ راست دباؤ میں رکھنا ضروری ہے۔ یہ ہدف تمام امریکی عوام یا ان کی اکثریت کو، امریکہ کے اندر کارروائیوں کے ذریعے براہ راست متاثر کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے جو انہیں امن و امان اور سلامتی سے محروم کر دے گا، اور اسی طرح ان کی معیشت کو بھی متاثر کر دے گا۔ یہ ہدف بیرونِ ملک تیل کی ترسیل کو نشانہ بنا کر بھی حاصل کیا جائے گا، خاص طور پر ان ممالک میں جو امریکہ کو تیل برآمد کرتے ہیں۔ اس کے بعد امریکی شہری کی آمدنی پر اثر پڑے گا، اور اس کے رہنے کے اخراجات، خاص طور پر اس کے ایندھن کے بل میں اضافہ ہو گا۔
>
> اس کے ساتھ ہماری طرف سے ایک بڑی، مرکوز میڈیا مہم بھی چلائی جانی چاہیے، جس کا ایک حصہ، اگر ممکن ہو تو، امریکی میڈیا کے ذریعے ہو گا، ان کارروائیوں کو ہمارے مسلم ممالک، خصوصاً فلسطین، عراق، افغانستان، پاکستان، اور صومالیہ میں (امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مظالم کی وجہ سے) امن و امان اور سلامتی کے نقصان سے جوڑا جائے گا۔“[2]

---

[2] شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی طرف سے شیخ یونس الموریطانی کو خط: ایبٹ آباد دستاویزات کی دوسری کھیپ۔

اہداف و مقاصد کا ستون

عالمی جہاد کا ہدف و مقصد یہ ہے کہ عالمی کفر کے سرغنہ کو معاشی اور عسکری طور پر دنیا میں مختلف جگہوں پر متعدد جنگوں کی دلدل میں دھکیل کر اتنا تھکا دیا جائے کہ اس کی طاقت کمزور ہو جائے، اس کی قوت ارادی کو سلب کر لیا جائے، اور پھر وہ خود سے پیچھے ہٹ جائے اور ٹوٹ جائے جیسا کہ سوویت یونین کمزور ہو کر پیچھے ہٹ گیا تھا اور پھر خود بخود ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔ امریکہ کی یہ کمزوری بلاشبہ اس کے ایجنٹوں یعنی مسلم ممالک کے حکمرانوں کی کمزوری کا باعث بنے گی۔ اس کے بعد ملتِ اسلامیہ مقامی ظالموں سے انتقام لینے، انہیں مسلم ممالک کی حکمرانی سے ہٹانے اور مسلم سرزمین کو صہیونی صلیبی تسلط سے آزاد کرنے کے لیے ایک جامع عوامی انقلاب میں اٹھ کھڑی ہو گی۔ اس سے ہمارے مقبوضہ اسلامی مقدسات کی بحالی، حقیقی اسلامی ریاست کے قیام اور دین کی شان و شوکت کی بحالی کا راستہ کھلے گا۔ اسی وجہ سے شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ”ہم ایک عالمی تنظیم ہیں جو فلسطین اور تمام مسلم ممالک کو آزاد کرانے اور اسلامی خلافت کے قیام کے لیے کوشاں ہیں جو اللہ کی شریعت کے مطابق حکومت کرے۔“

اور انہوں نے فرمایا:

> ”ایک اہم نکتہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ افغانستان میں جہاد ایک فرض ہے جو اللہ کی شریعت نے ہم پر عائد کیا ہے، یہ ڈیڑھ ارب آبادی پر مشتمل امت کو آزادی دلانے اور اس کے مقدسات کی بحالی کے عظیم فریضے کو پورا کرنے کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے۔ جب کہ ہم افغانستان میں جہاد کر رہے ہیں اور عالمی کفر کے سرغنہ کو تھکا رہے ہیں، چنانچہ اس نے اسے کسی قدر کمزور کر دیا ہے جس سے مسلم ممالک کے عوام کو کچھ اعتماد حاصل ہوا ہے اور وہ جرأت و ہمت دکھانے کے قابل ہو گئے ہیں اور اس جہاد نے اُس زبردست دباؤ کو دور کر دیا ہے جو امریکہ کے ایجنٹوں کے خلاف بغاوت کا سوچنے والے ہر شخص کو تھکا دینے والا اور مایوس کرنے والا تھا۔“

انہوں نے مزید فرمایا:

> ”ان پر اس وقت تک دباؤ بڑھایا جانا چاہیے جب تک کہ رعب و دہشت کا توازن حاصل نہیں ہو جاتا، اور مسلم ممالک پر ان کی جنگ، قبضے اور تسلط کی قیمت ان پر اس کے فائدے سے زیادہ نہ ہو جائے۔ اس طرح وہ تھکن اور تناؤ کی ایسی حالت میں پہنچ جائیں گے جو انہیں ہماری سرزمینوں سے دستبردار ہونے، مسلم ممالک سے نکلنے اور یہودیوں کی مدد و حمایت بند کرنے پر مجبور کر دے گی۔ یہاں پر وقت کی اہمیت پر بھی زور دیا جانا چاہیے، کیونکہ یہ بہت اہم ہے اور موجودہ تاریخ اور حالات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ہمیں اس وقت یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ حقیقی اسلامی ریاست کے قیام کے کام کا آغاز عالمی کفر کی تھکاوٹ اور خستہ حالی سے ہوتا ہے۔“

لہٰذا، عالمی جہاد، اپنی سرزمین اور اپنے مقدسات کو ظالموں سے آزاد کروا کر مقامی، علاقائی جہاد کے مقاصد کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب القاعدہ نے اپنا عالمی جہاد شروع کیا تو اس کا پہلا مقصد امریکیوں کو ان کے اڈوں سے نکالنا تھا جہاں وہ چھپے ہوئے ہیں، اور مقامی حکومتوں کی فوجوں سے لڑنے سے حتی الامکان دور رہنا تھا سوائے اس کے کہ جب وہ اپنے امریکی آقاؤں کا دفاع کریں یا مجاہدین پر حملہ کریں۔ چنانچہ ریاض اور خُبر میں امریکی فوج کو نشانہ بنایا گیا لیکن وہ جنگ کے لیے سامنے نہیں آئے۔ بلکہ انہوں نے ہمارے اپنے لوگوں کو مجاہدین سے لڑنے کے لیے پیش کیا۔ پھر القاعدہ نے انہیں صومالیہ میں نشانہ بنایا اور امریکی فوجیوں کو دنیا کے سامنے گھسیٹا۔ چنانچہ قابض امریکہ نے صومالیہ سے دم دبا کر بھاگنے میں عافیت جانی۔ پھر، القاعدہ نے یمن میں بحیرۂ عدن میں امریکی بحری بیڑے (یو ایس ایس کول) کو نشانہ بنایا۔ امریکہ اپنے سترہ ملاحوں (Marines) کے قتل پر مشتعل ہوا لیکن اس کے باوجود وہ میدان جنگ میں لڑتا نظر نہیں آیا۔ اس کے بعد نیروبی اور دارالسلام میں امریکی سفارت خانوں کو نشانہ بنایا گیا، اور جب وہ میدان جنگ میں لڑنے کے لیے سامنے آتے نظر نہیں آئے تو پھر مجاہدین نے انہیں میدان جنگ میں گھسیٹنے کے لیے گیارہ ستمبر کو ایک بڑا دھچکا لگایا، اور انہیں لڑنے پر مجبور کیا اور پھر وہی ہوا جو سب کے سامنے ہے۔

الحمد للہ، اللہ کا شکر ہے کہ امریکہ جنگ کی دلدل میں دھنس چکا ہے، کمزور ہو چکا ہے، اور اس کی معیشت اس حد تک کمزور ہو گئی ہے کہ وہ ہمارے طے کردہ مقامی، علاقائی جہاد کے کچھ مقاصد کو قبول کرنے پر مجبور ہو چکا ہے۔ اور امریکہ نے مسلم سرزمینوں پر مسلط بہت سے ظالموں اور طواغیت کی حفاظت سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا، پس امریکہ نے لیبیا کے قذافی، تونس کے ابن علی، مصر کے حسنی مبارک اور یمن کے ابن صالح کو چھوڑ دیا اور آخر کار بشار الاسد سے بھی دست بردار ہو گیا، وہ بشار جسے امریکہ نے گزشتہ بیس سالوں کے دوران افغانستان سے گرفتار شدہ القاعدہ کے مجاہدین پر غیر انسانی تشدد کرنے کا کام سونپا تھا۔ الحمد للہ، یہ سب کامیابیاں اس نظریہ کی توثیق کرتی ہیں اور اس کی صداقت کی تصدیق کرتی ہیں کہ یہ نظریہ کچھ آزادی اور جزوی فتوحات کے حصول کے لیے زمین تیار کرنے کی سب سے زیادہ اہلیت رکھتا ہے جب تک کہ اللہ کے حکم سے مستقبل میں مکمل فتح حاصل نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ شیخ اسامہ پر رحم فرمائے جنہوں نے فرمایا:

”اللہ کے فضل سے جہاد کئی محاذوں پر جاری ہے، اور یہ جہاد، اللہ کے حکم سے اور پھر مجاہدین کی استقامت سے، اس قابل ہے کہ کفر کے سرغنہ امریکہ کو اس قدر تھکا دے کہ وہ کمزوری کے اس مرحلے پر پہنچ جائے جو ہمیں حقیقی اسلامی ریاست قائم کرنے کے قابل بنا دے۔ امریکہ کے خلاف کارروائیوں میں جتنا اضافہ ہوتا جائے گا، ان شاء اللہ، حقیقی اسلامی ریاست کے قیام کی کوششوں کو متحد کرنے کا مناسب وقت اتنا ہی قریب آتا جائے گا اور پھر امت اس کمزوری، ذلت اور انحطاط سے آزاد ہو جائے گی۔“

انہوں نے فرمایا:

”اگر ہم اس تنازعے کو علمی اور عملی طور پر صحیح طریقے سے حل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کی حقیقت، اس کی جڑوں اور اس کی متعدد جہتوں کو سمجھنا ہوگا۔ بظاہر یہ تنازع جزوی طور پر ایک اندرونی علاقائی تنازع لگتا ہے، لیکن دوسری جہت میں یہ عالمی کفر اور اس کے مسلط کردہ مرتدین کے ساتھ ہمارا تصادم ہے جس کی قیادت آج ایک طرف امریکہ کر رہا ہے اور دوسری طرف امتِ مسلمہ اپنے ہراول دستے یعنی مجاہدین بھائیوں کے واسطے سے کر رہی ہے۔“

اور فرمایا:

”یہ مقامی حکومتیں عالمی کفر کے نظام ہی کا ایک حصہ ہیں۔“

اور فرمایا:

”اور یہاں آپ کو عالمی اور مقامی کفر، اپنے تمام فرقوں اور قوموں کے ساتھ متحد نظر آتا ہے، اور ہر روز ظالموں کے بھیڑیے دور دراز کی بھیڑوں کا شکار کرتے ہیں۔“

اور فرمایا:

”میں آپ کو عسکری اور اسلامی میدان میں القاعدہ کی عمومی پالیسی سے متعلق یاد دہانی کروانا چاہتا ہوں۔ القاعدہ نے اپنی تمام صلاحیتیں اندرونی دشمن سے پہلے، اپنے عظیم تر بیرونی دشمن پر مرکوز کرنے میں خود کو ممتاز کر لیا ہے۔ اگرچہ اندرونی دشمن کفر میں شدید ہے لیکن درحقیقت بیرونی دشمن یعنی امریکہ سب کے نزدیک واضح طور پر کافر ہے اور اس مرحلے پر سب سے زیادہ نقصان دہ ہے کیونکہ امریکہ اس وقت کفر کا سرغنہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے امریکہ کا سر کاٹ دیا تو اس کے بازو سرکشی نہیں کر سکیں گے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے فرمایا تھا کہ 'مجھے اہلِ فارس کے ساتھ جنگ میں نصیحت کرو، کیونکہ تم ان کے بارے میں زیادہ جانتے ہو'۔ اس نے کہا: 'آج فارس کا ایک سر اور دو بازو ہیں'۔ فرمایا: 'سر کہاں ہے؟' اس نے کہا: 'نہاوند'۔ پھر اس نے بازوؤں کی جگہ کا ذکر کیا اور کہا:

'اے امیر المومنین، میری رائے یہ ہے کہ اگر آپ بازوؤں کو کاٹ دیں تو سر کچھ نہیں کر سکے گا'۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: 'تم نے جھوٹ کہا اے اللہ کے دشمن، بلکہ میں اس کے سر پر جا کر اسے کاٹ دوں گا، اگر اللہ اس کا سر کاٹ ڈالے تو بازو سرکشی نہیں کر سکیں گے'۔

اگرچہ یہ پالیسی اکابر مجاہدین بھائیوں کے ذہنوں میں واضح ہے، تاہم تمام بھائیوں کو تحریری طور پر اس کی یاد دہانی کرائی جانی چاہیے، اس بات کا ادراک کرتے ہوئے کہ نوجوانوں کی نئی نسلیں جہاد کی تحریک میں شامل ہوئی ہیں اور انہیں اس اہم معاملے کے بارے میں تعلیم و آگاہی نہیں دی گئی ہے، جس کی وجہ سے ان کے ذہن اصل بنیاد پر توجہ مرکوز کرنے کے بجائے ثانوی کارروائیوں کے نفاذ کی طرف جاتے ہیں۔“

”عالمی جہاد“ کے نظریہ کو سادہ الفاظ اور آسان طریقے سے سمجھانے کے لیے شیخ اسامہ رحمہ اللہ تین شاندار مثالیں پیش کیا کرتے تھے۔ پس شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”میں نے پہلے امریکہ پر توجہ مرکوز کرنے کے حوالے سے القاعدہ کی عمومی پالیسی کی وضاحت کے حوالے سے ایک مثال دی تھی، وہ یہ ہے کہ اللہ کے دشمن آج ایک شجرِ خبیثہ کی مانند ہیں، اس درخت کا تنا امریکہ ہے، جس کا قطر ۵۰ سینٹی میٹر ہے، اور جس کی بہت سی شاخیں ہیں اور ان کے سائز مختلف ہیں، یعنی نیٹو ممالک اور مسلم ممالک پر مسلط خطے کی بہت سی حکومتیں۔ اب ہم اس درخت کو کاٹنا چاہتے ہیں جبکہ ہماری طاقت اور قوت محدود ہے۔ اس خبیث درخت کو گرانے کا مؤثر طریقہ یہ ہے کہ اگر ہم اس کی اصل یعنی امریکی تنے کی گہرائی پر توجہ مرکوز کریں اور اسے کاٹنا شروع کریں یہاں تک کہ ہم تقریباً ۳۰ سینٹی میٹر کی گہرائی تک پہنچ جائیں۔

پھر ہمیں برطانوی شاخ پر وار کرنے کا موقع ملتا ہے، تو ہم اس پر وار نہیں کریں گے جب تک کہ ہمارے پاس امریکی تنے کو کاٹنے کا امکان موجود ہو۔ کیونکہ اس خبیث درخت کی برطانوی یا کسی دوسری شاخ پر وار کرنا ہماری کوششوں اور طاقت کو منتشر کر دے گا۔ پس اگر ہماری کوشش امریکی تنے کی گہرائی تک سرایت کرتی رہی یہاں تک کہ وہ ٹوٹ کر گر گیا، تو باقی شاخیں اللہ کے حکم سے خود بخود ٹوٹ جائیں گی۔

اس کی ایک مثال افغانستان میں مجاہدین کی طرف سے روسی درخت کے تنے کو کاٹ دینے اور اس کے نتیجے میں جنوبی یمن سے مشرقی یورپ تک اس کی ایک کے بعد ایک شاخوں کا گرنا ہے، اُس وقت ہم نے ان شاخوں پر کوئی محنت نہیں کی تھی بلکہ اپنی پوری توانائیاں روسی تنے پر صرف کی تھیں۔

لہٰذا، ہر تیر اور ہر گولی، جس سے امریکیوں کو یا اس کے اتحادیوں کو نشانہ بنانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے، اس کا رخ امریکیوں کی طرف ہونا چاہیے، نہ کہ نیٹو اتحاد میں شامل دوسرے کفار کی طرف، اور ایسی صورت میں اس سے نیچے والے مرتد حکمرانوں اور دوسرے کفار کو تو چھوڑ ہی دیجیے۔"

دوسری مثال میں شیخ اسامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مسئلۂ فلسطین میں چھ دہائیوں سے زائد عرصے تک کسی بھی کامیابی کے حصول میں ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہودیوں کا اصل حامی اور مددگار امریکہ ہے اور مسئلۂ فلسطین کی ضمن میں امریکہ کسی اندرونی دباؤ کا شکار نہیں ہوا۔ چنانچہ امریکی عوام نے فلسطین میں بالعموم اور غزہ میں بالخصوص ہمارے مسلمان بھائیوں کے دکھ درد اور مصائب کو محسوس نہیں کیا۔

فلسطین کی صورت حال کی مثال ایسے ہے جیسے بحیرہ روم میں ایک بحری جہاز موجود ہو جس میں ایک دیو قامت کرین ہے جو اپنی رسیوں سے ہمارے گھر کے تنگ صحن میں ایک بہت بڑا ہاتھی (اسرائیل کے نام سے) لا کھڑا کرتی ہے، جو اس گھر کی دیواروں کو تباہ کرتا ہے اور یہاں کے باشندوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ فلسطین کے مسلمان ساٹھ سال سے زیادہ عرصے سے اس ہاتھی کو اپنے گھر سے نکالنے کے لیے ڈنڈوں سے مار رہے ہیں اور لاٹھیوں سے پیٹ رہے ہیں لیکن کوئی فائدہ نہیں ہو رہا۔ اور یہ معلوم ہے کہ ہاتھی پر لاٹھی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ سچ تو یہ ہے کہ ضرورت اس بات کی تھی اور اب بھی ہے کہ ہم اس جہاز کو یہاں سے ہٹانے کے لیے اس پر وار کریں جس پر کھڑی کرین نے رسیوں سے اس ہاتھی کو یہاں لا کر ہمارے گھر میں کھڑا کیا ہے اور اسے اب تک سہارا دیا ہوا ہے، اور وہ جہاز امریکہ ہے۔

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مار پیٹ اور حملے صرف ہاتھی تک ہی محدود ہونے چاہئیں اور مزاحمت گھر سے باہر نہیں بڑھنی چاہیے، وہ گھر کو اس ہاتھی سے آزاد کرانے کے لیے محفوظ ترین اور قریب ترین فوری راستہ اختیار کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

اسی طرح جو کوئی بھی اس خطے کے عوام کے حالات پر غور کرے گا وہ دیکھے گا کہ وہ امریکہ کے ایجنٹ مقامی حکمرانوں کے ہاتھوں بڑے مصائب میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کے حل کی کلید بھی اس حقیقت سے شروع ہوتی ہے کہ امریکہ پر حملے کر کے اسے تھکا دیا جائے تب وہ ان حکمرانوں کی سرپرستی چھوڑ دے گا اور مسلمانوں کے معاملات میں مداخلت کرنا بند کر دے گا۔"

شیخ اسامہ رحمہ اللہ نے تیسری مثال میں فرمایا:

"امریکہ کے ساتھ عالم اسلام کی کشمکش اور تنازع کی مثال ایک بڑے ڈیم کی سی ہے جس کے دونوں طرف بہت سے کچے دیہات ہیں، کچھ ظالموں نے اس کے قریب آ کر اس کے دروازے کھول دیے، جو نہیں کھولے جانے چاہیے تھے، اس کا بے پناہ پانی سامنے کے دیہاتوں میں بہہ گیا، گھروں کو تباہ کر گیا اور لوگوں کو بے انتہا نقصان پہنچا گیا۔ پس کچھ دلیر جواں مرد متحرک ہوئے تاکہ بزرگوں، عورتوں اور بچوں کو بچایا جا سکے اور وہ اپنی جانوں پر کھیل کر دن رات انتھک محنت کرتے رہے تاکہ اپنے لوگوں کی زندگیوں کو محفوظ بنایا جا سکے۔ تاہم انہیں ایک ایسے اہم اور بنیادی خیال اور منصوبے کی ضرورت تھی جس میں انہیں اس سے بہت کم توانائی اور محنت درکار ہو جو انہوں نے اپنے لوگوں کو ان عظیم اور دائمی مصائب سے نجات دلانے کے لیے کی تھی اور جس میں ان کی توانائیاں بھی بچی رہیں۔ پس یہ خیال اور منصوبہ یہ ہے کہ ان کے بہادر جوان ان لوگوں کے پاس جاتے ہیں جنہوں نے ڈیم کے دروازے کھولے تھے اور انہیں قرار واقعی سزا دیتے جنہوں نے لوگوں کو ہر طرح کے مصائب سے دوچار کیا تھا۔ اور پھر ڈیم کے دروازے دوبارہ بند کر دیتے، اس طرح ان کے عظیم مصائب و آلام کا خاتمہ ہو جاتا۔

آج یہی ہمارا حال ہے۔ امریکی عوام کو جھنجھوڑنے والی کارروائیوں اور حملوں کو جاری رکھنا اور امریکہ میں فیصلہ سازوں یعنی وائٹ ہاؤس،

کانگریس اور پنٹاگون پر دباؤ ڈالنا، ان شاء اللہ ڈیم کے دروازے بند کر دے گا۔ ایسا کرنے سے، ہم نے قوم کی محنت اور وقت کو بچایا ہوگا جب تک کہ اسرائیل کے لیے امریکہ کی مدد و حمایت بند کرنے کا مطلوبہ نتیجہ حاصل نہیں ہو جاتا اور امریکی فوجوں کو مسلمانوں کی سرزمینوں سے نکال باہر نہیں کیا جاتا اور جب تک امریکہ مسلمانوں کے معاملات میں اپنی مداخلت بند نہیں کر دیتا اور مسلمانوں کو ان کے مقامی دشمنوں کے ساتھ تنہا نہیں چھوڑ دیتا۔"

پس "عالمی جہاد" کے تصور کی وضاحت میں بنیادی بات یہ ہے:

۱. عالمی جہاد کا مطلب یہ ہے کہ ہر ملک میں مجاہدین متحد ہوں، جو ایک واحد مرکزی قیادت سے منسلک ہوں، جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں بیان کیا گیا ہے:

"معاملہ اس مقام پر پہنچے گا کہ تم (مجاہد) سپاہی بھرتی ہو جاؤ گے: شام میں ایک مجموعہ، یمن میں ایک مجموعہ، اور ایک عراق میں ایک مجموعہ۔"[۳]

مرکزی قیادت وہ ہے جو ہر مقامی ملک کے جہادی رجحانات کو اپنے لوگوں سے مشورہ کرنے اور ان کے اور ان کے ملک کے لیے مناسب سیاسی جہادی منصوبے کا مسودہ تیار کرنے کے بعد ہر مقامی ملک کے لیے جہادی ہدایات جاری کرتی ہے۔ یہ مرکزی قیادت اس کے بعد یہ طے کرتی ہے کہ کون کون سا ملک، امریکہ کو نشانہ بنانے والی بیرونی کارروائی کے لیے موزوں ہے اور کون سا ملک موزوں نہیں۔

۲. عالمی جہاد کا مقصد پوری دنیا کو عالمی کفر کے سرغنہ کے خلاف عسکری اڈہ بنانا ہے اور پوری امتِ مسلمہ کو مختلف ذرائع اور زبانی، مالی اور جانی جہاد کے متعدد راستوں کے ذریعے عالمی صہیونی صلیبی تسلط سے آزاد کرانے کے لیے متحرک کرنا ہے۔ لہٰذا، عالمی نظریۂ جہاد کے حامی پوری امتِ مسلمہ کو تمام جائز طریقوں سے جہاد میں شامل ہونے کی ضرورت پر یقین رکھتے ہیں، اور پوری امتِ مسلمہ کو لازمی الٰہی بھرتی کی صفوں میں شامل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔

۳. عالمی جہاد کا نظریہ شیخ عبداللہ عزام رحمہ اللہ کے اس فتوے پر مبنی ہے کہ آج روئے زمین کے ہر مسلمان پر جہاد فرض عین ہے اور اسی وجہ سے شیخ نے پوری دنیا کے ہر صاحبِ استطاعت مسلمان کو اس وقت تک گناہ گار قرار دینے کا فتویٰ جاری کیا ہے جب تک کہ اندلس اور فلسطین کو واپس بازیاب نہیں کرا لیا جاتا، اور یہ فتویٰ دیا کہ دنیا کے ہر مسلمان پر فرض عین جہاد ترک کرنے اور فرض عین نماز، روزہ اور زکوٰۃ ترک کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے جو کہ دنیا بھر کے ہر مسلمان پر فرض ہیں۔

۴. شیخ عبداللہ عزام رحمہ اللہ نے سب سے پہلے یہ ثابت کیا کہ مقامی، علاقائی جہاد کے مقاصد، جن میں ہمارے عرب ممالک کو مغربی تسلط سے نجات دلانا سرفہرست ہے، عالمی جہاد اور اس کی عالمگیریت کے نظریہ کے اندر رہ کر کفر کے سرغنہ امریکہ سے لڑ کر ہی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ یہ بات شیخ کی تحریروں اور بیانات سے سمجھی جا سکتی ہے جو انہوں نے اپنی شہادت سے دو سال قبل دیے تھے۔ اس کی وضاحت کرنے والی ایک شاندار اور مفید کتاب ہے جو مغرب سے ناروے کے محقق تھامس ہیگ ہامر نے شائع کی ہے، جس کا عنوان ہے "کارواں: عبداللہ عزام اور عالمی جہاد کا عروج"۔[4]

آپ کے سوال کا یہ وہ جواب ہے جو میرے پاس تھا۔ اتنی طوالت کے باوجود میں ایمانداری سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آپ کے سوال کا مختصر جواب دیا ہے۔ بصورت دیگر، کچھ ایسے معاملات ہیں جن کا ذکر انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اور ان شاء اللہ میں ان کا ذکر کسی اور نشست میں کروں گا۔ اور توفیق کا عطا کرنے والا اللہ ہی ہے۔

النازعات: اے ابو اسامہ، ہم آپ کے ساتھ اس مفید مکالمے پر اللہ کا شکر بجالاتے ہیں۔ اور اسی طرح میں، سوالات کے جوابات دینے میں آپ کی مہربانی، سخاوت اور صبر کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جزاکم اللہ خیراً۔

ہم شام میں جہاد کے مستقبل کے بارے میں اپنی بات چیت کو جاری رکھنے کے لیے جلد ہی تیسری ملاقات کی امید کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہر شخص کو اپنی رضا کے کاموں کی طرف رہنمائی کرے۔

والحمد لله رب العالمين

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: شبابِ کشمیر کے نام ایک درد بھرا پیغام

"نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس امت کا مستقبل ہیں، لہٰذا خود کو ہر طرح کی فحاشی سے دور رکھیے، نماز قائم کیجیے اور نیک اعمال کیجیے، گناہ ایک مسلمان کے دل پر ضرب لگاتے ہیں اور اس کی آخرت کو خراب کرتے ہیں، آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان گنت وسائل موجود ہیں جنہیں آپ اپنی اصلاح کے لئے استعمال کریں، تاکہ آپ اور آپ کے والدین کو آخرت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عظیم میں شرم سار نہ ہونا پڑے۔"

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو شہداء کا حق ادا کرنے والا بنائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆

---

[۳] ابو داؤد (۲۴۸۳)۔

[4] The Caravan: Abdullah Azzam and the rise of global jihad (by Norwegian researcher Thomas Hegghammer)

ایک مجاہد بھائی کا اپنے ایک مجاہد ساتھی کے نام خط

ریحان بھائی (انجنیئر عفان غنی رحمہ اللہ) کی تعزیت میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صفر المظفر ۱۴۴۳ھ

ستمبر ۲۰۲۱ء

نہایت ہی پیارے اور محترم **** بھائی کے نام از ****

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ عرصہ دراز بعد آپ سے آدھی ملاقات کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ آپ سے ملے تقریباً سات سال سے زائد عرصہ بیت چکا ہے۔ سب سے پہلے تو میں آپ سے شہید ہونے والے تمام ساتھیوں کی تعزیت کرتا ہوں۔ فاروق بھائی، ریحان بھائی، امجد بھائی، ابو خالد بھائی، قاری عمران صاحب، حاجی ولی اللہ صاحب، طارق ویعقوب بھائی، ہشام بھائی، قاسم بھائی، خطاب بھائی، مولانا عاصم عمر اور دیگر شہید بھائیوں اور مشائخ کی شہادت پر افسوس کرتا ہوں۔ میری یادداشت کے مطابق اس عرصے میں آپ سے ایک آدھ بار خطوط کے تبادلے کا موقع ملا۔

پہلے تو ریحان بھائی کو کچھ یاد کر لیتے ہیں۔ ریحان بھائی کے بارے میں میں تو آپ کو کیا بتاؤں، آپ تو ان کے بہترین ساتھی تھے۔ وہ صبر و ہمت کے ایک پیکر تھے۔ شدید سے شدید مصائب پر بھی چہرے پر فکر کے ذرا آثار نہ آنے دیتے۔ ایک بے لوث خدمت گار جسے ساری بھاگ دوڑ اور خدمتوں کے صلے میں بھی عموماً کسی خاص انعام و اکرام سے نہ نوازا جاتا تھا۔ قاسم بھائی رحمہ اللہ نے ایک بار میران شاہ بازار میں مجھے بتایا کہ ایک سال ہونے والا ہے میں نے رہبر (ریحان بھائی) کو کبھی کھانا پورا کھاتے نہیں دیکھا۔ ابھی یہ دوسرا یا تیسرا نوالہ اٹھاتا ہے کہ مخابرے پر کوئی زبیر زبیر یار رہبر رہبر کی صدا لگاتا ہے اور یہ اوری! اوری! کرتا ہوا پستول پہن کر چل پڑتا ہے۔ وزیرستان کا بیشتر دور ہی ان کا 'گاڑی اور سفر' تھا۔ گلے سے اترنے والی اکثر خوراک نمکو، پاپڑ یا چند بسکٹ ہوتے تھے۔ مجھے ریحان بھائی کی وہ رات نہیں بھولتی جو انہوں نے لواڑہ میں ابو خالد بھائی کے گھر کے باہر برف میں گزاری تھی۔ بے چارے دروازہ کھٹکھٹاتے رہے لیکن ڈاکٹر صاحب وغیرہ گہری نیند سو چکے تھے، وہ دروازہ نہ کھول پائے۔ محسود کے سپن قمر کے محاذ کے غازی اور امیر بھی آپ ہی تھے۔ سقوطِ وزیرستان کے سارے زمانے میں سینکڑوں مہاجرین کو نکالنے میں ریحان بھائی کا بنیادی کردار رہا۔ اور پھر جو بے چارے کے ساتھ حادثہ پیش آیا، الامان والحفیظ! اس کا تو ذکر نہ ہی کیا جائے تو اچھا ہے ورنہ میں آگے خط لکھنے سے قاصر رہوں گا۔

اس حادثے کے کچھ عرصے تک تھوڑے بہت پریشان رہے۔ لیکن جیسے ہی ان کی شادی ہوئی، ان کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا جو شاید مجھ جیسے نکمے کے لیے ایک بہت بڑا انکشاف تھا۔ آپ اور ہشام بھائی رحمہا اللہ تقریباً نو ماہ تک میدان وردک کی برفوں میں ''پوش'' تھے۔ شاید سالوں سے در در پھرنے والے مسافر کو ایک ٹھکانہ نصیب آیا تھا۔ اس عرصے میں ریحان بھائی نے مطالعے اور اعلامی امور پر توجہ دی۔ اور مختصر سے عرصے میں اتنے مفصل اور پُر مغز مضامین لکھے، چھانٹے، تراجم کیے، ویڈیوز بنوائیں (ہشام بھائی کے ساتھ مل کر) کہ میں حیران رہ گیا۔ ہشام بھائی کے پاس جتنا کیمرا ڈیٹا تھا وہ انہوں نے بہت منظم انداز میں مرتب کیا۔ لیکن قدر اللہ ان ہارڈ ڈسکوں کا پاسورڈ انہیں دونوں کے سینوں یا لیپ ٹاپوں میں محفوظ تھا اور وہ جنتوں کو پرواز کر گئے، ان شاء اللہ۔ فاروق بھائی کی آپ بیتی انہوں نے پوری ٹائپ کر دی۔ ان شاء اللہ اس خط کے ساتھ آپ کو بھیجتا ہوں۔ الملاحم کی جاسوسوں والی اصدار کا ترجمہ کیا اور پھر اس کو اپنی آواز میں ڈب بھی کیا۔ جہاں تک فاروق بھائی رحمہ اللہ نے فرسان کا ترجمہ کیا تھا اس کے آگے سے ترجمے کرنا شروع کیا اور کافی بڑے حصے کا کیا، افسوس کہ فی الحال مجھے اپنی ہارڈ ڈسک میں نہیں مل رہا اگر ملتا تو آپ کو بھجواتا۔ شیخ ناصر الوحیشی رحمہ اللہ کے ایک بیان کا ترجمہ کیا۔ ترکستانیوں کی ایک فلم کا ترجمہ کیا۔ غرض آپ کا 'بیلی یار' کسی جن سے کم نہیں تھا!

موسیٰ قلعہ میں جو چھاپہ آیا اس کا پسِ منظر بھی یوں ہوا ہے کہ پانچ چھ دن سے ڈرون ہمارے سروں پر پھرنا شروع ہو گئے۔ امیر صاحب نے مجھے اور انس بھائی کی پیغام بھجوایا کہ پہلے آپ لوگ شہر سے نکل کر دیکھیں کہ ڈرون آپ کے پیچھے آتا ہے یا نہیں۔ ہم نکلے ہمارے ساتھ انس بھائی، حذیفہ یعقوب (سیف الرحمن) کی والدہ اور بھائی بھی تھے۔ قصہ مختصر یہ کہ ہمیں معلوم ہو گیا کہ کشف[1] کوئی اور نہیں ہم ہی ہیں۔ اسی عرصے میں ریحان بھائی کی فیملی بمعہ خالہ ام مصعب اور بیوہ ہشام شہید کے نکلی۔ ڈرون نے ان کا پیچھا، کبھی کیا، کبھی نہیں کیا۔ بے چاروں نے تقریباً دو دن کا سفر کیا، نئی جگہ پر شفٹ ہوئے لیکن ایک دن بعد پھر سے ڈرون نمودار ہو گیا اور ایک دن پھر کر دوبارہ واپس چلا گیا۔ یہ منطقہ ولایتِ غور کے پہاڑوں کے بالکل قریب تھا۔ خیر اس کے پانچ چھ دن بعد اس شدت سے آیا کہ وہ پہاڑوں بسنے والے لوگ حیران رہ گئے کہ اس پورے انقلاب میں کبھی اتنا نہیں آیا۔ بے چارے ریحان بھائی وہاں سے نکل کر فراہ کے دشتوں کی طرف گئے لیکن وہ اس کے چُنگل سے نکل نہ پائے۔ میری یادداشت کے مطابق تقریباً مہینے بھر کی دربدریوں کے بعد شاید وہ اسی نتیجے پر پہنچے کہ موسیٰ قلعہ ہی واپس جانا چاہیے کیونکہ وہ گنجان آباد شہر ہے وہاں دو تین سال میں

---

[1] سن رہے ہو

[2] Traced / جس کا ڈرون طیاروں کی مدد سے پیچھا کیا جا رہا ہو

ایک آدھ چھاپہ ہی آتا ہے، اور اس میں بھی شدید جنگ کے بعد ہی امریکہ کوئی ہدف حاصل کر سکتا ہے۔ ریحان بھائی واپس موسیٰ قلعہ آ گئے۔ اور شاید یہی امریکی چاہتے تھے۔

امیر صاحبؒ بھی نکلے، چار پانچ کوششوں میں تو کشف سے نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن بالآخر اکیلے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ وہ وقت تھا کہ دوحہ میں مذاکرات بالکل اپنی عروج پر پہنچ چکے تھے۔ حتیٰ کہ بعض تجزیہ نگاروں نے تو "امضاء" کی تاریخ بھی تجویز کر دی تھی۔ امریکی فوج کے لیے بھی معاہدے کی تاریخ سر پر کھڑی تھی اور اُدھر مسئلہ یہ تھا کہ ریحان بھائی، فاروقی بھائی، بدر الدین بھائی، ضرار بھائی اور سیف الرحمن کے بھائی تو انہوں نے کشف کیے ہوئے تھے لیکن امیر صاحب ان کے کشف سے نکل چکے تھے۔ ایسے میں خبیث ٹرمپ نے سارے مذاکراتی عمل کو بغیر کسی معقول وجہ کے ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

خیر قدر اللہ! جب تقدیر غالب آتی ہے تو بندے کی کچھ نہیں چلتی، کچھ دنوں بعد ڈرون پوری شدت سے وہاں پہنچ گئے جہاں امیر صاحب روپوش تھے۔ امیر صاحب نے بھی بالآخر تھک ہار کر واپس گھر جانے کی سوچی۔ گھر پہنچے اور اس کی چند راتوں بعد ہی عشاء کی نماز کے ساتھ ہی چھاپہ آ گیا۔ ان ساتھیوں کے تقریباً چار گھر بنتے تھے جو کہ مختلف محلوں میں تھے۔ تین جگہ بیک وقت چھاپہ آیا۔ سب ساتھی اپنی پوزیشنز بنانے کے لیے دوڑے۔ ابھی ہیلی کاپٹرز لینڈ بھی نہ ہوئے تھے کہ اے سی ون تھرٹی سے امیر صاحب کو نشانہ بنایا گیا، آپ شہید ہو گئے۔ پھر تقریباً تمام گھروں میں جنگ شروع ہو گئی۔ بدر الدین بھائی کے پاس پیکا تھی اور ریحان بھائی کلاشن کوف اور گرنیڈوں سے جنگ کرتے رہے۔ آپ کے پاس فدائی بیلٹ بھی تھی۔ بالآخر کافی جنگ کے بعد یہ دونوں بھائی بھی شہید ہو گئے۔ گھر میں موجود خواتین اور بچے بھی زخمی ہوئے۔ فاروقی بھائی، حذیفہ یعقوب کے سارے بھائی[3]، امیر صاحب کے دونوں بیٹے، اور ضرار بھائی کا بیٹا یہ سب ایک گھر میں تھے۔ ان تمام جوانوں اور بچوں نے خوب جنگ کی۔ عام آبادی ستائیس اٹھائیس کمانڈوز کا بتاتی ہے کہ مردار ہوئے، واللہ اعلم! اس جگہ سب سے زیادہ ہلاک ہوئے۔ کمانڈوز ہی کی فائرنگ سے حذیفہ یعقوب رحمہ اللہ کی والدہ محترمہ وضو کرتے ہوئے شہید ہوئیں۔ فاروقی بھائی بہت شجاعت سے لڑتے رہے۔ آخر کار شہید ہو گئے۔ فاروقی بھائی کی اہلیہ کے دونوں پاؤں تقریباً پنڈلیوں سے کٹ گئے۔ ایک چار سالہ بیٹا (حنظلہ) شہید ہوا۔ اور اسی طرح سب سے چھوٹے بیٹے کا آدھا پاؤں بھی کٹ گیا۔ چھاپے کے بعد امریکی تمام عورتوں کو گرفتار کر کے لے گئے اور تقریباً ایک سال بعد چھوڑا۔ ضرار بھائی کو اللہ نے اس چھاپے میں غیبی طور پر بچایا، وہ جلدی سے بھاگ کر قریبی فصلوں میں چھپ گئے تھے۔ ایک سال بعد ان کی اہلیہ رہا ہوئیں۔ اس کے ایک دو ماہ بعد ضرار بھائی پر فراہ کے صوبے میں چھاپہ پڑا اور وہ شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

خیر بات کہاں سے کہاں نکل گئی میرے پیارے بھائی! تو ریحان بھائی واقعتاً اس امت کے ابطال میں سے تھے۔ اور یہ ان شہداء کے خون کی برکت ہی تھی افغانستان میں ہماری حالت نے یکسر کروٹ بدلی۔ عوام، علماء اور طالبان میں ہماری عزت میں بہت اضافہ ہوا۔ ایسا ہو گیا کہ جس بندے کو پتہ چل جاتا کہ یہ 'موسیٰ قلعہ والے' لوگ ہیں وہ ایسے ہم سے تعامل کرتا کہ جیسے ہم بہت بزرگ مجاہدین ہیں۔ ان شہداء کے ناموں پر پشتو کے شعراء نے کلام کہے۔ ابھی مجھے نہیں مل رہا لیکن میرے پاس ایک ترانہ تھا جس میں خاص ریحان بھائی کا نام (مولوی جواد) حذیفہ یعقوب اور ان کے بھائیوں کے نام کے اشعار شامل تھے۔ پھر عوام کا تو آپ کو پتہ ہی ہے "قلابے" بھی ملتے رہے۔ یہ قصہ بہت مشہور ہو گیا کہ ان کی خواتین بھی جنگ کرتی رہیں۔ موسیٰ قلعہ کے اس واقعے پر ایک پشتو نظم میں یوں کہا گیا:

پیغلو هم دملالې سندرې ویلې
هغه دم شول ژړا موسی قلعه

ترجمہ: دوشیزائیں بھی ملالہ (قندھاری)[4] کے نغمے سناتی رہیں۔ اس پر پورا موسیٰ قلعہ سراپا گریہ ہو گیا۔

لوگوں نے اپنی گاڑیوں کی چابیاں ہمیں کشف سے نکالنے کے لیے از خود بعض مشہور انصار کو دیں۔ جمعے کی دعاؤں میں، مظاہروں میں، فاتحہ خوانیوں میں، مختلف افغان رسومات میں ان شہداء کے لیے خاص دعاؤں کا اہتمام کیا گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ اللہ نے وزیرستان کے شروع کے ایام دوبارہ سے لوٹا دیے ہیں۔ وزیرستان کے ایسے انصار جنہوں نے ہمارے ساتھ ہجرتیں کیں ویسے ہی انصار ہمیں یہاں بھی میسر آئے الحمد للہ ثم جزاھم اللہ خیرا فی الدارین۔

بے خانماں سہی پر ہم نہ تھے بے سہارا
ہوتے نہیں ہیں تنہا اللہ کے سپاہی

آج ریحان بھائی موسیٰ قلعہ کے 'مسلمانی' نامی علاقے کے فدائیوں کے قبرستان میں مولانا عاصم عمر رحمہ اللہ کے پہلو میں مدفون ہیں۔ اہلِ ہلمند نہایت قدر سے ان کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں۔ اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنتیں نصیب فرمائے اور انہیں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا ساتھ نصیب فرمائے۔

چلیں یہ تو مختصر سی ریحان بھائی کی یاد ہوئی۔ ان پر تفصیل سے لکھنا تو ایک پورا کام ہے۔ ان کے والدین سے اگر رابطہ ہوا تو انہیں بھی یہ تفصیلات دینے میں حرج نہیں۔ واللہ اعلم!

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا چھوٹا بھائی

---

[3] حذیفہ یعقوب (وقاص سیف الرحمن) اس کشف سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا لیکن وہ نکل کر محاذ پر ساتھیوں کے پاس گیا۔ عید کے دن ساتھیوں نے جہادی تربیت کے لیے دریائے ہلمند میں تیراکی کے مقابلے کا فیصلہ کیا۔ سیف الرحمن بہت ماہر تیراک تھا۔ تین کلومیٹر انہوں نے پانی میں جانا تھا۔ ابھی دو کلومیٹر گئے تھے کہ بھنور میں پھنس گئے۔ دوسرے ساتھی کو بے ہوش نکال لیا گیا لیکن سیف الرحمن شہید ہو گیا۔ آج "ہلمند" کے بھنور میں کوئی گوہر ڈوبا

[4] ملالہ میوندیؒ: جس افغان خاتون کے بارے میں مشہور ہے کہ انگریزوں کے مقابلے میں میدان میں اتری اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئی۔

مُجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

تالیف: أبو البــراء الإبــي
وجہ نمبر: چھتیس (36)

چھتیسویں وجہ: فارغ رہنا

سلف میں سے ایک عالم کا قول ہے:

”رسوائی، مکمل رسوائی یہ ہے کہ تم تمام تر مصروفیتوں سے فارغ ہو جاؤ پھر اُس کی طرف بھی متوجہ نہ ہو۔ تمام رکاوٹیں ختم ہو جائیں پھر بھی تم اُس کی جانب رخت سفر نہ باندھو۔“

ان کی مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہونا اور رخت سفر باندھنا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ۝ (سورۃ الشرح:۷)

”تو جب فارغ ہوا کرو تو (عبادت میں) محنت کیا کرو۔“

علامہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”یعنی جب تم اپنے کاموں سے فارغ ہو جاؤ اور تمہارے جی میں کوئی ایسی چیز باقی نہ رہے جو اس کے سامنے رکاوٹ بنے، تب تم عبادت اور دعا میں خوب لگ جاؤ۔

وَاِلٰى رَبِّكَ فَارۡغَبۡ۝ (سورۃ الشرح:۸)

وَاِلٰى رَبِّكَ اور فقط اپنے رب کی طرف فَارۡغَبۡ راغب اور متوجہ ہو جاؤ۔ یعنی اپنی دعا کی استجابت اور عبادت کی قبولیت کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

ان لوگوں میں سے نہ ہونا جو جب کاموں سے فارغ ہو جاتے ہیں تو کھیل کود میں لگ جاتے ہیں اور اپنے رب سے اعراض کرتے ہیں اور اس کی یاد سے غافل رہتے ہیں۔ اس طرح تو تم خسارہ پانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔“

پیغمبر مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے عافیت اور وقت کی نعمت سے غافل رہنے سے خبردار کیا ہے جس میں اکثر لوگ مبتلا رہتے ہیں:

نِعْمَتَانِ مِنْ نِعَمِ اللهِ، مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةَ وَالْفَرَاغَ

”اللہ کی دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے میں پڑے ہیں: تندرستی اور فراغت۔“ (بروایت بخاری)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ

”پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو! اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔ اپنی صحت کو مرض سے پہلے۔ اپنی مالداری کو فقر سے پہلے۔ اپنی فراغت کو مشغولیت سے پہلے۔ اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے۔“ (بروایت حاکم اور البانی نے صحیح قرار دیا)

سلف صالحین کو یہ ناپسند تھا کہ کوئی شخص ایسا فارغ رہے کہ نہ وہ کسی دینی کام میں مشغول ہو اور نہ دنیاوی کام میں۔

ابو العتاہیہ کا شعر ہے:

إِنَّ الْفَرَاغَ وَالشَّبَابَ وَالْجِدَهْ
مَفْسَدَةٌ لِلْمَرْءِ أَيَّ مَفْسَدَهْ

”انسان کے لیے جوانی، فراغت اور مال داری کا جمع ہونا انتہائی تباہ کن ہے۔“

حضرت عمرؓ بن الخطاب سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

”میں کسی شخص کو دیکھتا ہوں اور وہ مجھے بھلا معلوم ہوتا ہے۔ پھر جب میں اس کے بارے میں دریافت کرتا ہوں تو بتایا جاتا ہے کہ اس کا کوئی کام کاج نہیں ہے۔ پھر وہ میری آنکھوں سے گر جاتا ہے۔“

انہوں نے یہ بھی فرمایا:

”مجھے ناپسند ہے کہ میں تم میں سے کسی کو بے کار اور فارغ بیٹھا دیکھوں کہ وہ نہ دنیاوی کاموں میں مشغول ہو اور نہ آخرت کے کاموں میں۔“

کسی دانا کا قول ہے:

"جو شخص اپنی عمر کا ایک دن بھی کسی کا حق ادا کرنے، اپنے ذمے فرض ادا کرنے، عزت کی حفاظت کرنے، نیک نامی کمانے، خیر کی بنیاد رکھنے، یا علم حاصل کیے بغیر گزارے تو ایسے شخص نے اس دن کی ناقدری کی اور اپنے اوپر ظلم کیا۔"

فراغت فکر، عقل اور جسمانی طاقتوں کے لیے تباہ کن مرض ہے۔ کیونکہ ہر جان کے لیے حرکت اور کام ناگزیر ہے۔ اگر کوئی انسان کام کاج سے بالکل فارغ رہے تو اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ماند پڑ جاتی ہے، عقل کمزور ہو جاتی ہے، چستی ختم ہو جاتی ہے اور دل پر وسوسے اور برے خیالات چھا جاتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ فراغت کی وجہ سے جس اکتاہٹ اور تنگی کا شکار ہو وہ اس سے نکلنے کے لیے برے اور شر آمیز کاموں کا ارادہ کر بیٹھے۔

اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝ مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ (سورۃ الانبیاء: ۱–۳)

"لوگوں کا حساب (اعمال کا وقت) نزدیک آ پہنچا ہے اور وہ غفلت میں (پڑے اس سے) منہ پھیر رہے ہیں۔ ان کے پاس کوئی نئی نصیحت ان کے پروردگار کی طرف سے نہیں آتی مگر وہ اسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں۔ ان کے دل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔"

استاد سید قطب رحمۃ اللہ علیہ ان آیات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ اُن فارغ انسانوں کی حالت ہے جنہیں سنجیدگی نہیں سوجھتی۔ چنانچہ وہ انتہائی خطرناک حالات میں بھی غافل رہتے ہیں، سنجیدگی کے مقام پر ہنسی مذاق کرتے ہیں اور مقدس لمحات میں لاپرواہی برتتے ہیں۔ ان کے پاس جو (نصیحت) آتی ہے وہ (ان کے پروردگار کی طرف سے) ہوتی ہے۔ لیکن یہ بغیر کسی وقار اور تقدیس کے کھیل تماشے میں اسے لیتے ہیں۔

جو نفسِ انسانی سنجیدگی، اہتمام اور قدسیت سے خالی ہو وہ گھٹیا پن، بے بضاعتی اور زوال کی ایسی حالت تک پہنچ جاتی ہے جس کے بعد وہ نہ بوجھ اٹھانے کے قابل رہتی ہے، نہ فرض کی ادائیگی میں حصہ لے سکتی ہے اور نہ کوئی ذمہ داری نبھا سکتی ہے۔ اس کی زندگی بے کار، بے وقعت اور بے قیمت رہ جاتی ہے! مقدسات سے کھیلنے والی بے پرواہ روح در حقیقت مریض روح ہے۔ لاپرواہی اور ذمہ اٹھانا ایک دوسرے کے بالکل بر عکس ہے۔ ذمہ اٹھانا ایک باشعور اور سنجیدہ طاقت ہے۔ جبکہ لاپرواہی شعور کا فقدان اور لاغر پن ہے۔"

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جان لو کہ تمہارے سانس گنے چنے اور ختم ہو جانے والے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سانس کے بدلے ہمیشہ رہنے والی زندگی کے ہزاروں سال ہیں۔ تو سوچو! تمہارے لیے کتنا ضروری ہے کہ تم ان سانسوں میں سے ہر ایک سانس کو بس اللہ تعالی کے محبوب ترین کاموں میں گزار دو۔ اور اپنے رب سے مدد طلب کرو کہ وہی مدد طلب کرنے کے لائق ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا بہ۔ اس کے بغیر نہ کوئی چارہ ہے اور نہ قوت۔"

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے وقت کی قدر و منزلت جانے۔ پس ایک لمحہ بھی نیکی کیے بغیر نہ گزارے۔ بہترین سے بہترین قول و عمل پیش کرے۔"

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں روایت ہے کہ چلتے ہوئے بھی ان کے ہاتھ میں کسی نہ کسی علم کا کتابچہ ہوتا تھا جسے وہ مطالعہ کرتے رہتے تھے تاکہ وقت سے فائدہ اٹھائیں۔

شاعر کہتا ہے:

إنا لنفرح بالأيام نقطعها
وكل يوم مضى نقص من الأجل

"ہم خوش ہوتے ہیں کہ دنوں کو کاٹے جا رہے ہیں۔ حالانکہ ہر گزرے دن سے اجل میں کمی واقع ہوتی ہے۔"

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ادب الدنیا والدین میں فرماتے ہیں:

"اللہ آپ کو توفیق عطا کر کے آپ کا بھلا کرے، آپ پر لازم ہے کہ آپ جسم کی تندرستی اور وقت کی فراغت کو اپنے رب کی اطاعت میں گزاریں۔ اور سابقہ اعمال پر بھروسہ کیے نہ بیٹھ جائیں۔ تندرستی سے فائدہ محنت کی صورت میں حاصل کریں۔ اور فراغت کی فرصت کو کام میں لائیں۔ کیونکہ خوشحالی ہر وقت میسر نہیں ہوتی۔ اور جو وقت گزر جائے وہ دوبارہ نہیں آتا۔ فراغت یا کجروی پر منتج ہو گی، یا پشیمانی پر۔ اور بے جا خلوت سے انسان یا پھسلے گا یا افسوس سے ہاتھ ملتا رہے گا۔"

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۴۶ پر)

سورۃ الانفال

خواطر، نصائح اور تفسیر

شہید عالم ربّانی استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام علىٰ سيد الانبياء والمرسلين محمد و علىٰ آله و صحبه و ذريته اجمعين اما بعد

فقد قال الله سبحانه وتعالىٰ فى كتابه المجيد بعد أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمان الرحيم

﴿إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ○ إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ○ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ○﴾ (سورۃ الانفال: ۴۲ تا ۴۴)

صدق الله مولانا العظيم

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي، وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي، وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي، يَفْقَهُوا قَوْلِي

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا جب تم میدان کے یا وادی کے قریبی کنارے میں تھے یا نزدیکی کنارے میں تھے، ہم نے پہلے ذکر کیا کہ غزوۂ بدر کے پس منظر میں بات ہو رہی ہے، اور اس سے قبل جو آیات پڑھیں ان کا اختتام یہاں پر ہوا کہ يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وہ دن جو یوم فرقان تھا، جب اللہ تعالیٰ نے حق و باطل میں فرق کیا، جب دونوں لشکر آپس میں ٹکرائے، تو اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اس لشکر کے ٹکرانے کا جو منظر ہے، میدان کا جو منظر ہے اس کو بیان فرمارہے ہیں کہ یاد کرو اس وقت کو جب تم میدان کے نزدیکی کنارے پر تھے، مدینہ کے قریب جو کنارہ تھا بدر کا اس پہ مسلمانوں کا لشکر تھا، وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ اور وہ اس کے دور والے کنارے پر تھے، یعنی اس کے مقابل جو کنارہ تھا اس پر مشرکینِ مکہ تھے، وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ اور حضرت ابو سفیانؓ کا قافلہ، جو مکہ سے آیا تھا، ابو سفیان اس وقت مسلمان نہیں تھے، وہ قافلہ تم سے نیچے ساحل کی جانب رہ گیا تھا، تو یہ اللہ تعالیٰ کا سجایا ہوا میدان ہے اور اس میدانِ جہاد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ موجود ہیں۔ یہ وہ تصاویر ہیں کہ جنہیں کافر برداشت نہیں کرتا کہ ہمارے بچوں کو دکھائی جائیں، یہ وہ مناظر ہیں جنہیں وہ چھپانا چاہتے ہیں، جنہیں وہ ہمارے نصابوں سے نکالنا چاہتے ہیں کہ اللہ کے نبی اور صحابہ جو منبر پر نظر آتے ہیں یا مسجد میں نظر آتے ہیں، یا دعوت کے سفر پہ طائف جاتے اور پتھر کھاتے نظر آتے ہیں، وہیں وہ کفر کو جواب دیتے اور اس سے ٹکراتے بھی نظر آتے ہیں، اور وہ منظر اللہ کو اتنا محبوب ہے کہ اللہ اس پورے منظر کا، اس میدان کا نقشہ اپنی کتاب میں کھینچ دیتے ہیں اور قیامت تک وہ نقشہ یونہی پڑھا جائے گا، بیان کیا جائے گا۔ تو ایک طرف مسلمانوں کا لشکر، ایک طرف کافروں کا لشکر اور وہ قافلہ جس کے پیچھے اصلاً نکلے تھے وہ سائیڈ پہ رہ گیا، تم سے نیچے رہ گیا ساحل کی جانب۔ تو یہ اللہ کا ترتیب دیا ہوا میدان تھا، یہ نقشہ کسی نے نہیں طے کیا تھا کہ اس طرح ہونا ہے۔ مسلمان کسی اور نیت سے نکلے، کافر کسی اور نیت سے نکلے، اللہ نے وہاں پہ اکٹھا فرما دیا۔

اللہ فرماتے ہیں: وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ کہ اگر تم آپس میں وعدہ کر کے، یعنی میعاد طے کر کے آتے، یہ تو اتفاق ہو گیا سب کچھ، لیکن اگر تم آپس میں طے کر کے آتے تو لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ضرور تمہارے درمیان وقت کچھ آگے پیچھے ہو جاتا۔ یعنی یہ اللہ نے ایسی زبردست ترتیب بنائی کہ اگر تم طے کر کے بھی اس طرح میدان سجانا چاہتے تو نہ سج پاتا، لیکن اللہ نے ٹائم ایسا برابر کیا کہ تم بھی پہنچ گئے، وہ بھی پہنچ گئے اور ایسا آمنا سامنا ہو گیا کہ واپسی کی کوئی صورت باقی نہیں بچی۔ اور مفسرین نے ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے کہ اگر تم وقت یا میعاد طے کر کے آتے تو دونوں اختلاف کرتے میعاد میں، یعنی دونوں بچنے کی کوشش کرتے، دونوں کی خواہش یہ ہوتی کہ یہ جنگ نہ ہو، دونوں میں سے کوئی ایک مؤخر کر دیتا، کوئی ایک مقدم کر دیتا اس کو اور دونوں کسی بہانے سے بچ جاتے لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا۔ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لیکن یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ اللہ نے جس چیز کا فیصلہ کر لیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کر کے رہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا طے کیا ہوا میدان تھا، اللہ نے اس کو یہ شکل دی، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حالات اور اسباب مہیا کیے، کیوں؟ اللہ کو مقصود تھا کہ دونوں آپس میں ٹکرائیں، تاکہ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ کہ جو ہلاک ہو یا جو ہلاکت کا رستہ اختیار کرے وہ بھی واضح دلائل کی روشنی میں اختیار کرے اور جو زندگی کا رستہ یعنی ایمان کا رستہ اختیار کرے وہ بھی واضح دلائل کی روشنی میں اختیار کرے۔ یعنی ایک ایسی جنگ ہو جائے کہ جس سے حق اور باطل واضح ہو جائے۔ جس سے، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا کہ کم عدد والے زیادہ عدد والوں پر غالب آجائیں، کم قوت والے زیادہ قوت والوں پر غالب آجائیں اور یہ بات واضح ہو جائے کہ جس چیز کی وجہ سے غلبہ ملا وہ عقیدے کی پاکیزگی ہے اور اس کی قوت ہے اور اللہ کی نصرت اور تائید ہے کہ جس کی وجہ سے مسلمانوں کا لشکر کافروں کے لشکر پر غالب آیا، وہ اتنی کھلی اللہ کی نصرت تھی کہ کافر خود اس کی گواہی دیتے تھے، آسمان سے، بادلوں پر سے گھوڑوں کی اور کوڑے چلنے کی آوازیں آتی تھیں اور خود ان کے اوپر چیزیں برستی تھیں، تو مفر تھا نہیں اس سے، منہ پھیر نہیں سکتے تھے اس سے۔

دعوت کے اظہار کا بہترین ذریعہ: جہاد

پس اللہ نے اس جنگ کے ذریعے حق کو واضح کر دیا اور یہ جہاد کی خاصیت ہے اور یہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا کہ جہاد سے جو دعوت واضح ہوتی ہے، جہاد سے دین کا پیغام جس طرح واضح ہوتا ہے، اس طرح کسی اور ذریعے سے نہیں ہو پاتا۔ بعض اوقات انسان کو ظاہر اُسبب نہیں سمجھ میں آرہا ہوتا، ہو سکتا ہے کہ بدر پہ جانے سے چند لمحے پہلے تک بھی اگر کوئی مادی اعتبار سے کیلکولیٹ کر رہا ہوتا تو اسے یہی لگتا کہ یہ تو بڑا خسارے کا سودا ہے اور پتہ نہیں اس کا کیا نتیجہ ہوگا، اور خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے جو دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! اگر تو نے اس گروہ کو ہلاک کر دیا تو اس کے بعد تیری زمین میں تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہیں بچے گا، تو قلوب کی یہ کیفیت تھی لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا، اللہ نے وہ ٹکر کروائی اور اس سے حق کو واضح کیا اور باطل کو واضح کیا تاکہ جس نے جو رستہ اختیار کرنا ہے وہ دلیل کی روشنی میں بڑی بصیرت کے ساتھ اختیار کرے، جس نے ہلاک ہونا ہے وہ بھی پوری بصیرت کے ساتھ ہلاک ہو اور جس نے زندگی کا، ایمان کا رستہ لینا ہے وہ بھی پوری بصیرت کے ساتھ وہ رستہ اختیار کرے وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والے اور علم رکھنے والے ہیں، نیتوں اور دلوں کے حال تک سے واقف ہیں۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ جب اللہ تعالیٰ آپ کو، یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ دکھا رہے تھے کافروں کا گروہ فِي مَنَامِكَ آپ کی نیند میں قَلِيلًا تھوڑا کر کے، تو اللہ تعالیٰ کی جو نصرتیں اتریں ان میں سے ایک نصرت یہ بھی تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کافر تھوڑے کر کے دکھائے گئے، یعنی جو لشکر ان کا تھا وہ اصل تعداد سے تھوڑا کر کے دکھایا گیا۔ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ اور اگر تمہیں وہ زیادہ کر کے دکھاتے تو تم کمزور پڑ جاتے، تمہاری ہمت اکھڑ جاتی وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ اور تمہارے درمیان اس معاملے میں تنازع ہو جاتا۔ یعنی ان کی تعداد زیادہ تھی اور تمہیں ان کی اصل تعداد معلوم ہو جاتی اور اللہ تعالیٰ تمہیں وہی تعداد دکھلاتے تو تمہارے مابین آپس میں اختلاف ہو جاتا کہ ان سے لڑنا چاہیے یا نہیں یا ان کا مقابلہ کرنا چاہیے یا نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ تعداد تھوڑی کر کے دکھلائی۔

کیا لازم ہے کہ سچا خواب عین مطابقِ واقع بھی ہو؟

تو اس سے ضمنی ایک بات یہ نکلتی ہے پیارے بھائیو کہ نبیوں کے خواب سچے ہوتے ہیں اور نبی کا خواب وحی ہوتی ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب بھی سچا تھا، لیکن خواب کے سچے ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ عین مطابقِ واقع بھی ہو، عملاً کیا تعداد وہی تھی جو خواب میں دکھائی گئی؟ نہیں! تعداد اس سے زیادہ تھی لیکن خواب سچا تھا، خواب سچا اس لیے تھا کہ اس کا مقصود ہی یہ تھا کہ دلوں کو مضبوط کیا جائے، اس کا مقصود بشارت دینا اور حوصلوں کو بڑھانا تھا، تو سچے خواب کی نشانی یہی نہیں ہے کہ اس میں جو کہا گیا ہے، عملاً وہی ہو، وہ بعض اوقات صرف ہمت بڑھانے کے لیے ہوتا ہے، حوصلہ دینے کے لیے ہوتا ہے۔

اس آیت پہ سے گزرنے سے پہلے اکثر ذہن میں یہ سوال آتا تھا کہ لال مسجد کا جب واقعہ ہوا تو خوابوں کا ایک تانتا بندھ گیا تھا اس وقت۔ وہاں جو طلبہ محصور تھے، علما تھے، جو بچیاں تھیں، جو بہنیں تھیں ان سب کو خواب آتے رہے اور اس سے پہلے بھی خواب آتے رہے جس کی وجہ سے ان کو ثابت قدمی ملی، یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت کثرت سے خوابوں میں زیارت ہونا اور ان کی تائید کرنا اور ان کو ایسی بشارتیں دینا گویا انہوں نے ہی فتح یاب ہونا ہے، تو بعد میں بہت سے لوگوں نے یہ باتیں بنائیں کہ یہ کیا ہوا؟ اور اس طرح کے طنزیہ جملے کسے کہ خوابوں پہ چل پڑے تھے اور اس کا انجام دیکھا کہ کیا ہوا! تو یہ بات کہ خواب ان کے ان شاء اللہ سچے تھے البتہ اللہ کی کوئی اور حکمت تھی، اللہ نے اس سے جہاد کا یہ پورا دروازہ کھلوانا تھا، اللہ تعالیٰ کو اس سے حق و باطل کو واضح کرنا تھا، نظام کا ظلم کھول کے سامنے لانا تھا، اللہ نے ان کو ثابت قدم رکھنے کے لیے ان کی سکینت کا سامان کیا، اور عملاً وہ سب شہید بھی ہو گئے اور باقی گرفتار بھی ہو گئے تو بھی جو مقصود تھا خواب کا وہ حاصل ہو گیا۔

اور اگر فتح کی بات کریں تو فتح عاجلاً ہونا ضروری تو نہیں ہوتی کہ فوراً ہی فتح میسر آجائے، وہ حالات دیکھیں کہ ایک مسجد کے اندر گھرے ہوئے چند لوگ جو فوج کے خلاف ہتھیار اٹھائے ہوئے ہیں، اور پھر یہ حال کہ یہاں سے سوات تک پوری پٹی مجاہدین سے بھری ہوئی اور اب بھی الحمدللہ ہر جگہ ہی مجاہدین موجود ہیں جو اس نظام کے خلاف قتال کر رہے ہیں اور جو اسی شریعت یا شہادت کے نعرے کو لے کے آگے بڑھ رہے ہیں۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے کام ہوتے ہیں کہ بعض اوقات، جیسا کہ ہم نے کہا کہ خواب مطابقِ واقع نہیں ہوتا لیکن وہ سچا ہوتا ہے اور اس سے مقصود بشارت دینا اور دلوں کو سکینت بخشنا ہوتا ہے۔

کیا خواب فی ذاتہ حجت ہو سکتا ہے؟

ایک تو ہوئی یہ بات، لیکن یہیں پہ ایک ضمنی بات یہ بھی پیارے بھائیو کہ نبی کا خواب تو ہوتا ہے وحی اور بعد از انبیاء کسی کا خواب بھی حجت نہیں ہے، وہ وحی کا مقام نہیں رکھتا ہے لہٰذا ایسے سب کے سب خواب شریعت کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور جو موافقِ شریعت ہوگا اسے قبول کیا جائے گا اور جو مخالفِ شریعت ہوگا تو چاہے کوئی یہ دعویٰ کرے کہ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ بات کہی، چاہے کوئی یہ دعویٰ کرے کہ مجھے صحابہ میں سے کسی نے یہ بات کہی خواب میں، چاہے کوئی یہ بات کہے کہ مجھے اللہ کی طرف سے ندا آئی خواب میں، کوئی بھی ایسی بات کرے مگر وہ شریعت سے ٹکراتی ہو تو اس کو رد کیا جائے گا۔ جس طرح ہمارا ظاہر شریعت کا پابند ہے اور ہمارے لیے ایک ہی پیمانہ ہے جس سے ہم ہر چیز کو جانچتے ہیں اور وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اسی طرح ہماری قلبی کیفیات اور ہمارے شعور اور لاشعور پر گزرنے والی جتنی چیزیں بھی ہیں وہ سب بھی اسی شریعت کے سامنے پیش کی جائیں گی اور کوئی چیز بھی اس کے احکامات سے دائیں بائیں ہوگی تو اس کو رد کیا جائے گا۔

کیا صالح افراد کے خوابوں کو من و عن قبول کیا جانا چاہیے؟

ایک بات یہ کہ ہر خواب شریعت پر پیش کیا جائے اور اس کی جو بھی چیز شریعت سے ٹکراتی ہو اس کو ایک طرف رکھ دیا جائے چاہے وہ خواب دیکھنے والا کتنا ہی صالح کیوں نہ ہو۔ بغیر شرعی حدود کا پاس رکھے، محض خوابوں کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چل کر امت نے بڑے بڑے نقصانات اٹھائے ہیں۔ خواب ابھی بھی رحمت ہیں اور اس امت کے لیے تقویت کا باعث ہوتے ہیں، لیکن تب جب شرعی حدود کا پاس کیا جائے۔ جب جب شرعی حدود کا پاس نہیں کیا گیا تو امت نے بہت نقصان اٹھایا۔ مثلاً یہ پورا واقعہ جُہیمان اور ان کے ساتھیوں کا کہ جس کے بعد پاکستانی فوج نے جا کر خانہ کعبہ پر گولیاں چلائیں، حالانکہ وہ ایک صالح شخص تھے اور ان کے ساتھ چلنے والے لوگ بھی صالح تھے، لیکن ایک ہی وقت میں مکہ اور مدینہ کے کئی لوگوں کو یہ خواب آتا ہے کہ یہ شخص مہدی ہیں، تو بغیر یہ دیکھے کہ یہ بات کتنی موافقِ شریعت ہے، مہدی کی جو نشانیاں صحیح احادیث کے اندر بتلائی گئیں وہ ان میں کتنی موجود ہیں، اس کو دیکھے بغیر لوگ ان کے پیچھے چل پڑے اور اس کے بعد نقصان اٹھانا پڑا۔ وہ ایک غلط موقف تھا جو ان لوگوں نے اختیار کیا۔ یہ ایک مرتبہ نہیں ہوا۔ امت میں بار بار ایسے واقعات پیش آتے رہے ہیں کہ جب خوابوں کو شریعت کے تابع نہیں رکھا گیا تو نقصان اٹھانا پڑا۔ اور دنیا میں نقصان ہو نہ ہو، شرعاً ایک چیز درست نہیں ہے تو اس سے اجتناب لازم ہے۔

خواب کی بنیاد پر فیصلے کرنا

دوسرا پہلو اسی بات کا یہ کہ خواب ہمارے فیصلوں کی بنیاد نہیں ہو سکتا۔ مثلاً خواب میں کسی کے خلاف کوئی چیز دکھلائی گئی تو آپ اس کو حتمی دلیل بنا کر اس کے اوپر فیصلہ نہیں کھڑا کر سکتے۔ مثال کے طور پر خواب میں دیکھا کسی نے کہ مجموعے کے اندر فلاں ساتھی جاسوس ہے اور جا کر امیر صاحب کو خواب بتایا اور انہوں نے بندے کو پھڑکا دیا کہ خواب میں آیا ہے، تو یہ قتل ہی شمار ہو گا کہ یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ جس کے اوپر قدم اٹھایا جائے گا۔ حتیٰ کہ علماء نے اتنی سختی کی ہے کہ کہا ہے کہ محض خواب کی بنیاد پر دل میں اس کے لیے برا گمان قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ ہم کون سے اتنے پاکیزہ نفوس والے ہیں کہ ہمارے خواب سارے کے سارے نبوت کے اس چھوٹے سے حصے کے دائرے کے اندر آتے ہیں؟ ایسی بات نہیں ہے بھئی۔ عملاً ایسے واقعات ہو بھی چکے ہیں۔ یعنی ہمارے اپنے ساتھ یہ چیز پیش آچکی ہے۔ میں خود اس چیز کا گواہ ہوں کہ ایک بھائی کے بارے میں کسی نیک ساتھی کو، ایک مجاہد ساتھی کو خواب آیا کہ یہ جتنی بمباریاں ہوئی ہیں ان کے پیچھے اس کا ہاتھ ہے اور وہ بھائی کہ جس کے بارے میں خواب آیا وہ آج فدائی کر کے، شہید ہو کے اللہ کے پاس پہنچ چکا ہے، لیکن ایک پورا عرصہ جب تک کہ وہ زندہ تھا تب تک اس ایک خواب نے کتنے لوگوں کے ذہن خراب کیے، کتنے لوگوں کے دلوں کو اس سے پھاڑا، کتنوں کو اس سے بدگمان کیا، کتنوں کا اس پر تجسس ابھارا، صرف اس وجہ سے کہ جی ایک نیک آدمی نے خواب دیکھا ہے۔ تو خواب کے اوپر کوئی فیصلہ نہیں ہو گا۔ جاسوس کو جانچنے کا شریعت نے پیمانہ دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یا وہ خود اقرار کرے تو وہ جاسوس ہوتا ہے، یا اس پر دو گواہ پیش ہوں تو وہ جاسوس ٹھہرتا ہے، یا ہمارے حالات میں بعض ایسے قرائن جو واضح کریں کہ وہ جاسوس ہے تو اس سے اس کا جاسوس ہونا ثابت ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے آپ اسے جاسوس قرار دیں۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہو کہ کسی ذمہ دار شخص کو وہ خواب بتادیا گیا اور وہ جائز شرعی طریقوں کی حدود میں رہتے ہوئے معاملے کی تحقیق کر لے، یہاں تک بات سمجھ میں آتی ہے، لیکن اس بات کو نشر کیا جائے، لوگوں کو اس خواب کی وجہ سے خبردار کر دیا جائے، یا اس کی بنا پر اس کے بارے میں ایک رائے قائم کر لی جائے، اس کی بنیاد پر اسے ذمہ داریوں سے ہٹانا شروع کر دیا جائے، تو یہ کام نہیں ہو سکتا۔ منفی چیزوں میں بھی اسی طرح ہے اور مثبت چیزوں میں بھی اسی طرح ہے کہ خواب کی بنیاد پر کسی کارروائی کا فیصلہ، خواب کی بنیاد پہ کسی سے لڑنے یا نہ لڑنے کا فیصلہ، آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کا فیصلہ، خواب کا بس اتنا کردار ہو کہ ہم ایک فیصلہ کر چکے ہوں مگر دل میں اس فیصلے پر کوئی خلجان باقی ہو تو خواب نے آپ کو اس فیصلے پر اطمینان بخش دیا اور آپ پورے شرح صدر کے ساتھ اگلے دن میدان میں اترے، جب کہ آپ فیصلہ کر چکے تھے کارروائی کرنے کا، یہ ایک بات ہے لیکن فیصلے کی بنیاد یہ نہیں ہو گی۔ فیصلہ دین کی مصلحت اور مفسدے کو سامنے رکھ کر ہو گا کہ اس کارروائی کے اندر دین کا کوئی فائدہ ہے یا نہیں اور یہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز ہے، اس بنیاد پر فیصلہ ہوتا ہے۔ تو ہمارے لیے پیمانہ ایک ہے۔ خوابوں کو ان چیزوں کا پیمانہ بنائیں گے تو ایسے ایسے بڑے بڑے کوارث اور ہلاکتوں میں پڑیں گے کہ جن کا تدارک پھر بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

پس دونوں چیزوں میں توازن رہے۔ نہ ان میں سے ہوں کہ جو خوابوں کو رد کرنے والے ہوں کہ خواب اللہ کی اپنے مجاہد بندوں پر تو خصوصی رحمت ہے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ جہاد میں آنے سے پہلے کہ کہیں بھی لوگوں کو اتنی کثرت سے اچھے خواب آتے ہوں جتنے جہاد کے میدان میں آتے ہیں۔ یہاں تو ہر دوسرے دن ہی کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو رہی ہے خواب میں تو کسی کو انبیا علیہم السلام کی تو کسی کو صحابہ کرام کی، مختلف طرز کے خواب جن کا تذکرہ عام زندگی کے اندر محال ہے کہ ہم نے کبھی سنا ہو کہ اتنے تواتر کے ساتھ ایسے خواب آتے ہوں۔ جتنی آزمائش بڑھتی ہے اتنا ہی خوابوں میں اضافہ ہونا شروع ہو جاتا ہے، بہت واضح نظر آتی ہے یہ بات۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے دلوں کو سکینت بخشتے ہیں، دلوں کو اطمینان دیتے ہیں لیکن اطمینان و سکینت ایک بات ہے، مثلاً ایک بھائی جیل میں ہو، پھنسا ہوا ہو وہاں پہ، بھرپور سختی کا عالم ہو، کوئی اس کو پوچھنے والا نہ ہو، اس حال میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے خواب میں آنا اور چند بول صبر کے اس سے کہہ دینا کہ صبر کرو تم حق پر ہو تو یہ تو سراسر رحمت ہے، اس سے کیسے کوئی انکار کر سکتا ہے؟ تو نہ اس کا مذاق اڑانا چاہیے اور نہ اس کا انکار ہونا چاہیے۔ یہ ایک انتہا ہوتی ہے کہ انسان اس کے انکار کی طرف چلا جائے، یہ تو رحمت ہے اللہ تعالیٰ جس کو بھی عطا کریں۔ اور دوسری انتہا پھر یہ ہے کہ اس کو بنیاد بنا کے پھر اس پہ فیصلے مرتب ہونا شروع ہو جائیں اور ذمہ داران کی آرا پہ

اس کے اثرات پڑنے شروع ہو جائیں کہ چونکہ فلاں کو خواب میں آیا تھا اس لیے یہ فلاں کام کرنا ہے تو شرعاً اس طرح فیصلہ نہیں کیا جاتا ہے اور خوابوں کی بنیاد پر کیے جانے والے غلط فیصلوں سے تاریخ بھری ہوئی ہے۔ مہدویت کے جتنے دعوی دار گزرے ہیں ان کی غالب اکثریت خوابوں کی بنیاد پر اٹھی ہے، وہ خود بھی اور ان کے پیچھے جتنے لوگ چلے ہیں وہ بھی، تو اس سے ہوشیار رہا جائے۔ کسی کو خواب آیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خواب میں کہا کہ فلاں عالم کی کتابیں پڑھ لیں، تو اس کو دیکھا جائے گا کہ یہ خواب حجت نہیں ہے اور پھر اس کو اس معنی میں لینا کہ یہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت ہے، تو بھئی یہ خواب ہے، اس کو اس طرح بیان کرنا کہ یہ میرے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت ہے گویا وہ کوئی حدیث ذکر کر رہا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ کتاب پڑھ لیں تو یہ بات اس طرح نہیں ہے، حدیثیں اس طرح نہیں ثابت ہوتیں، اللہ کے نبی کے احکامات اس طرح نہیں ثابت ہوتے، اس کے لیے ایک پورا اسماء الرجال کا فن ہے، علم حدیث ہے، وہاں سے احکامات ثابت ہوتے ہیں۔ اگر ایسا معاملہ ہو کہ ایک عالم ہوں جو صالح بھی ہوں، علما کے ہاں مزکیٰ ہوں، وہ سب ان کی کتابیں پڑھنے کی نصیحت کرتے ہوں اور پھر مخصوص حالات میں ایک خواب آتا ہے اور مزید اس کی تاکید کر دیتا ہے تو آپ اس کو برکت کے طور پر ساتھ ذکر کر دیتے ہیں مزید اسی چیز پہ تحریض دینے کے لیے تو اس دائرے میں تو یہ بات جائز ہے۔ لیکن اگر کسی ایسی شخصیت کے بارے میں خواب آجائے کہ جس کی کتابوں پہ ملاحظات ہیں، شرعی اعتراضات ہیں تو وہاں یہ بات شریعت کے سامنے پیش ہو گی اور وہاں پہ بات کو یوں نہیں نقل کرنا چاہیے کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت ہے، تو بھئی یوں نہیں ثابت ہوتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین۔ پس خوابوں کے معاملے میں درمیان کا رستہ اختیار کیا جانا چاہیے کہ نہ ان کا انکار ہو اور نہ وہ ہمارے فیصلوں کی بنیاد بنیں۔

نصرت الٰہی نیتوں کے اخلاص کے مطابق اترتی ہے

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے خواب میں آپ کو کافر تھوڑے کر کے دکھائے اور اگر وہ آپ کو زیادہ کر کے دکھاتے تو تم لوگ کمزور پڑ جاتے اور تمہارے درمیان اختلاف ہو جاتا وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے بچا لیا۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حال سے، ان کے ضعف اور کمزوری سے واقف ہیں، لہٰذا اللہ نے ان کو بچایا کمزور پڑنے سے، اختلاف کرنے سے اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی تعداد کم کر کے دکھائی، إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ بلاشبہ وہ دلوں کا حال جانتا ہے، جو کچھ سینوں کے اندر ہے اس کا علم رکھتا ہے۔

تو پیارے بھائیو! یہاں پہ مفسرین نے یہ بات لکھی کہ جو اللہ نے بچایا اور جو اللہ تعالیٰ نے خواب میں تھوڑا کر کے دکھلایا اور اختلاف کی طرف جانے یا کمزور پڑنے سے مدد فرمائی اور اس سے بچا لیا، یہ کیوں تھا؟ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ کیونکہ وہ تمہارے سینوں کا حال جانتا ہے۔ اس نے تمہارے سینوں میں کچھ صدق دیکھا، تمہارے دلوں کے اندر کچھ ایسی سچائی پائی، کچھ ایسی خوبی پائی کہ جس کی وجہ سے اللہ نے تمہاری یہ نصرت فرمائی۔ تو نصرت دلوں کے حال کے مطابق اترتی ہے۔ جن دلوں میں صدق ہوتا ہے اللہ ان کی مدد فرماتے ہیں اور جن دلوں کے اندر نفاق ہوتا ہے، جن دلوں کے اندر امراض ہوتے ہیں، ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مطلع ہیں، اس کی نصرت بھی ان سے اٹھ جاتی ہے۔ پس اپنے دلوں کی حفاظت اس لیے ضروری ہے کہ ظاہر میں ہم جتنے بھی عمدہ نظر آتے ہوں، لیکن اللہ کے ساتھ معاملہ دل کا ہے، إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ، اللہ کے ہاں کیا چیز نفع دے گی؟ صرف وہ کہ جو سلیم دل لے کر آئے گا، جو ہر شرک سے، ہر نفاق سے، ہر شر کی محبت سے، ہر گناہ پر اصرار سے، ہر قسم کے مرض سے پاک دل ہو گا، وہ دل وہاں پہ نفع دے گا۔ تو وہ دل وہاں بھی نفع دیتا ہے اور وہ دل یہاں بھی نفع دیتا ہے۔ اللہ کی نصرتیں دلوں کے مطابق اترتی ہیں۔ پس دلوں کی صفائی کا اہتمام کرنا، اپنے دلوں کو کینے سے پاک رکھنا، دوسرے بھائیوں کے لیے محبت کا جذبہ اس میں ہو، اپنے دلوں کو برائی کی پسندیدگی سے، گناہوں کی پسندیدگی سے پاک رکھنا اور اللہ سے دعا کرنا کہ اللہ ہمارے دلوں کو ایمان کے ساتھ مزین کر دے اور خیر کی محبت، نیکیوں کی محبت اس کے اندر ڈال دے، اپنے دلوں کو شرک و بدعت کے ہر ادنیٰ ذرے سے پاک رکھنا، اس کے اندر اللہ کی توحید کو، اللہ پر توکل، اللہ کی خشیت، اللہ کی محبت، ان چیزوں کو جگہ دینا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، صحابہ کی محبت، صالحین کی محبت، قلوب میں ان پاکیزہ چیزوں کو جگہ دینا، اس کے اوپر پھر اللہ تعالیٰ کی نصرتیں اترتی ہیں۔ کئی علماء کے نزدیک دل کے اعمال جسم کے اعمال سے زیادہ افضل ہیں اور دل کے اعمال کے لیے، اپنے دل کو صاف کرنے اور دل کے اچھے اعمال کا اہتمام کرنے کے لیے جو جہد کرنا پڑتی ہے وہ جسم کی نسبت بہت زیادہ مشقت طلب کرتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے حال سے واقف تھے، ان کے سینوں کا حال دیکھتے ہوئے اللہ نے ان کو بچا لیا۔

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ اور جب اللہ نے آپ کی نگاہوں میں ان کو تھوڑا کر کے دکھایا اور ان کی نگاہوں میں آپ کو تھوڑا کر کے دکھایا، یعنی دو طرفہ معاملہ ہوا، مسلمانوں کو خواب میں یوں دکھایا گیا کہ کافر تھوڑے ہیں اور کافروں کو یوں دکھایا گیا کہ مسلمان تھوڑے ہیں تو گویا دونوں کو ابھار دیا گیا، یعنی یہ جو ہم نے کہا کہ پورا میدان ہی اللہ کا سجایا ہوا تھا۔ عملی حالات بھی اور قلبی حالات بھی اللہ نے ایسے بنا دیے کہ دونوں پورے عزم کے ساتھ میدان کے اندر اتر آئے۔ سامنے آئے تو حقیقت کچھ اور کھلی، لیکن وہاں اللہ تعالیٰ نے پھر لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا جو اللہ نے فیصلہ کیا تھا، جو اللہ نے منصوبہ بنایا تھا، اللہ نے اس کو پورا کرنا تھا، اس کی خاطر اللہ نے یہ سب کیا، وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ اور معاملات سارے کے سارے لوٹ کر اللہ ہی کی طرف جاتے ہیں۔

پس پیارے بھائیو! ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہیں بری لگے لیکن اللہ نے اس میں تمہارے بھلائی رکھی ہو اور کوئی چیز تمہیں اچھی لگے اور اللہ نے اس میں تمہارے لیے برائی رکھی ہو۔ سورۂ کہف میں مذکور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر کا پورا واقعہ یہی بتاتا ہے کہ انسان بعض اوقات ظاہر پہ نگاہ رکھتا ہے اور ظاہری چیزوں کو دیکھتے ہوئے جلد بازی میں

فیصلہ کرلیتا ہے اس کا کہ شر کس چیز میں ہے اور جس کو وہ ظاہر میں شر سمجھ رہا ہوتا ہے اس کا مآل یا اس کا انجام خیر کا ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بظاہر ایک شر میں مبتلا کرتے ہیں لیکن کچھ عرصے میں اسے پتہ چلتا ہے کہ یہ خیر تھی میرے لیے۔ بظاہر اس کو یہ محسوس ہو رہا ہوتا ہے کہ فلاں چیز میرے لیے خیر ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس خیر کو اس سے پھیرتے ہیں اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ خیر مجھ سے پھری حالانکہ حقیقت جب کھلتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے اس کو ایک برائی سے بچالیا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے منصوبے ہیں اور قضا و قدر کے عقیدے کی یہی خوبی ہے کہ وہ انسان کو یہ ایمان دیتی ہے کہ وہ ذات جو ہر چیز کا علم رکھتی ہے، اس کا فیصلہ اٹل ہے، ہمارا فیصلہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اس کی قضا اور اس کی قدر نافذ ہو کر رہتی ہے اور انسان اس کی قضا و قدر پر راضی رہے کیونکہ بعض اوقات ہمیں ایک چیز شر لگ رہی ہے لیکن اللہ جانتا ہے کہ اللہ نے اس میں کیا خیر رکھی ہے اور ایک چیز ہمیں خیر لگ رہی ہے اور ہم تڑپ رہے ہیں کہ کسی طرح ہمیں یہ حاصل ہو جائے لیکن اللہ جانتا ہے کہ کتنا بڑا شر اس کے بعد منتظر تھا جس سے اللہ نے ہمیں بچالیا۔ تو یہ عقیدہ جس کا ہو وہ ہر حال میں راضی رہتا ہے، جہاں بھی اللہ اس کو جس بھی کیفیت میں رکھتے ہیں، وقتی طور پہ اس کو شر بھی محسوس ہو تو وہ اس میں خوش رہتا ہے۔

ایک نکتہ اور جو اس پوری بات سے نکلتا ہے پیارے بھائیو! بہت سی آیات آپ کو جہاد کے میدان میں آکر ہی سمجھ میں آتی ہیں۔ یہ دین ایک متحرک دین ہے پیارے بھائیو! اور یہ جامد و ساکت و بے جان دین نہیں ہے۔ یہ زندہ معاشروں کے لیے اپنے آپ کو کھپانے اور گھلانے والے، نہر کی طرح بہتے ہوئے، چلتے ہوئے معاشروں کے لیے اترا ہے تو جب تک معاشرہ حرکت نہیں کرتا تو محض آرام کمروں میں بیٹھ کر اس کی بہت سی آیتیں اپنے حقیقی مفاہیم کبھی کھول بھی نہیں سکتیں آپ کے سامنے۔ بہت سے بڑے بڑے ائمہ جن کی کتب پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ فتح من اللہ، اللہ نے ان پہ کھول دیے یہ معانی، تو معانی کھلنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے آپ کو گھلایا تھا، دعوت میں گھلایا تھا، حکام کے سامنے حق بات کہنے میں گھلایا تھا، کفار سے جنگ کرنے میں گھلایا تھا، تو جب وہ انبیاء کے رستے سے گزرتے ہیں، تو گزرنے کے ساتھ ساتھ آیتیں معانی کھولنا شروع کر دیتی ہیں، کیونکہ وہ خود اس رستے پہ قدم بہ قدم چل رہے ہوتے ہیں۔ تو جہاد کے حوالے سے بھی ایک بات یہ ہے کہ بعض اوقات شہر کا ذہن تازہ تازہ میدان میں پہنچتا ہے، بہت سی چیزیں غیر مرتب اور غیر منظم اور بلا منصوبہ، الل ٹپ سی محسوس ہو رہی ہوتی ہیں. شرعاً تو ہم پہ لازم ہے کہ جو بھی میدان جہاد میں آئے وہ اپنے کام کو منظم کرنے کی کوشش کرے، وہ منصوبہ بندی سے بھی چلنے کی کوشش کرے، وہ کوشش کرے کہ ایک منصوبہ فلاپ بھی ہو جائے تو وہ دوسرا منصوبہ لے کر آئے، کافروں کو شکست دینے کے لیے یا اپنے کام کو ترتیب دینے کے لیے اپنی پوری جہد کھپائے، لیکن عملاً ایسا ہوتا نہیں ہے۔ یعنی یہ کوشش کرنے کے بعد بھی وہ منصوبے عملاً چل نہیں پاتے، منصوبہ وہ چلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا، جو اللہ کے ہاں لکھا ہوا ہوتا ہے۔ تو جہاد کے میدان میں جتنی یہ بات واضح ہوتی ہے اتنا دنیا کے کسی اور میدان میں نہیں ہو پاتی، یہاں کھلی آنکھوں سے یہ سب نظر آتا ہے کہ ہم بھی ایک منصوبہ بنا رہے تھے اور وہ بھی ایک منصوبہ بنا رہے تھے، مگر نہ ہمارا چلا نہ ان کا چلا بلکہ ایک تیسرا منصوبہ آگیا جو رب کا منصوبہ تھا۔ یہاں پہ بھی یہی ہوا۔ نہ مسلمانوں کا ارادہ تھا جنگ کرنے کا اور نہ ان کا ارادہ تھا جنگ کرنے کا۔ وہ بھی متردد تھے اور مسلمان بھی قافلے کے پیچھے گئے لیکن اللہ نے پورے حالات مہیا کر دیے اور اس سے اللہ تعالیٰ کو کچھ اور چیز مطلوب تھی۔ آپ خود لال مسجد کے واقعے پر تھوڑی دیر غور کریں تو بعینہٖ آپ کو یہی چیز محسوس ہوتی ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ جو اس کے اندر موجود تھے ان کو بھی چند دن پہلے تک نہیں پتا تھا کہ اس پورے واقعے کا انجام کیا ہونا ہے اور اس کے نتیجے میں یہ سب کچھ ہو جائے گا، اس کی ان کو بھی توقع نہیں تھی اور جو باہر تھے ان کو بھی توقع نہیں تھی کہ بات اتنے خطرناک رخ پر چلی جائے گی اور اتنا خون خرابہ ہو گا اور اختتام اس کا اس طرح ہونا ہے۔ لیکن اللہ کو کچھ اور مقصود تھا۔ ایک ایسی چیز ہوئی، دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہوئی، میڈیا نے اس کو لائیو ریکارڈ کیا، ایک ظلم جو آج تک چھپا ہوا تھا، یعنی ہتھیار اٹھانے کے لیے بھی چیزوں کا ایک خاص سطح تک عیاں ہونا ضروری ہے ورنہ قوم نہیں تیار ہوتی، تو یہ جو ہزاروں نوجوان نکلے اس کے بعد، قبائل میں ہزاروں لوگ اٹھے، سوات میں لوگ اٹھے کہ جنہوں نے ہتھیار اٹھائے اور اس نظام کو الٹانے کی جہد شروع کی، تو وہ اس سے کم تر کسی چیز کے بغیر اٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ اللہ نے اس کا نظام بنایا کہ وہ ایک واقعہ ہوا عین دارالخلافہ میں۔ دارالخلافہ کی اصطلاح مناسب نہیں ہے اسلام آباد کے لیے، البتہ کہہ لیں کہ دارالحکومت میں، اس دارالحکومت کے اندر بھی ٹی وی کیمرے فکس ہیں، سارا کچھ ریکارڈ ہو رہا ہے، انٹرویوز جا رہے ہیں، بچیاں نکل کر آ رہی ہیں اور اندر کے مظالم بیان کر رہی ہیں، سب کچھ کھل کے واضح ہو تا کہ قوم پہ بھی حجت تمام ہو جائے اور جس نے اٹھنا ہے وہ اٹھ جائے اور جس کا نفاق ہے اس کا نفاق ظاہر ہو جائے، جس کے اندر ایمان ہے اس کا ایمان ظاہر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا انتظام فرمایا اور اس کے نتیجے میں وہ خیر برآمد ہوئی اس سے کہ جو کسی کے بھی تصور میں نہیں تھی۔ وقتی طور پہ یہ لگا کہ دنیا اندھیر ہو گئی جب وہ ساری شہادتیں ہوئیں لیکن اس کے بعد کس کو پتا تھا کہ اگلے سالوں میں شریعت کا نعرہ لے کے جمہوریت سے بغاوت کرتی ہوئی ایک اتنی بڑی تحریک برپا ہونی ہے اور ایک خالص شرعی نظام کی خاطر جہد کرنے والی ایک تحریک نے کھڑا ہونا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کے کام تھے، تو یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات پیارے بھائیو کسی انسان کا منصوبہ نہیں چل پاتا اس لیے کئی بھائی کہ جن کے دلوں میں ایسے شکوے پیدا ہو جاتے ہیں کہ جی بلا منصوبہ بندی! تو بلا منصوبہ بندی نہیں کام چل رہا، مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اتنی تیزی سے چیزیں بدلتی ہیں یا اللہ کا منصوبہ اتنی تیزی سے آپ کے منصوبے الٹاتا ہے کہ انسانی عقل اس پہ فیل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ بار بار منصوبے بنا بنا کے، ہر تین ماہ بعد، ہر دو ماہ بعد، بعض اوقات ہر ہفتے کی بنیاد پر منصوبہ آپ کا ٹوٹ رہا ہوتا ہے تو اتنی دفعہ جب ٹوٹتا ہے تو آخر کار بندہ کہتا ہے کہ وَأُفَوِّضُ أَمْرِيٓ إِلَى اللّٰهِ، ٹھیک ہے! اللہ کے حوالے یہ گاڑی، اسی طرف جائے جہاں اللہ اسے لے کے

جانا چاہتے ہیں۔ مقصود یہ نہیں کہ ہم اپنی ذمہ داری ادا کرنا چھوڑ دیں۔ جو جتنی ذمہ داری پہ ہے اس پہ اتنا بھاری بوجھ ہے کہ وہ اتنا جہد کرے اتنا کام کو منظم کرنے کی سعی کرتا رہے لیکن عملاً یہ ہوگا نہیں اور عملاً بہت سی چیزیں کسی اور ہی رخ پہ جاتی محسوس ہوں گی، اس رخ پہ کہ جسے رب نے متعین کیا، کسی انسان کا متعین کردہ نہیں تھا۔

اگر لال مسجد نہ ہوتا تو ہم سب اپنے آپ سے سوال کریں کہ ہم میں سے کتنے لوگ اس رستے پہ چلتے؟ کتنے لوگ اپنے قلب کے اندر یہ جرأت پاتے یعنی یہ غصہ اور غیض وغضب اس سطح تک پہنچتا کہ کہتے ہاں! اب اس کے سوا کوئی رستہ نہیں بچا کہ بندوق اٹھائی جائے؟ تو یہ چیز ہے کہ یہ اللہ کا کام ہے۔ کتنے علماء فتاویٰ دیتے؟ آج الحمدللہ بہت سے علماء ہیں جو آہستہ آہستہ سالوں چیزیں ہوتی رہیں، دھماکے ہوتے رہے، شروع میں ہر دھماکہ ذہن پہ بھی ایک دھماکہ محسوس ہوتا تھا، آہستہ آہستہ یہ روٹین کی بات ہوگئی، اتنی روٹین کی بات ہوگئی کہ جب دھماکے کی خبر نہ آتی تو لوگ حیرت سے پوچھتے کہ یہ کیا ہوا؟ آج کوئی دھماکہ نہیں ہوا! تو لوگ عادی ہوگئے، علماء عادی ہوگئے اس چیز کے تو وہی علما کہ جن سے لال مسجد واقعے سے دس دن پہلے تک بھی آپ پوچھتے کہ پاکستان میں بندوق اٹھانا کیسا ہے تو وہ کہتے کہ، آپ خود بھی جانتے ہیں کہ وہ کیا جواب دیتے۔ کم سے کم بھی حرام کا جواب تو ملتا ہی ملتا۔ اور پاکستان کے جو باقی شہری علاقے ہیں وہاں سے بھی الحمدللہ مستقل علماء کی تائیدات میں اضافہ ہو رہا ہے، کمی نہیں ہو رہی۔ مستقل طلباکی، علماء کی صفوں سے نکل کے لوگ یا شامل ہو رہے ہیں یا کم از کم اپنی محبت و تائید کے جذبات ساتھ ساتھ بھجوا رہے ہیں۔ تو یہ اللہ کے کام ہیں، لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ابھی بھی ہم نہیں جانتے کہ اللہ اس پورے سمندر کا رخ اب کہاں لے کے جانا چاہتے ہیں۔ حقیقی بات ہے کہ ہم نہیں جانتے۔ ہم جو بھی منصوبے بناتے رہیں کہ ہم نے اس کو بتدریج لے کے چلنا ہے اور ہم پہلے اس علاقے پہ قبضہ کریں گے اور پھریوں کریں گے اور پھریوں کریں گے، ہو سکتا ہے کہ دھڑام سے کوئی اور ایسا واقعہ آئے کہ دوسرے دن ہم بنگال پہنچے ہوئے ہوں اور کلکتہ میں بیٹھے ہوں طارق (بنگالی) بھائی وغیرہ کے ساتھ، یہ اللہ بہتر جانتے ہیں کہ اس سارے نے کیا رخ لینا ہے۔ ہمیں نہیں پتہ ہوتا، اللہ تعالیٰ اس کا رخ بناتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے لیے حالات متعین کرتے ہیں۔

پس یہ اطمینان مجاہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی جہد کے ساتھ ساتھ اللہ کی رضا پہ راضی رہنے کی خو پیدا کرے اور اللہ اس کو جس رخ پہ لے جائیں، آج اس کو ادھر رکھا، کل اس کی دوڑ لگی، پرسوں اس کو کسی اور آزمائش سے گزارا، ترسوں کہیں اس کو تمکین دے دی، جہاں لے جائے جہاد وہاں وہ ساتھ ساتھ جاتا ہو۔

شیخ یوسف العییری رحمہ اللہ کی کتاب ہے بہت خوبصورت، ثوابت علی درب الجہاد، تو اس میں انہوں نے چار پانچ اساسی نکات بیان کیے ہیں جو ایک مجاہد کے سامنے رہنے چاہیے ہیں، ان میں سے ایک نکتہ یہ ہے، الجهاد ليس معلقاً بأرض دون أرض، جہاد کسی خاص زمین سے معلق نہیں ہے، تو اپنے آپ کو کسی زمین سے، کسی خاص ٹکڑے سے یوں وابستہ کرلینا کہ میں نے یہیں جہاد کرنا ہے (مطلوب نہیں ہے)، اللہ کی زمین ہے اور وہ وسیع ہے، یہاں نہیں ہو سکے گا تو کہیں اور کرلیں گے۔ ہدف ضرور ہے کہ پاکستان میں شریعت لے کر آنی ہے اور ہدف ضرور ہے کہ افغانستان میں امارت قائم کرنی ہے لیکن اللہ کہاں ہمیں لے کے جانا چاہتے ہیں اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔

کچھ شخصیتوں کی مثال لیں، ہو سکتا ہے کہ جماعت کے طور پہ ایک جماعت وہیں باقی رہے، لیکن اللہ نے کسی فرد کو ابتلا میں ڈالنا ہو، اس کو کہیں سے کہیں لے جائیں۔ ابھی ماضی قریب کی مثال لیں تو شیخ عیسیٰ کی مثال ہے کہ وہ گزشتہ دس پندرہ سال سے یہاں بیٹھے تھے، عین اس وقت کہ جب کسی کو توقع بھی نہیں تھی کہ عرب دنیا میں انقلابات شروع ہونے والے ہیں، اس وقت انہوں نے کہا کہ میں عراق کی طرف رخ کرتا ہوں، تو وہ اس طرف نکلے، رستے میں گرفتار ہوئے، انہیں مصر کی حکومت کے حوالے کیا گیا، چند ماہ بعد ہی مصر میں حالات الٹ گئے، ابھی وہ رہا ہو کے تحریر چوک میں بیٹھ کر تقریر کر رہے ہیں اور جہاد کی دعوت دے رہے ہیں۔ یہ اللہ کی ترتیب تھی کہ اللہ نے ان کو وہاں پہنچانا تھا ان حالات کے لیے کہ جب دعوت کا موقع میسر ہوگا تو ایک عالم کی ضرورت تھی کہ وہ وہاں پہنچے جس نے میدان میں وقت گزارا ہو، چیزوں کو قریب سے دیکھا ہو اور وہ جہاد کی دعوت دے تو اللہ نے ان کے لیے ایک ترتیب بنائی۔ تو ایسے کتنے ہی واقعات آپ کو ملتے ہیں۔ بمباریوں تلے ہمارا ایک ذمہ دار شہید ہوتا ہے اور اسی دور میں پاکستان، ایران یا امریکہ کی جیل سے رہا ہو کے اسی سطح کا ایک ذمہ دار یہاں پہنچ جاتا ہے، یہ اللہ کی ترتیب ہے، یہ کسی کے درمیان کوئی اتفاق نہیں ہے، مستقل ایسے واقعات ہوتے ہیں۔

اس سے پہلے دیکھ لیں کہ جزیرۂ عرب میں پہلے امیر کہ جنہوں نے شیخ یوسف العییری کے ساتھ مل کے تنظیم القاعدہ کی بنیاد پوری کھڑی کی، شیخ عبدالعزیز مُقرِن، ان کی اپنی زندگی اسی طرح ہے کہ ان کی عمر تیس برس سے بھی کم ہے اور اس دوران وہ بوسنیا بھی گھوم چکے ہیں، شیشان بھی جا چکے ہیں، افغانستان بھی جا چکے ہیں، یمن بھی جا چکے ہیں، صومالیہ بھی جا چکے ہیں اور بالآخر جزیرۂ عرب میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوتے ہیں۔ تو اللہ نے ان کو کہاں کہاں سے گزارا، کس دن کے لیے کیوں تیار کیا، اللہ کو ان سے کیا کام لینا مقصود ہے، یہ اللہ بہتر جانتے ہیں۔ ہر بندے کی زندگی میں یہ موڑ آسکتے ہیں، وہ اپنے ذہن کو بس اس پہ راضی کرے کہ رب کے دین کے ساتھ چمٹا رہنا ہے، جہاد کے ساتھ چمٹا رہنا ہے، وہ جہاں مرضی لے گیا مجھے۔ مجھے شیشان کی پہاڑی پہ لے گیا وہاں چلا جاؤں گا، وہ مجھے کہیں صومالیہ کے صحرا میں لے گیا یا سوڈان میں پہنچا دیا تو وہاں چلا جاؤں گا، مجھے مسئلہ نہیں ہے اس کے اندر، مجھے بس اس عبادت پر قائم رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس پہ ثبات نصیب فرمائے۔

سبحانک اللھم و بحمدک ونشھد ان لا الہ الا انت نستغفرک و نتوب الیک و صلی اللہ علی النبی

☆☆☆☆☆

امنیت (سکیورٹی) 3

الشیخ المجاہد سیف العدل

دوسرا باب: امنیت اور جاسوسی

یہ ایک ایسا اہم موضوع ہے جس کی طرف مسلمان جماعتوں کو بہت زیادہ دھیان دینا چاہیے ہے، خاص طور پر ایک ایسے وقت میں کہ جب دشمن انہیں نئے نئے اسلوب اپنا کر پھنسانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ امنیت کی اہمیت اس وقت اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے، کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی اسلامی جماعتیں جنہوں نے اِس میدان (یعنی امنیت) کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا تھا، ان پر دشمن نے ایسی کاری ضربیں لگائیں جس سے ان جماعتوں کے اندر ایسی واضح تبدیلیاں واقع ہوئیں جن کے نتیجے میں وہ اپنی نشاط انگیزی کھو بیٹھیں۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے نوجوان جہاد سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں جب وہ دیکھتے کہ بہت سے اعمال کے کھُل کر ظاہر ہو جانے کے سبب تحریک کی صفوں کو پہنچنے والا نقصان بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اس کے برعکس نوجوانوں کی توجہ ایسی تحریک پر فوراً مرکوز ہو جاتی ہے کہ جو دشمن کو اچانک اُچک لے اور خود تحریک کو پہنچنے والے نقصانات بھی کم ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (سورۃ الانفال:۶۰)
>
> ”اور (مسلمانو) جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی جتنی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں اُن (کافروں) سے مقابلے کے لیے تیار کرو۔“

’قوت‘ کے اسباب میں سے ایک دشمن سے اپنی ’منصوبہ بندی اور تحرک‘ کو مکمل طور پر مخفی رکھنا ہے، تاکہ فتح صحیح معنوں میں حاصل کی جا سکے۔ اور یہ بات فقہی قاعدے کے تحت بھی اسی طرح سے ہے:

> ما لا یتم الواجب الا به فهو واجب
>
> ”کسی واجب کو سرانجام دینے کے لیے جس چیز کی ضرورت ہو وہ بھی اسی طرح واجب ہو گی۔“

سیرت نبوی ﷺ میں امنیت کی مثالیں

نبیٔ معصوم جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ ہمیں اس معاملے میں اعلیٰ ترین مثال پیش کرتی ہے تاکہ ایسے شرعی اسباب کو اپنایا جائے۔ ”المنهج الحرَكى للسيرة النبوية“ کے مصنف نبی ﷺ کے ہجرت کے دوران انجام دیے گئے چند افعال کا ذکر کرتے ہیں جو ایک مسلمان مجاہد پر ’امنیت‘ کے عوامل کی اہمیت اور ان کی دلالت واضح کرتے ہیں۔ پس ان میں سے ہیں:

- دشمن کو دھوکے میں رکھنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نبی کریم ﷺ کے بستر پر رات گزارنا۔
- نبی کریم ﷺ کا قیلولے کے وقت سیدنا ابو بکرؓ کے گھر جانا، جبکہ ایسے وقت میں بہت کم ہی انسان اپنے گھر سے باہر ہوتے ہے۔
- سیدنا ابو بکرؓ کے گھر سے نکلتے وقت آپ ﷺ کا (آمد و رفت کے) دروازے کے علاوہ احتیاطاً دوسرا راستہ اختیار کرنا، کہ کہیں دشمن جاسوسی نہ کر رہا ہو۔
- غار کی طرف رخ کرنا تاکہ مدینہ کے راستے پر دشمن کی مدد نہ پہنچ سکے۔
- ایسا غار اختیار کرنا جو مدینہ کے راستے میں نہیں تھا تاکہ دشمن تلاش کرتے ہوئے بھٹک جائے۔
- عبد اللہ بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے ذریعے مکہ کے اندر ہونے والی تبدیلیوں کی مسلسل معلومات رکھنا۔
- حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے ذریعے زادِ راہ کے تحفظ کا اہتمام۔
- حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، جو کہ چرواہے تھے، کے ذریعے حضرت عبد اللہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما کے قدموں کے نشان مٹانے کا اہتمام۔
- غار میں تین دن مسلسل پناہ لینا تاکہ دشمن کے ہاتھ لگنے سے بچا جا سکے۔
- حرکت کرنے میں خفیہ انداز اور مکمل رازداری اپنائے رکھنا، یہاں تک راستے میں ایک آدمی ملا جس نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ آدمی مجھے راستہ دکھاتا ہے، تو وہ آدمی آپ رضی اللہ عنہ کے جواب سے راستہ بتلانے والا (رہبر) ہی مراد لیتا ہے جبکہ آپ کی مراد خیر کا راستہ دِکھلانے والے کی تھی۔

اگر ایک مسلمان اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول ﷺ میں وارد اِسلامی اخلاق کی پابندی کرے تو اس کی امنیت (سکیورٹی) کی ضروریات بغیر کسی لمبے چوڑے تردد کے پوری ہو جائیں۔

جب مسلمان امنیت کے قواعد کو لازم پکڑ لیتا ہے تو لازمی اسے اس کے فوائد حاصل ہوتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

- ذاتی طور پر ’امنیتی‘ کنٹرول حاصل ہوتا ہے۔

- ہر فرد کے پاس صرف اتنی ہی معلومات ہوتی ہیں جتنی اس کے لیے ضروری ہے۔
- جماعت کے راز افشاء نہیں ہوتے، سوائے ان کے جن کے لیے وہ خاص ہوتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اسْتَعِينُوا عَلَى إِنْجَاحِ الحَوَائِجِ بِالْكِتْمَانِ

”اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے رازداری کا سہارا لو۔“

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ

”جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔“

نبی کریم ﷺ کے ان فرامین کو لازم پکڑنے والا مسلمان ہمیشہ اسی بات پر حریص رہتا ہے کہ معلومات اسی بندے تک پہنچائے جس کے لیے وہ ضروری ہے۔ یہی وہ خیر ہے جو ان احادیث میں مذکور ہے، اسی لیے جو افراد اس کی پابندی کرتے ہیں وہ اس کے ساتھ ثواب بھی پاتے ہیں کیونکہ ایسا کر کے وہ کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھام رہے ہوتے ہیں۔ اس معنی میں بہت سی احادیث وارد ہیں جو اسی مفہوم کی طرف دلالت کرتی ہیں جیسے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان الرجل لیلقی بالکلمة لا یلقی بھا بالا

”بے شک آدمی کبھی منہ سے ایسی بات نکالتا ہے جو اس کے لیے وبال بن جاتی ہے۔“

مختلف افراد کے لیے امنیت کے تقاضے

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر فرد کے لیے کسی بھی عمل میں اس کا خاص حصہ ہوتا ہے جو کہ دوسروں سے مختلف ہوتا ہے اور اسی طرح معلومات کی مقدار بھی دوسروں سے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً قائد کے پاس موجود معلومات کی کثرت کسی بھی دوسرے فرد سے زیادہ ہوتی ہے اسی لیے اس کی سکیورٹی کی بھی ضرورت اشد ہوتی ہے۔ اسی طرح جس قسم کے حالات اور ماحول میں انسان چلتا پھرتا ہے اس کے مطابق ہی سکیورٹی (امنیت) کے اقدامات اٹھائے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک ایسا شخص جو اعلانیہ دعوت کے میدان میں کام کرتا ہے اس کا کردار اس شخص سے بالکل مختلف ہوگا جس کا کام عسکری میدان میں خفیہ کام سر انجام دینا ہے۔ اس لیے ہر شخص کے کام کو دیکھ کر ہی امنیتی اقدامات اٹھائے جاتے ہیں۔ دعوت کے میدان میں موجود شخص کا کام ہے دعوت دینا، بھرتی کرنا، معاونت فراہم کرنا اور اموال جمع کرنا وغیرہ۔ پس ہر ایک عمل کے لیے علیحدہ امنیتی اقدامات اٹھائے جائیں گے۔ اسی طرح عسکری میدان کے آدمی کا کام ہے اسلحہ، معلومات، ٹریننگ وغیرہ۔ لہٰذا اس کے لیے اٹھائے جانے والے امنیتی اقدامات دوسرے افراد سے مختلف ہوں گے۔ اصل عام اس میں یہ ہے کہ ہر معاملے میں امنیتی اقدامات اٹھائے جائیں تاکہ کسی بھی مرحلے پر ہدف ظاہر نہ ہو۔

امنیت میں افراط و تفریط

افراط کہتے ہیں کسی چیز میں بہت زیادتی اور شدت کرنے کو۔ تفریط کہتے ہیں کسی چیز میں کمی، سستی اور غفلت برتنے کو۔

اس لیے امنیتی اقدامات اٹھانے میں امور کو ان کی صحیح جگہ پر رکھنا بہت ضروری ہے۔ مثلاً ایک عام فرد جو اپنی احتیاط اور رازداری میں بہت زیادہ مبالغہ آمیزی سے کام لیتا ہے اس کا اسے کوئی فائدہ نہیں، بلکہ اس کے برعکس اس کی طرف نظریں اٹھتی ہیں اور وہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈال لیتا ہے۔ یہ غفلت برتناہے جو اس جگہ مناسب نہیں۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی جو بہت اہم اور خفیہ کام سر انجام دے رہا ہوتا ہے، وہ بہت خطرناک معلومات دوسروں تک پہنچا رہا ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود احتیاط سے کام نہیں لے رہا ہوتا، ایسا شخص اپنے مجاہد بھائیوں کو بھی نقصان پہنچاتا ہے اور ان کے عمل کو ظاہر کر دیتا ہے۔

جبکہ مطلوب ان دونوں کے درمیان توازن ہے اور اس میں کہیں بھی معاملات کو خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ یہ دیکھنا چاہیے کہ کون سا کام خفیہ ہے اور کون سا کام اعلانیہ ہے۔ پس ہر وہ کام جو لوگوں کے ساتھ دعوت، ان کی ہدایت و ارشاد سے متعلق ہے اس کو اعلانیہ طریقے سے سر انجام دیا جاتا ہے، جس حد تک حالات اجازت دیں۔ جس کی مثال ہم نے اوپر کی سطور میں دعوتی اور عسکری فرد کے اعمال میں فرق کر کے بتا دی ہے۔ اسی طرح وہ امور جو عسکری ہیں ان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی اہمیت کے مطابق امنیتی اقدامات کے حصار میں ہوں۔ یہ تمام ایسے امور ہیں جو بصیرت کے محتاج ہیں، جن کی تسلسل کے ساتھ جانچ کی جانی چاہیے تاکہ امور اپنی صحیح سمت میں گامزن رہیں۔

امنیت اور جدت

ہم امنیت کے معاملے کو کسی جامد قالب میں نہیں رکھ سکتے جہاں اسے ایک ہی انداز میں ادا کیا جائے، بلکہ اچھے امنیتی اقدامات کے لیے ضروری ہے کہ حالات کے مطابق اور باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے ان میں بہتری لانے کی کوششیں کی جائیں۔ پس قیادت اور افراد کو چاہیے کہ ہمیشہ اعلیٰ امنیتی ماحول تک پہنچنے کے لیے محنت اور لگن جاری رکھیں۔

اسی طرح ہر جماعت کو چاہیے کہ دشمن کی بڑھتی ہوئی صلاحیتیں اور امکانات اور ان کے وسائل کے ترقی یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ہمیشہ امنیتی اقدامات کی بہتری کے لیے جدید وسائل و طریقوں کو بروئے کار لاتی رہے۔ اس کے ساتھ سابقہ تجربات اور مہارتوں سے

بھی استفادہ کرے اور جماعت کے خلاف کیے جانے والے امنیتی اقدامات کی ہر وقت اطلاع رکھے۔

امنیت کے فوائد

اوپر کی سطور میں ہم نے یہ مطالعہ کیا کہ ایک مجاہد کی زندگی میں امنیت کی کس قدر اہمیت ہے اور یہ کہ امنیت ہدف کے حصول میں سب سے بڑا سبب ہے اور اسی امنیت کے سبب اللہ کے اذن سے دشمن پر خونریز ضربیں لگائی جاسکتی ہیں۔ یہاں ہم دوبارہ امنیت کے کچھ فوائد ذکر کرتے ہیں تاکہ اس کی مزید تاکید کا سبب بن جائیں۔ پس امنیت کے فوائد میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

- اس سے دشمن کے خلاف 'غیر متوقع' ہونے کی برتری حاصل ہوتی ہے اور یہ جنگ میں دشمن کے خلاف کامیابی کا بنیادی اصول ہے۔ امنیت (سیکورٹی) خود جنگ کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے۔
- امنیت ایک جماعت کو مکمل بیداری کی حالت میں رکھتی ہے کہ اس کے خلاف کیا کیا منصوبہ بندیاں ہورہی ہیں جس سے وہ جماعت ہمیشہ تیاری کی حالت میں رہتی ہے تاکہ دشمن کی ضربات کو بروقت روک سکے۔
- امنیت سے جماعت کے اندر دشمن کی نقب زنی کا امکان کم ہوجاتا ہے جس کی دشمن ہمیشہ کوشش میں رہتا ہے تاکہ جماعت کے اندر انتشار پیدا کیا جاسکے۔
- امنیت یعنی سیکورٹی سے اللہ کے اذن کے ساتھ جماعت کے خسارے کم ہوجاتے ہیں اور اس کی قوتوں اور صلاحیتوں کو کم نقصان پہنچتا ہے۔

ہم یہاں یہ بھی بتاتے چلیں کہ امنیت کی اہمیت اپنے اثر سے بہت واضح ہوجاتی ہے۔ جب ہم نے بعض اسلامی جماعتوں کو دیکھا جنھوں نے امنیتی اقدامات نہیں اٹھائے تو دشمن کی لگا تار ضربوں نے ان جماعتوں کا ہدف کی طرف سے رخ ہی پھیر کر رکھ دیا، جس کے باعث بالآخر وہ جماعتیں جھکنے اور سرنڈر ہونے پر مجبور ہوگئیں۔ اسی طرح بہت سے نوجوان جہاد چھوڑ جاتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ اعمال دشمن کے سامنے مسلسل منکشف ہورہے ہیں اور جماعت کی صفوں میں خسارے اور نقصانات بڑھ رہے ہیں۔ جبکہ نوجوان جہاد کی طرف اس وقت بہت زیادہ راغب ہوتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ مجاہدین دشمن پر ناگہانی آفت کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں اور باذن اللہ بغیر کوئی قابل ذکر نقصان اٹھائے دشمن کو مصیبت سے دوچار کردیتے ہیں۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆

جہاد باطنی اصلاح اور تعلق مع اللہ کے لیے اکسیر!

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کسی نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا:

صوفیائے کرام برسوں تک اپنے مریدوں سے جس قسم کے مجاہدے اور ریاضتیں کرواتے ہیں آنحضرت ﷺ تو اپنے صحابہ سے ایسے مجاہدے نہیں کرواتے تھے پھر صوفیائے کرام کیوں کرواتے ہیں؟

حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا، بعینہ الفاظ تو یاد نہیں محض نقل کر رہا ہوں۔ (رفیع)

بات دراصل یہ ہے کہ طریقت میں مجاہدے اور ریاضتیں مقصود نہیں ہوتے مقصود تو باطنی اخلاق کی اصلاح ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق درست اور مستحکم ہوجائے اور نفس کو اتباعِ شریعت کی عادت ہوجائے۔

مجاہدے اس مقصود کو حاصل کرنے کے لیے نفس کے علاج کے طور پر کرائے جاتے ہیں تاکہ نفس مشقت کا اور اپنی خواہشات کی مخالفت کا عادی ہوجائے۔ جب یہ عادت پڑ جاتی ہے تو اتباعِ شریعت آسان ہوجاتا ہے اور شریعت پر عمل کرنے کے لیے صرف راہنمائی کی ضرورت رہ جاتی ہے جسے مرشد انجام دیتا رہتا ہے۔

یہ مقصود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت ﷺ کی معیت میں صرف جہاد ہی سے اس درجہ حاصل ہوجاتا تھا کہ انہیں کسی مزید مجاہدے اور ریاضت کی ضرورت نہیں رہتی تھی وہ ایک ہی جہاد میں سلوک و طریقت کے ایسے اعلیٰ مراتب طے کر جاتے تھے کہ دوسروں کو برس ہا برس کے مجاہدوں سے بھی حاصل نہ ہوں۔

کیونکہ جہاد خود ایک بڑا مجاہدہ ہے جو روحانی و باطنی ترقیات اور تعلق مع اللہ کے لیے اکسیر ہے۔

(یہ تیرے پراسرار بندے صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰)

واٹس ایپ: پرائیویسی کا فریب

واٹس ایپ کی سیکیورٹی کمزوریاں اور ڈیٹا شیئرنگ کے طریقوں کا جائزہ

نعمان حجازی

تعارف

واٹس ایپ، دنیا بھر میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والی میسجنگ ایپ ہے، جس کے ۱۸۰ ممالک میں ۳ارب سے زیادہ یوزرز ہیں۔[1]

واٹس ایپ کو یاہو (Yahoo) کمپنی کے دو سابق ملازمین جان کوم (Jan Koum) اور برائن ایکٹن (Brian Acton) نے متعارف کروایا۔ جبکہ ۲۰۱۴ء میں فیس بک نے اس پلیٹ فارم کو ۱۹ارب ڈالر کے بدلے ان سے خرید لیا۔[2]

واٹس ایپ اپنے یوزرز کی پرائیویسی کے تحفظ کے لیے اینڈ ٹو اینڈ انکرپشن (E2EE) کو اپنی نمایاں خصوصیت قرار دیتا ہے۔ اس پلیٹ فارم کا دعویٰ ہے کہ اس پر بھیجے جانے والے پیغامات، کالز، تصاویر اور ویڈیوز اس حد تک محفوظ ہیں کہ صرف بھیجنے والا (sender) اور وصول کرنے والا (receiver) ہی ان تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، کوئی تیسرا فریق حتیٰ کہ واٹس ایپ بھی ان تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔

لیکن حقیقت اس دعوے سے قدرے مختلف ہے۔ واٹس ایپ وسیع پیمانے پر میٹا ڈیٹا جمع کرتا ہے، معلومات اپنی پیرنٹ کمپنی 'میٹا' اور اس کے ذریعے دیگر کمپنیوں اور اداروں کے ساتھ شیئر کرتا ہے اور سیکیورٹی اداروں کے ساتھ تعاون کرتا ہے، علاوہ ازیں اس میں کئی سیکیورٹی خامیاں بھی سامنے آچکی ہیں۔ یہی چیزیں اس کے دعووں اور حقیقت کے درمیان واضح تضاد کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس تحریر میں ہم یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ واٹس ایپ نہ تو اپنے یوزرز کی پرائیویسی کا صحیح معنوں میں خیال رکھتا ہے اور نہ ہی وہ ایسی سیکیورٹی فراہم کرتا ہے جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے۔

یوزرز کا میٹاڈیٹا جمع کرنا (Metadata Collection)

واٹس ایپ کی اینڈ ٹو اینڈ انکرپشن (E2EE) صرف پیغامات کا مواد انکرپٹ کرتا ہے، لیکن اس کا اطلاق اس وسیع میٹاڈیٹا پر نہیں ہوتا جو یہ پلیٹ فارم مسلسل جمع اور محفوظ کرتا رہتا ہے۔ مثلاً آپ کس سے رابطہ کر رہے ہیں، اس کا فون نمبر کیا ہے، اس سے کتنی دفعہ رابطہ کیا، ہر دفعہ کتنی دیر رابطہ کیا، کتنے وقفے سے آپ اس سے رابطہ کرتے ہیں، کس تاریخ اور کس وقت آپ نے کس سے رابطہ کیا۔ آپ جو ڈیوائس استعمال کر رہے ہیں اس کی تفصیلات، مثلاً اس کا آپریٹنگ سسٹم کون سا ہے، ورژن کیا ہے، بیٹری لیول کتنا ہے، ڈیوائس میں آپ کتنی زبانیں استعمال کرتے ہیں، آپ کس آئی پی (IP) سے رابطہ کرتے ہیں، آپ کی موجودہ لوکیشن کیا ہے وغیرہ۔

یہ سب معلومات مل کر یوزرز کی سوشل سرگرمیوں اور ڈیوائس کے استعمال کے متعلق ایک تفصیلی اور مکمل تصویر کشی کرتی ہیں جو واٹس ایپ، اس کے ذریعے سے میٹا کمپنی (سابقہ فیس بک) کے پاس محفوظ ہوتی ہیں، میٹا اشتہارات کے لیے یہ معلومات اشتہارات کی کمپنیوں کو فراہم کرتی ہے، اور کسی یوزر کے حوالے سے مطالبے پر اس کی یہ ساری معلومات حکومتوں کے ساتھ بھی شیئر کرتی ہے۔

اگر واٹس ایپ کا یہ دعویٰ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس کے میسجز واقعی اینڈ ٹو اینڈ انکرپٹڈ ہوتے ہیں اور خود واٹس ایپ بھی اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا پھر بھی میٹاڈیٹا کے ذریعے سے ہی اس قدر معلومات جمع ہو جاتی ہیں کہ تحقیقاتی رپورٹس کے مطابق اس سے یوزرز کی زندگی کی بہت سی نجی تفصیلات سامنے آ جاتی ہیں، مثلاً اس کا سوشل سرکل کیا ہے اور وہ کن لوگوں سے کتنا قریبی تعلق رکھتا ہے، اس کی عادات، اس کی سفری روٹین، اور اس کے رویوں کا خاکہ، اور یہ سب کچھ اصل میسجز پڑھے بغیر حاصل ہو رہا ہوتا ہے، اور یہ سارا ڈیٹا مطالبے پر سیکیورٹی اداروں کے ساتھ شیئر کیا جاتا ہے جس سے وہ پیغامات پر رسائی حاصل کیے بغیر بھی آسانی سے اندازہ لگا لیتے ہیں کہ کس نے کس سے رابطہ کیا، کب کیا اور کتنی دیر کیا وغیرہ جو سیکیورٹی اداروں کے لیے کسی فرد کی بہت باریک بینی سے نگرانی کو ممکن بنا دیتا ہے۔[3]

میٹاڈیٹا کلیکشن کا یہ معاملہ واٹس ایپ کے "ویو ونس" (View Once) فیچر کے ساتھ بھی منسلک ہے، جو کہ واٹس ایپ میں ڈس ایپئرنگ (disappearing) تصاویر، ویڈیوز کا ایک فیچر ہے۔ اگرچہ اس فیچر کے ذریعے بھیجا گیا مواد ایک دفعہ دیکھے جانے کے بعد خود بخود ڈیلیٹ ہو جاتا ہے، لیکن اس سے منسلک میٹاڈیٹا ڈیلیٹ نہیں ہوتا بلکہ اس کا ریکارڈ محفوظ رہتا ہے کہ کس وقت آپ نے اپنے کس رابطے کو یا کسی رابطے نے آپ کو 'ویو ونس' پیغام بھیجا اور

---

[1] WhatsApp now has more than 3 billion users a month – Tech Crunch (May 1, 2025)

[2] Exclusive: The Rags-To-Riches Tale of how Jan Koum built WhatsApp into Facebook's new $19 billion baby – Forbes (February 19, 2014)

[3] How WhatsApp's metadata collection puts your privacy at risk – Ultimate Systems Blog (October 24, 2024)

وہ تصویر تھی یا ویڈیو۔ اور یہ معلومات یوزرز کے پیغامات بھیجنے کے طریقہ کار اور رجحان کو جانچنے کے لیے سیکورٹی اداروں کے لیے بہت مفید ہوتی ہیں۔[4]

یہ ساری معلومات تو براہ راست میسجنگ سے متعلقہ ہیں لیکن واٹس ایپ صرف اسی حوالے سے میٹاڈیٹا جمع نہیں کرتا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے وہ آپ کی ڈیوائس کی تفصیلات بھی جمع کر رہا ہوتا ہے۔ مثلاً آپ کی بیٹری کتنی چارج ہے، کتنے چارج پر استعمال کرتے ہیں، کب کب چارج کرتے ہیں، آپ کے آپریٹنگ سسٹم کی اپ ڈیٹ کی کیا صورتحال ہے، آپ جو کی بورڈ استعمال کر رہے ہیں اس میں آپ کتنی زبانیں ڈال رکھی ہیں وغیرہ۔ یہ ایسی معلومات ہیں جنہیں یوزرز اپنے میسجنگ سے غیر متعلقہ تصور کرتے ہیں لیکن واٹس ایپ یہ ساری معلومات جمع کرتا ہے اور ان کے ذریعے یوزر کے رویے، عادات اور معمولات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور اس طرح یوزر کی پروفائلنگ کی جاسکتی ہے جو کہ اشتہاری کمپنیوں اور سیکورٹی اداروں دونوں کے لیے انتہائی مفید ثابت ہوتی ہیں۔[5]

حکومتوں اور سیکورٹی اداروں کے ساتھ تعاون

واٹس ایپ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اینڈ ٹو اینڈ انکرپشن (E2EE) کے سبب وہ پیغامات کا مواد سیکورٹی اداروں کو فراہم نہیں کر سکتا، لیکن وہ حکومتوں اور سیکورٹی اداروں کو میٹا ڈیٹا اور یوزرز کی دیگر معلومات فراہم کرکے ان کے ساتھ کھلے عام تعاون کر رہا ہے۔ یہ تعاون یوزرز کی اہم معلومات کا استحصال ہے جسے واٹس ایپ کے مکمل طور پر پرائیوٹ پلیٹ فارم ہونے کی نفی ہوتی ہے۔

اس کی ایک نمایاں مثال اسرائیلی حکومت کی جانب سے فلسطینیوں کی نگرانی کے لیے واٹس ایپ کے استعمال کی ہے۔ دی انٹرسیپٹ (The Intercept) نے ۲۰۲۴ء میں ایک تحقیقاتی رپورٹ میں انکشاف کیا کہ اسرائیلی داخلی سلامتی کے اداروں نے واٹس ایپ کے میٹا ڈیٹا کا سہارا لے کر فلسطینی کارکنوں اور احتجاجی منتظمین کو ٹریک کیا، رابطوں کے نیٹ ورکس تیار کیے اور اہم شخصیات کی نشاندہی کرلی۔ اس کے علاوہ اسرائیل کسی فلسطینی کے بارے میں تعین کرنے میں کہ وہ دہشت گرد ہے یا نہیں، واٹس ایپ کے میٹا ڈیٹا سے بھی مدد لیتا ہے جس سے وہ معلوم کرتا ہے کہ یہ شخص کس کو کال کرتا ہے، کس کو میسج کرتا ہے اور کون سے واٹس ایپ گروپس میں شامل ہے۔[6]

مزید برآں، میٹا کی داخلی سیکورٹی ٹیمیں پوری دنیا کے سیکورٹی اداروں کے ساتھ باقاعدہ رابطے میں رہتی ہیں اور مطالبے پر میٹا ڈیٹا اور یوزرز کی دیگر معلومات انہیں فراہم کرتی ہیں۔

اس کی وجہ سے پوری دنیا کی حکومتوں کو بے شمار معلومات تک رسائی حاصل ہوسکتی ہے جسے وہ بڑے پیمانے پر اپنے شہریوں کی نگرانی (surveillance) کے لیے بھی استعمال کرتی ہیں اور کسی خاص شخص کے حوالے سے تحقیقات کے لیے بھی۔ یہ سارے حقائق واٹس ایپ کی مارکیٹنگ امیج سے بالکل برعکس ہیں جس میں واٹس ایپ کو ایک 'سکیور' اور 'پرائیوٹ' رابطے کا ذریعہ دکھایا جاتا ہے۔[7]

انکرپشن میں ممکنہ بیک ڈورز

واٹس ایپ کی اینڈ ٹو اینڈ انکرپشن (E2EE) سگنل پروٹوکول (Signal Protocol) پر مبنی ہے، جو اپنی مضبوط سیکورٹی کے باعث قابلِ اعتماد سمجھا جاتا ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ جہاں سگنل کا پورا کوڈ اوپن سورس (Open Source) ہے اور اسے کوئی بھی 'آڈٹ' (Audit) کر سکتا ہے، واٹس ایپ میں اس کا نفاذ (Implementation) مکمل طور پر پروپرائیٹری (Proprietary) اور کلوزڈ سورس (Closed Source) ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یوزرز اور آزاد ماہرین یہ تصدیق نہیں کرسکتے کہ واٹس ایپ میں میٹا نے کوئی خفیہ راستے (Backdoors) شامل کیے ہیں یا نہیں جن کے مدد سے میٹا پیغامات کو ڈی کرپٹ کر سکتا ہو۔

سیکورٹی محققین کا کہنا ہے کہ کلوزڈ سورس (Closed Source) سافٹ ویئر ہمیشہ کمپنی کے دعووں پر اندھا اعتماد کرنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ سگنل کے برعکس جہاں کوڈ میں آنے والی ہر تبدیلی پبلک آڈٹ (Public Audit) سے گزرتی ہے، واٹس ایپ کے یوزرز کو، کسی قسم کی شفافیت کے بغیر، محض میٹا کی یقین دہانیوں پر ہی بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے حکومتی دباؤ کے تحت بیک ڈورز شامل کیے جانے کا خدشہ پیدا ہوتا ہے، بالخصوص اس لیے بھی کہ میٹا پہلے ہی حکام کے ساتھ بڑے پیمانے پر تعاون کر رہی ہے۔

اگرچہ واٹس ایپ میں بیک ڈورز کے دعوے ابھی تک قیاس آرائیوں پر ہی مبنی ہیں، لیکن میٹا کے پرائیویسی سکینڈلز کی تاریخ اور حکومتوں کی جانب سے نگرانی (Surveillance) کے مطالبات اس خدشے کو تقویت دیتے ہیں۔ چاہے میٹا ان دعووں کی تردید کرتا ہے لیکن واٹس ایپ کے کوڈ کے کلوزڈ سورس (Closed Source) ہونے کا مطلب ہے کہ اگر واقعی بیک ڈورز موجود ہیں تو وہ ہمیشہ چھپے ہی رہیں گے۔[8]

ہیکنگ اور وائرسز کے خطرات

---

4. Meta's Data: Meta's WhatsApp Fix for View Once and its Impact on Metadata by Tal Be'ery – Medium (December 9, 2024)
5. Uncovering WhatsApp's Metadata Practices: What You Need to Know About Your Privacy – NewsPoint (June 3, 2025)MoreMo
6. The undisclosed Whatsapp vulnerability lets governments see who you message – The Intercept (May 22, 2024)
7. How Facebook undermines privacy protections for its 2 billion WhatsApp users – ProPublica (September 7, 2021)
8. Can governments intercept end-to-end encrypted Whatsapp communication through lawful interception? – Information Security, Stack Exchange (May 1, 2016)

واٹس ایپ کو متعدد سکیورٹی کمزوریوں کا ہمیشہ سامنا رہا ہے۔ جن کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

- فروری ۲۰۱۵ء میں واٹس ایپ کے ویب کلائنٹ کی ایک کمزوری کے نتیجے میں ہیکرز یوزرز کی چیٹ ہسٹری چوری کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب تک اس مسئلے کا حل کیا گیا، اس وقت تک ہیکرز دس کروڑ یوزرز کی چیٹ ہسٹری چرا چکے تھے۔
- مئی ۲۰۱۶ء میں سرور کی ایک کمزوری کے باعث ۱۶ لاکھ یوزرز کے فون نمبرز اٹیکرز کے ہاتھ لگے۔
- اپریل ۲۰۱۷ء میں واٹس ایپ کے کالنگ فیچر میں ایک بڑی کمزوری کا انکشاف ہوا، جس کی وجہ سے کوئی ہیکر دو افراد کے درمیان ہونے والی واٹس ایپ کال کو براہ راست سن سکتا تھا۔ جب تک یہ کمزوری دور کی گئی لگ بھگ ۳۰ کروڑ یوزرز اس سے متاثر ہو چکے تھے۔[9]
- سب سے زیادہ بدنامِ زمانہ معاملہ مئی ۲۰۱۹ء میں سپائی ویئر (Spyware) ’پیگاسس‘ (Pegasus) کے حملوں کا ہے۔ پیگاسس ایک اسرائیلی ہتھیار ساز کمپنی ’این ایس او گروپ‘ (NSO Group) کا تیار کردہ سپائی ویئر ہے جسے مئی ۲۰۱۹ء میں دنیا بھر میں صحافیوں، کارکنوں اور سیاست دانوں کو نشانہ بنانے کے لیے استعمال کیا گیا۔ مئی ۲۰۱۹ء میں ۱۴۰۰ ڈیوائسز پر یہ وائرس بھیجا گیا۔ ایک ’زیرو کلک‘ کمزوری کے ذریعے کسی نمبر پر صرف مس کال بھیجنے سے ہی یہ وائرس اس ڈیوائس میں انسٹال ہو جاتا تھا۔ اس طرح واٹس ایپ کی انکرپشن کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ وائرس پوری ڈیوائس پر ہی قابو پالیتا تھا، جس سے پیغامات، کالز، مائکروفون اور کیمرہ ہر چیز تک رسائی ممکن ہو گئی۔[10] اس وائرس کو صرف اسرائیل نے استعمال نہیں کیا بلکہ اسے بنانے والی کمپنی نے اسے مختلف ممالک کی حکومتوں کو بیچا جنھوں نے اسے اپنے شہریوں کی سرویلنس کے لیے استعمال کیا۔[11]
- نومبر ۲۰۲۲ء میں ہیکرز نے ۸۴ ممالک سے تعلق رکھنے والے ۵۰ کروڑ یوزرز کے فون نمبرز حاصل کر لیے جنھیں ہیکر فورمز پر بیچ دیا گیا۔
- اس وقت یوزر کو دھوکا دے کر ان کی معلومات چرانے کے واقعات (Phishing Attacks) میں سے ۹۰ فیصد واٹس ایپ کے ذریعے سے ہو رہے ہیں۔[12]
- دسمبر ۲۰۲۴ء میں اسرائیلی سابق وزیر اعظم ایہود بارک کی کمپنی ’پیراگان سلوشنز‘ (Paragon Solutions) نے واٹس ایپ گروپس میں ایک زیرو کلک حملہ کیا، جس میں ایک پی ڈی ایف گروپ چیٹ میں شیئر کی گئی، جس کے صرف گروپ میں پریویو (preview) دیکھنے پر ہی پیگاسس کی طرح کا ہی ایک اور سپائی ویئر ’گریفائٹ‘ (Graphite) یوزر کے سسٹم میں انسٹال ہو جاتا تھا۔ نہ تو یوزر کو پی ڈی ایف کو کلک کرنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی ڈاؤنلوڈ کرنے کی۔ اس حملے کے نتیجے میں ۲۴ کے قریب ممالک میں ۱۰۰ صحافیوں اور اسرائیل مخالف تنظیموں کے کارکنوں کو نشانہ بنایا گیا اور ان کی پوری ڈیوائس پر کنٹرول حاصل کر کے ان کا ڈیٹا چرایا گیا۔[۱۳] میٹا کی اپنی رپورٹس کے مطابق پیراگان سلوشنز کی جانب سے واٹس ایپ کے یوزرز پر یہ حملے ۲۰۲۵ء میں بھی جاری رہے۔[14]

ان سب خطرات کے پیشِ نظر، کئی حکومتوں، بشمول امریکہ، نے سرکاری ڈیوائسز میں واٹس ایپ کے استعمال پر پابندی عائد کر دی ہے، تاکہ حساس معلومات محفوظ رکھی جا سکیں۔ یہ عملی سکیورٹی خامیاں اس واضح فرق کو اجاگر کرتی ہیں جو واٹس ایپ کے دعووں اور حقائق کے درمیان پایا جاتا ہے۔

حاصلِ کلام

واٹس ایپ نے اپنی عالمی مقبولیت کو ہمیشہ اس دعوے پر استوار کیا ہے کہ یہ ایک ’سکیور‘ اور ’پرائیوٹ‘ میسجنگ پلیٹ فارم ہے جہاں یوزرز کی بات چیت کسی تیسرے فریق کی مداخلت سے محفوظ ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت اس بیانیے کے برعکس ہے۔ سب سے پہلے تو جس طریقے سے واٹس ایپ نے اینڈ ٹو اینڈ انکرپشن استعمال کی ہے خود اس پر ہی سوالیہ نشان موجود ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میٹا ڈیٹا کا وسیع پیمانے پر جمع کیا جانا، پوری دنیا کی حکومتوں اور سکیورٹی اداروں کے ساتھ تعاون، اور تقریباً ہر سال بڑے پیمانے پر اس کی کمزوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کیے جانے والے حملے ایسے پہلو ہیں جو یوزرز پرائیویسی کے لیے شدید خطرات کا باعث ہیں۔

میٹا ڈیٹا یوزرز کی روزمرہ زندگی اور سماجی تعلقات کی ایک انتہائی دقیق اور مکمل تصویر پیش کرتا ہے، لیکن یہ وہ پہلو ہے جسے واٹس ایپ اپنی تشہیر میں کم ہی اہمیت دیا کرتا ہے، حالانکہ یہی ڈیٹا یوزرز کے رویوں، عادات، تعلقات اور نقل و حرکت کو ظاہر کر دیتا ہے، پھر یہ ڈیٹا یوزرز سے متعلقہ حکومتوں اور سکیورٹی اداروں کو مطالبے پر فراہم کرنا اس غلط فہمی کو مکمل طور پر ختم کر دیتا ہے کہ یہ کسی بھی سطح پر کوئی ’پرائیویٹ‘ پلیٹ فارم ہے۔

---

[9] What's up with WhatsApp? – A critique of security challenges at the world's largest VoIP app – Polynom Blog (August 27, 2023)

[10] Judge rules NSO Group liable for spyware hacks targeting 1,400 WhatsApp user devices – The Record Media (December 1st, 2024)

[11] Pegasus (spyware) – Wikipedia English

[12] Must know Phishing statistics in 2023 – Cyphere

[۱۳] Meta's WhatsApp says spyware company Paragon targeted users in two dozen countries – Reuters (January 31, 2025)

[14] US-backed Israeli company's spyware used to target European journalists, Citizen Lab finds – AP News (June 12, 2025)

اس کے علاوہ پیگاسس جیسے 'زیرو کلک' وائرس حملے اور دیگر متعدد ہیکنگ اور فشنگ کے مستقل پیش آنے والے واقعات بھی یہ ثابت کرتے ہیں کہ واٹس ایپ کی سکیورٹی ناقابل تسخیر نہیں اور کسی بھی وقت یوزرز کا ڈیٹا ہیکرز یا حکومتی عناصر کے ہاتھوں میں جاسکتا ہے۔

ان سب مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ واٹس ایپ کے سکیورٹی اور پرائیویسی کے دعووں کی تھیوری سے آگے کوئی حیثیت نہیں، عملی طور پر یہ پلیٹ فارم یوزرز کے ڈیٹا کے استحصال اور سرویلنس کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

بد قسمتی سے مجاہدین میں ٹیلی گرام کے بعد واٹس ایپ سب سے زیادہ استعمال کیا جانے والا پلیٹ فارم ہے۔ واٹس ایپ کی سکیورٹی کے حوالے سے بارہا خدشات سامنے آنے کے باوجود اس پلیٹ فارم کو جہادی دعوت، بھرتی اور حساس معلومات کے تبادلے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ سائبر سکیورٹی (Cyber Security) زیرو ٹرسٹ (Zero Trust) کی بنیاد پر قائم ہے۔ اس میدان میں کسی کے بھی دعووں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ کوئی جتنے بھی بلند و بانگ دعوے کرلے کہ ان کی انکرپشن دنیا کی بہترین انکرپشن ہے، وہ دنیا کے سب سے پرائیوٹ پلیٹ فارم ہیں اور ان کی سکیورٹی ناقابل تسخیر ہے، یہ دعوے اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہوسکتے جب تک کہ ان کی پشت پر عملی ثبوت موجود نہ ہوں۔ اور عملی ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ ایسے پلیٹ فارمز شفافیت اپناتے ہوں، کم سے کم تر میٹاڈیٹا جمع کرتے ہوں اور ان کا کوڈ اوپن سورس ہو جسے آزاد اور بااعتماد ذرائع نے آڈٹ کیا ہو۔ وہ پلیٹ فارم جو اس معیار پر پورا اترتے ہوں ان کے مجموعی طریقہ کار کی جانچ اور اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد ہی ان میں سے کسی پلیٹ فارم کو سب سے زیادہ اعتماد اور استعمال کے قابل تصور کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"راحت مردوں کے لیے غفلت کا باعث ہے اور عورتوں کے لیے شہوت کا۔"

حکیم بزرجمہر نے کہا:

"اگر کام میں محنت ہے تو فراغت میں فساد ہے۔"

بعض داناؤں نے کہا:

"بے کار خلوت سے بچو کیونکہ وہ عقلوں کو خراب کرتی ہے اور حل شدہ کو پیچیدہ کر دیتی ہے۔"

اور بعض ادباء کا قول ہے:

"اپنا دن مفید کام میں لگے بغیر نہ گزارو۔ اور اپنی رقم کسی صنعت میں لگائے بغیر ضائع نہ کرو۔ کیونکہ عمر اتنی لمبی نہیں کہ غیر مفید کاموں میں لگائی جائے۔ اور مال اتنا زیادہ نہیں کہ صنعت کے علاوہ میں خرچ کیا جائے۔"

عقلمند کا مرتبہ اس سے کہا اونچا ہے کہ وہ اپنے وقت کو ایسی چیزوں میں صرف کرے جس میں نہ اسے کوئی فائدہ ہو نہ بھلا ملے۔ اور اپنے مال کو ایسی جگہ خرچ کرے جہاں نہ اس کو ثواب ملے اور نہ بدلہ۔

سب سے بلیغ قول حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا ہے کہ:

"نیکی تین کاموں میں ہے: کلام میں، نظر میں اور خاموشی میں۔ پس جس کا کلام ذکر سے خالی ہو تو وہ لغو ہے۔ اور جس کی نظر عبرت سے خالی ہو تو وہ سہو ہے۔ اور جس کی خاموشی تدبر سے خالی ہو تو وہ لہو ہے۔"

☆☆☆☆☆

بقیہ: حرمین شریفین کا دفاع: حقیقت یا فسانہ؟

لیکن روافض دشمنی میں اسرائیل و امریکہ کے ایجنٹ بن جانا، حرمین کی سرزمین پر یہود کے ایجنٹوں کو مضبوط کرنا، یہ ہمارے لیے ناممکن ہے، یہ امت کے ساتھ ظلم ہے! یہی وہ جرمِ عظیم ہے جس کی ذمہ داری پاکستانی فوج کو دی گئی ہے۔

پاکستانی فوج وہاں تین کام کرے گی:

۱. حوثیوں کے خلاف سعودی نظام کا دفاع۔ (جو دراصل اسرائیل و امریکہ کے مفادات کا دفاع ہے۔
۲. جزیرۂ عرب کے مجاہدین کے خلاف سعودی و امریکی نظام کا دفاع۔
۳. ابنِ سلمان، امریکہ اور اسرائیل جو حرمین کی سرزمین پر بے دینی پھیلا رہے ہیں اور اسلام کی روح ختم کر رہے ہیں، ان کی مہم کو کامیاب بنانا۔

یہ سب پاکستانی جرنیل کریں گے، راحیل شریف برسوں سے کر رہا ہے۔ ان کا فائدہ جرنیلوں کو ہی صرف ڈالروں میں ہوگا، جبکہ امتِ مسلمہ پر امریکی اسرائیلی تسلط مزید بڑھے گا اور ارضِ حرمین شریفین میں شریعت کے خلاف جنگ مزید زور پکڑے گی۔

☆☆☆☆☆

الشوک والقرنفل
کانٹے اور پھول ۸

شیخ یحییٰ السنوار شہید رحمۃ اللہ علیہ کا شہرۂ آفاق ناول

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' بطلِ اسلام، مجاہد قائد، شہیدِ امت، صاحبِ سیف و قلم شیخ یحیٰ ابراہیم السنوار رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان اور جذبۂ جہاد واستشہاد کو جلا بخشتی، آنکھیں اشک بار کر دینے والے خوب صورت ناول اور خود نوشت و سرگزشت 'الشوک والقرنفل' کا اردو ترجمہ، قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ ناول شیخ نے دورانِ اسیری اسرائیل کی بئر سبع جیل میں تالیف کیا۔ بقول شیخ شہید اس ناول میں تخیل صرف اتنا ہے کہ اسے ناول کی شکل دی گئی ہے جو مخصوص کرداروں کے گرد گھومتا ہے تاکہ ناول کے تقاضے اور شرائط پوری ہو سکیں، اس کے علاوہ ہر چیز حقیقی ہے۔ 'کانٹے اور پھول' کے نام سے یہ ترجمہ انٹرنیٹ پر شائع ہو چکا ہے، معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نذرِ قارئین ہے۔ (ادارہ)

بارہویں فصل

میری خالہ کے شوہر اپنی قید کی مدت پوری کر کے جیل سے رہا ہو گئے تھے اور اپنی تجارتی سرگرمیاں دوبارہ شروع کر دی تھیں اور خاندانی زمینوں کے معاملات کی نگرانی کرنے لگے تھے، ان کا بیٹا عبد الرحیم اب زمین پر رینگنے لگا تھا اور اپنے ابتدائی الفاظ دہرانے لگا تھا۔

میری خالہ کے شوہر انہی دکانوں پر جاتے جن پر وہ پہلے الخلیل میں جاتے تھے اور جن سے ان کے مضبوط تجارتی روابط تھے، وہی پرانی محفلیں جمتی تھیں اور پھر سے آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھ کر باتیں ہوتی تھیں اور چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے لوگ ان سے جیل کے بارے میں پوچھتے، کہ وہاں ان کے ساتھ کیسا سلوک ہوا؟ کیسے انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا؟ اور کیسے ان سے تفتیش کی گئی؟ اور وہ عاجزی سے بات کرتے، ان کے خوف اور قید سے متعلق بے چینی کو کم کرنے کی کوشش کرتے، اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ یہ واقعی مشکل ہے، لیکن ممکن اور قابل برداشت ہے، اور یہ انسان کو مضبوط بناتا ہے اور اس کی روح کو طاقتور بناتا ہے اور انسان کو اپنی قوت اور عظمت کا احساس دلاتا ہے۔ لوگ اپنے سروں کو ہلاتے اور ایک دوسرے کی طرف حیرانی اور ناگواری کے احساس کے ساتھ دیکھتے، شاید ان میں سے کوئی کہتا: دیکھو، اس کم عقل نے خود کو اور اپنے خاندان کو مصیبت میں ڈال دیا اور اپنے آپ پر ایک انقلاب برپا کیا اور کہتا ہے کہ یہ ممکن اور قابل برداشت ہے! یہ کیا باتیں کر رہا ہے؟ ان کا بھائی عبد الرحمن الخلیل میں طارق بن زیاد ثانوی اسکول میں تیسرے سال (ثانویہ عومی) میں تھا، وہ اپنی محنت، دیانتداری، اخلاق اور اپنے ہم عمر لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات کے لیے مشہور تھا۔ انہی دنوں طارق بن زیاد ثانوی اسکول میں اسلامی رجحان رکھنے والے نوجوانوں کا ایک گروہ بننا شروع ہوا، اس اسکول کے کئی اساتذہ پہلے اردن یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو چکے تھے اور وہاں پڑھائی کے دوران اخوان المسلمین میں شامل ہو گئے تھے، جب وہ الخلیل واپس آئے اور یہاں اسکولوں میں کام کرنے لگے تو انہوں نے شہر میں اسلامی فکر کو پھیلانے کی کوشش شروع کی اور انہیں ثانوی اسکول کے طلباء میں اس کے لیے زرخیز زمین ملی۔ اسی وقت شہر میں ایک شریعہ کالج بھی کھولا گیا، شہر کے میئر نے اس کے قیام کی نگرانی کی تھی، کالج میں نوجوانوں کے اجتماع نے اساتذہ اور اسلامی وشرعی تعلیمات کے اثر کی وجہ سے خود بخود سیاسی اور فکری رجحانات کو جنم دیا جن میں سب سے نمایاں اخوان المسلمین کا رجحان تھا۔ کالج میں ایک گروہ نے اخوان المسلمین کی سرگرمیوں کے لیے ایک مرکز کے طور پر کام کرنا شروع کیا اور انہوں نے اپنی سرگرمیوں کو ثانوی اسکولوں تک پھیلانا شروع کیا، اس طرح ان کی کوششیں طارق بن زیاد اسکول کے اساتذہ کی کوششوں سے مل گئیں، چنانچہ طلباء کا ایک گروپ اخوان المسلمین کے نظریات کے گرد جمع ہونا شروع ہوا، شہر الخلیل میں اخوان المسلمین کا نام زیادہ غیر مانوس نہیں تھا جبکہ غزہ کی پٹی یا شمالی مغربی کنارے میں اس نام کا ذکر ایک گالی یا توہین کے طور پر کیا جاتا تھا۔ الخلیل میں اخوان کی ایک پرانی تاریخ تھی، یہاں اخوان کے نظریات کو مالدار اور معزز خاندانوں نے اپنا رکھا تھا، اس لیے اس نام کا ظاہر ہونا اور اعلان کرنا یہاں زیادہ مشکل نہیں تھا۔

طارق بن زیاد اسکول میں عبد الرحمن کی ملاقات شہر اور دیہات کے دیگر نوجوانوں سے ہوئی، اور انہوں نے یونیورسٹی/کالج آف شریعہ کے طلباء اور کچھ اساتذہ کے اثر ورسوخ سے اخوان المسلمین کے نظریات کو اپنانے والا ایک کھلا فریم ورک تشکیل دیا، جہاں اسلام اور معاصر اسلامی فکر کی کتابوں کا مطالعہ کیا جاتا تھا، ایک دن ان میں سے کچھ ساتھی عبد الرحمن کے گاؤں (صوریف) میں اس سے ملنے آئے، یہ اخوان کے تعارفی اور تربیتی سرگرمیوں کا حصہ تھا، تقریباً دس طلباء کا یہ گروپ ایک پہاڑی کی ڈھلان پر جمع ہوا۔ وہ کھیل اور بات چیت کر رہے تھے، عبد الرحمن کے کہنے پر خالہ نے دوپہر کے کھانے کی تیاری کی تھی، عبد الرحمن نے صبح سویرے چار مرغیاں ذبح کیں اور خالہ نے ''مسخن'' تیار کرنا شروع کیا، دوپہر کے وقت، خالو اپنی دکان سے واپس آئے، اور جب عبد الرحمن کھانا لینے کے لیے وقت پر نہ پہنچے تو وہ خود اسے میدان میں لے گئے۔ خالو نے انہیں سلام کیا اور عبد الرحمن کو پکارا کہ میں کھانا لے آیا ہوں، عبد الفتاح نے شکریہ کے ساتھ جواب دیا اور کہا: آپ نے خود کو کیوں تکلیف دی، میں اسے لینے ہی والا تھا؟ عبد الفتاح نے وضاحت کی کہ اس میں کوئی تکلیف نہیں ہے اور یہ نوجوانوں سے تعارف کا ایک موقع ہے، وہ ان کے ساتھ بیٹھے، دوپہر کا کھانا کھایا، ان سے تعارف کروایا اور ان کی خوشی اور بات چیت میں حصہ لیا۔ ان کے جذبات اور قومی وابستگی کو جاننے کی کوشش کی، اور ان کے خیالات اور تیاری کے بارے میں جاننے کے لیے سوال کیا: آپ لوگوں کا قومی کام اور موجودہ سطح کے بارے میں

کیا خیال ہے؟ ایک نوجوان نے جواب دیا: مسئلہ یہ ہے کہ ہماری قوم ابھی بھی قومی کام اور مزاحمت کے بنیادی عناصر سے محروم ہے، اس لیے تیاری اور قربانی کی سطح ابھی بھی کم ہے۔ عبد الفتاح نے حیرت سے پوچھا: آپ ایسا کیوں کہتے ہیں اور اس دعوے کی بنیاد کیا ہے؟ نوجوان نے جواب دیا: مسجد اقصیٰ، قبلہ اول اور تیسرے حرم مقدس جیسا اہم اسلامی مسئلہ بہت زیادہ قربانیوں اور جدوجہد کا مطالبہ کرتا ہے، اور قومی کام کی سطح ابھی تک مطلوبہ معیار سے بہت کم ہے، اور لوگوں کی تیاری مطلوبہ سطح سے ایک لاکھ گنا کم ہے۔

عبد الفتاح نے دوبارہ بحث کرتے ہوئے کہا: لیکن کیا تم نے غزہ کے علاقے، شمالی مغربی کنارے، وسطی مغربی کنارے، یروشلم، الخلیل اور دیہاتوں میں ہونے والی فدائی کارروائیوں کے بارے میں نہیں سنا؟ نوجوان نے بات کاٹتے ہوئے کہا: ہاں، میں نے سنا ہے، لیکن یہ سب کچھ مطلوبہ حد سے بہت کم اور بہت معمولی ہے! کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہودی کس طرح الخلیل شہر میں گھومتے پھرتے ہیں اور کوئی ان پر اعتراض نہیں کرتا، سوائے شاذ مواقع پر؟ سیاح کیسے حرم ابراہیمی کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور یہودی وہاں آزادانہ گھومتے ہیں؟ کیسے وہ الخلیل میں کاروبار کرتے ہیں، ورکشاپس میں لوہے اور لکڑی کے کام کرتے ہیں؟ اور ہمارے لوگ ان کے ساتھ ایسے برتاؤ کرتے ہیں جیسے وہ قبضہ کرنے والے اور ہماری زمین و مقدسات کے غاصب نہ ہوں۔

عبد الرحمن نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: یقیناً، صرف قومی جذبہ ہی کافی نہیں ہے کہ جنگ کو چلا سکے، اور ضروری ہے کہ......

عبد الفتاح نے اسے کاٹتے ہوئے کہا: بھائی، ہماری یہ قوم ہمیشہ اپنی زمین کی حفاظت کرتی آئی ہے اور کبھی ہار نہیں مانی......

نوجوان نے پھر کہا: میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں جو میرے ساتھ ہوئی تھی۔ جب اسرائیلیوں نے الخلیل پر قبضہ کیا تھا تو میں ابھی چھوٹا تھا، اور میں نے ایک یہودی کو الخلیل کے ایک سڑک پر اکیلا چلتے دیکھا، تو مجھے غصہ آیا اور میں نے زمین سے ایک پتھر اٹھا کر اس یہودی پر پھینکا اور پھر (سیب کے) درختوں کے پیچھے بھاگ کر چھپ گیا۔ کچھ دیر بعد، جب مجھے لگا کہ یہودی چلا گیا ہو گا، تو میں نے اپنے پڑوسی کو آواز لگاتے ہوئے سنا: جمال، جمال! آؤ، وہ چلا گیا ہے۔ جب میں درختوں کے پیچھے سے نکلا، تو وہ یہودی گھر کے کونے کے پیچھے چھپا ہوا تھا، وہ میری طرف آیا اور اپنا پستول میرے سر کی طرف تان دیا، اور مجھے ڈرانے کی کوشش کی تاکہ میں دوبارہ ایسا نہ کروں۔ میں نے سمجھا کہ جب میں نے اس پر پتھر پھینکا تھا، اس نے پڑوسیوں کے دروازے پر دستک دی تھی اور دھمکی دی تھی کہ اگر انہوں نے مجھے اس کے حوالے نہیں کیا تو وہ ان کا گھر تباہ کر دے گا اور ان کے بچوں کو جیل میں ڈال دے گا، پھر ان کے ایک بچے نے مجھے اس یہودی کے حوالے کر دیا تھا۔

عبد الفتاح نے کہا: یہ ہوتا ہے، یہ ہوتا ہے، لیکن لوگ ٹھیک ہیں اور ہماری قوم ٹھیک ہے، میں کہتا ہوں کہ ہماری قوم ٹھیک ہے، حتیٰ کہ وہ لوگ بھی ٹھیک ہیں، وہ اچھے لوگ ہیں لیکن مسکین ہیں۔ اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے خوفزدہ ہیں یعنی ان کی قربانی کی صلاحیت محدود ہے، اور ایک طویل عمل کی ضرورت ہے کہ...... عبد الفتاح نے اپنی ہی بات کاٹتے ہوئے کہا: بھائی کسی عمل کی ضرورت نہیں، ہر ایک کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے، لیکن کیوں ہم اس بات پر بات کریں؟ مجھے آپ لوگوں کو چھوڑ دینا چاہیے تاکہ آپ اپنا دن گزار سکیں، وہ اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھے اور کہا: اللہ حافظ، بھائیو، اللہ حافظ! السلام علیکم اور اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے چل دیے، نوجوان درختوں کے درمیان ہنستے اور مذاق کرتے رہے۔

میرے بھائی محمد اور میرے چچازاد بھائی ابراہیم حسن بھائی کی دین داری سے بہت متاثر ہوئے اور نماز پڑھنے لگے اور رفتہ رفتہ نماز کے پابند ہو گئے اور مسجد میں ان کے ساتھ آنے جانے لگے، میں ان کی طرح نہیں تھا، کبھی کبھی نماز پڑھتا اور کبھی چھوڑ دیتا تھا اور کبھی کبھار ان کے ساتھ مسجد جاتا اور ہم جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے، پھر کبھی کبھی ہم نماز کے بعد منعقد ہونے والے حلقوں میں بیٹھ جاتے، جہاں کوئی نہ کوئی دینی موضوع پر بات کرتا، قرآن کی تفسیر سناتا یا حدیث شریف کی تشریح کرتا، یا کسی کتاب کا مطالعہ کرتا اور اس کی وضاحت کرتا، یا سیرت نبوی کی کچھ باتیں بیان کرتا۔ کبھی کبھی مغرب کی نماز کے بعد جب میں ان کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتا، تو وہ ان حلقوں میں بیٹھ جاتے اور دعائیں پڑھنے لگتے جنہیں وہ ماثورات کہتے تھے، اور یہ دعائیں اجتماعی طور پر پڑھتے، میں ان کی طرح دعائیں یاد نہیں کر سکتا تھا، اس لیے میں بھی ان کے ساتھ ہونٹ ہلاتا جیسا کہ مجھے سب کچھ یاد ہو۔

محمود، محمد اور ابراہیم کی دینداری سے بہت ناراض تھا، اور اس سے پہلے حسن کی دینداری سے ناراض تھا، وہ اکثر ان سب کے ساتھ بیٹھتا یا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ اکیلے بیٹھ کر انہیں مسجد جانے اور وہاں بیٹھنے اور وہاں ہونے والی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے منع کرتا۔ وہ انہیں خبردار کرتا کہ ان سب کا انتظام کرنے والے اخوان المسلمین کے افراد ہیں، اور کہتا کہ شیخ احمد اخوانجی ہے اور اخوان عبد الناصر کے خلاف ہیں اور عرب اتحاد کے خلاف ہیں اور فلسطین کی آزادی تنظیم کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ فلسطینی انقلاب کے شہداء (فطائس) ہیں، شہداء نہیں، اور مزاحمت اور مسلح جدوجہد میں حصہ نہیں لیتے، تو وہ تینوں یا ان میں سے کوئی اکیلا ہوتا تو حیران ہو کر کہتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں مسجد جا رہا ہوں، حلقوں میں بیٹھ رہا ہوں اور جو کہا جا رہا ہے سن رہا ہوں، وہاں ایسا کچھ نہیں ہے جیسا تم کہہ رہے ہو۔ تو محمود کہتا اور اس کی آواز بلند ہو جاتی اور وہ زیادہ غصے میں کہتا، میں انہیں جانتا ہوں، وہ ابھی تمہیں یہ سب نہیں بتا رہے، ابھی تمہیں دین، اسلام، رسول اور نماز کے بارے میں بتا رہے ہیں، پھر وہ گرم موضوعات پر بات کریں گے۔ تو ان میں سے کوئی غصے سے کہتا، ارے بھائی چھوڑو یہ باتیں، کیا تم ہمیں بچے سمجھتے ہو؟ میں جتنی بھی بار مسجد میں جا کر ان حلقوں میں بیٹھا، کبھی کسی نے سیاست کا ذکر نہیں کیا، نہ ہی فلسطین، مزاحمت، قبضے، فلسطینی مسئلے کی تاریخ، نہ ہی آزادی تنظیم کا ذکر کیا، نہ فتح، نہ شہداء اور نہ ہی کسی اور کا، وہ صرف دینی موضوعات پر بات کرتے تھے۔

ان موضوعات پر کیا بات چیت ان نشستوں میں ہوئی جن میں میں شریک نہیں تھا؟ میں نہیں جانتا، لیکن میں بھی کیمپ کے دیگر نوجوانوں کی طرح اس وقت ابو عمار یاسر عرفات کے لیے بہت احترام اور قدر کا جذبہ محسوس کرتا تھا، جو فلسطینی انقلاب کی علامت بن گئے تھے۔ میں انہیں اپنا قائد اور رہنما مانتا تھا، اور ہم نے ہمیشہ مظاہروں میں ان کی تصویر اٹھائے رکھی، اور "بالروح بالدم نفديك يا أبو عمار" کا نعرہ لگایا، ہم یہ نعرہ دل کی گہرائیوں سے، پوری سچائی اور سنجیدگی کے ساتھ لگاتے تھے۔

لیکن میں نے محسوس کیا کہ میرا بھائی حسن میرے اور کیمپ کے دیگر نوجوانوں کی طرح نہیں تھا، کیونکہ جب ابو عمار کا ذکر ہوتا، تو وہ ہمارے جیسا جوش و خروش نہیں دکھاتا تھا، جیسے کہ یہ کوئی عام شخص ہو جس کا ذکر ہو رہا ہو، لیکن میں نے کبھی اسے ابو عمار یا فلسطین لبریشن آرگنائزیشن[1]

جب شہداء کا موضوع آتا، اور کہا جاتا کہ فلاں شہید ہو گیا، تو وہ کبھی کبھی کہتا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون شہید ہے اور کون نہیں، یہ نیتوں اور دلوں کا معاملہ ہے، اس کی صاف گوئی اس وقت زیادہ نمایاں ہوتی جب الجبهة الشعبية کے کسی رکن کی شہادت کا ذکر ہوتا، وہ کہتا: کسے پتا ہے کہ وہ شہید ہے؟ ہو سکتا ہے کہ وہ اصلاً خدا پر ایمان نہ رکھتا ہو اور ملحد ہو، تو وہ کیسے شہید ہو سکتا ہے؟ ایسے مواقع پر محمود غصے میں آ جاتا اور چیخ کر کہتا: تم کون ہو اور تمہارے سارے مشائخ کون ہوتے ہیں جو یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ فلاں شہید ہے اور فلاں نہیں؟ تم لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ کر، اپنی عورتوں کے پاس بیٹھ کر ان لوگوں پر فتوے لگاتے ہو جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر وطن کے لیے لڑتے ہیں، حسن کچھ غیر واضح الفاظ میں بڑبڑاتا، غصے میں اٹھتا اور وہاں سے چلا جاتا، اور اگر محمد اور ابراہیم وہاں ہوتے تو تھوڑی دیر بعد وہ بھی چلے جاتے، اور محفل بگڑ جاتی اور ٹوٹ جاتی۔ جب عبد الحفیظ ان نشستوں میں ہوتا تو گفتگو بہت زیادہ گرم ہو جاتی، وہ مشائخ اور دین پر حملہ کرنا شروع کر دیتا اور یہاں تک کہتا کہ اخوان المسلمین ایجنٹ ہیں کیونکہ وہ سعودی عرب سے تنخواہیں لیتے ہیں، اس کے علاوہ مختلف فکری مباحثے ہوتے، حسن اسے غصے میں ملحد اور خدا پر ایمان نہ رکھنے کا الزام دیتا، اور یہ کہ وہ سوویت یونین کے دم چھلے ہیں، جس نے ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کو سب سے پہلے تسلیم کیا تھا۔

حسن کی بہت سی باتیں مجھے پسند آتیں اور میری روح کی گہرائیوں میں اترتی، لیکن میں اس کے کچھ موقف نہیں سمجھ پاتا تھا اور میں اس کی کمزوری کو واضح طور پر محسوس کرتا تھا جب وہ اسلام پسندوں کے قومی ہمدردی میں کردار، مسلح جدوجہد میں ان کے کردار، اور وطن کے لیے جان دینے والے شہداء کے بارے میں بات کرتا تھا۔ چنانچہ ان کا فلسطین کی آزادی تنظیم PLO کے بارے میں مبہم موقف تھا، حسن، محمد اور ابراہیم ان معاملات میں اپنی واضح بے بسی محسوس کر رہے تھے اور وہ دوسروں کو اپنے موقف پر قائل کرنے سے قاصر تھے کیونکہ وہ خود بھی بالکل نہیں سمجھتے تھے کہ ان معاملات پر ان کا موقف کیا ہے، یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے شیخ احمد سے اس بارے میں پوچھا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ وہ ان امور پر اگلے دنوں میں مسجد میں ہونے والی نشستوں میں بات کریں گے۔

چند دن بعد مجھے محسوس ہوا کہ وہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ مغرب کی نماز مسجد میں پڑھنے جاؤں، کیونکہ عام طور پر یہ نشستیں مغرب اور عشاء کے درمیان ہوتی تھی، تو میں ان کے ساتھ چلا گیا، ہم نے شیخ حامد کے پیچھے مغرب کی نماز ادا کی جو کہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی آواز بمشکل سنائی دے رہی تھی، مسجد نوجوانوں، مردوں اور بچوں سے بھری ہوئی تھی، جو کہ اس کے برعکس تھی جب میں اپنے مرحوم دادا کے ساتھ بچپن میں آیا کرتا تھا۔ نماز کے بعد کچھ لوگ مسجد سے چلے گئے اور تقریباً پچاس نوجوانوں کا ایک بڑا حلقہ بن گیا، شیخ احمد بیٹھ گئے اور اپنی بات کا آغاز اللہ کی حمد و ثناء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے کیا، پھر انہوں نے انسان کے زمین پر کردار اور اللہ کی عبادت کے بارے میں بات شروع کی، اور ایک واضح مثال دی ربعی ابن عامر کی، جو سعد بن ابی وقاص کے قاصد کے طور پر رستم، جو کہ فارسی فوج کا کمانڈر تھا، کے پاس قادسیہ کے دن سے پہلے گئے، جب رستم نے ان سے پوچھا کہ "تم لوگ جزیرۃ العرب سے ہمارے خلاف جنگ کے لیے کیوں آئے ہو؟ تو ربعی ابن عامر نے جواب دیا: ہم تمہیں بندوں کی بندگی سے اللہ کی بندگی کی طرف، ادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف، اور دنیا کی تنگی سے دنیا اور آخرت کی وسعت کی طرف نکالنے کے لیے آئے ہیں۔

انہوں نے تفصیل سے وضاحت کی کہ ہمارے لوگوں کے لیے آج کے حالات میں اس پیغام کو سمجھنا مشکل ہے جبکہ ہماری قوم اور زمین پر قبضہ ہے، لیکن یہ واحد راستہ ہے آزادی اور نجات کا، لیکن لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے اور شاید اس کے خلاف بھی ہو سکتے ہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ مکہ میں لوگوں اور عربوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور ان میں عزت اور بلندی کی بات کرتے تھے، لیکن وہ نہیں سمجھتے تھے اور ان کے خلاف ہو گئے، آخر کار ثابت ہوا کہ عربوں کی عزت اسلام میں ہے اور یہی ہوا۔

پھر انہوں نے اسلام میں شہید کی تعریف پر بات کی کہ جو اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے لڑے وہ اللہ کی راہ میں ہے اور یہی شہید کی شرعی تعریف ہے، لوگوں میں جو شہید کا رواج ہے، وہ کچھ اور ہے، انہوں نے اسلامی جماعت کی نوعیت سے متعلق بہت سے مفاہیم پر بات

[1] المنظمة التحرير الفلسطينية (PLO) ایک قومی تنظیم ہے جو فلسطینی عوام کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس کی بنیاد ۱۹۶۴ میں رکھی گئی تھی، اور اس کا مقصد فلسطینیوں کی خود مختاری اور حقوق کے حصول کے لیے کوشش کرنا ہے۔

کی، گویا کہ وہ تحفظات کے بارے میں بات کر رہے تھے، فلسطینی آزادی تنظیم PLO فلسطینی قوم کی واحد نمائندہ ہے، لیکن یہ واضح طور پر نہیں بلکہ اشاروں میں کہا۔

شیخ حامد آئے اور عشاء کی اذان دی، تو ہم نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، شیخ حامد نے احمد کو امامت کے لیے آگے کر دیا، احمد نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور نماز میں سورہ اسراء کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی۔ وہ نماز میں بعض الفاظ یا جملے بار بار دہرا رہے تھے جیسے کہ وہ نماز سے پہلے کے درس کو مکمل کر رہے ہوں جس کا موضوع ''عباداً لنا أولي بأس شديد'' تھا، میں نے محسوس کیا کہ شیخ حامد صریحاً قبضے کے خلاف جدوجہد کے موضوع پر بات کرنے سے گریز کر رہے تھے اور اس کی طرف اشارے کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ قابض حکام کی طرف سے ان کی گرفتاری اور ان کے پیغام کو پھیلانے سے روکنے سے بچ سکیں۔

حسن، محمد اور ابراہیم مسجد سے خوش ہو کر باہر نکلے اور واپسی کے دوران انہوں نے شیخ کی باتوں سے اپنی رضامندی اور قناعت کا اظہار کیا اور ان کی تعریف کی۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ انہیں اس بات میں کیا پسند آیا، حالانکہ شیخ کی باتیں خوبصورت اور متاثر کن تھیں لیکن ان میں محمود اور عبد الحفیظ کے حسن کے ساتھ مکالمے میں اٹھائے گئے سوالات کے واضح جوابات نہیں تھے۔

کیمپوں میں زندگی کا معیار نمایاں طور پر بہتر ہو رہا تھا کیونکہ زیادہ تر گھروں میں ایک یا دو افراد اسرائیل میں کام کر رہے تھے اور پرانے حالات یا سعودی عرب اور کویت جیسے ممالک کے مقابلے میں بہتر آمدنی حاصل کر رہے تھے، لوگوں کی حالت واضح طور پر بہتر ہو رہی تھی، ہر گھر میں ریڈیو اور بہت سے گھروں میں ٹیلی ویژن موجود تھے، بہت سے گھروں نے بجلی کے نظام میں شمولیت اختیار کی تھی اور وہ روشن ہو گئے تھے، کچھ کے پاس فریج یا گیس کے چولہے بھی تھے اور زیادہ تر گھروں نے پانی کے نظام میں شمولیت اختیار کی تھی۔ ہمارے گھر میں ایک اچھا ریڈیو تھا اور ہم نے بجلی اور پانی کے نیٹ ورک میں شمولیت اختیار کی تھی، لیکن ابھی تک ہمارے پاس ٹیلیویژن، فریج یا گیس کا چولہا نہیں تھا، اس کے باوجود ہماری حالت بہت سے خاندانوں سے بہتر تھی، جو اب بھی مشکل حالات میں زندگی گزار رہے تھے۔

اہم بات یہ تھی کہ ہجرت کے بعد کی دو دہائیوں میں کیمپوں کی آبادی حیرت انگیز طور پر بڑھ گئی تھی اور مکانات میں رہائشیوں کی گنجائش نہیں رہی تھی، کیونکہ بہت سے لوگ جو اس وقت بچے تھے یا ہجرت کے بعد پیدا ہوئے تھے، اب جوان ہو کر شادی شدہ ہو چکے تھے اور ان کے بچے بھی تھے، ہر گھر میں ایک یا زیادہ شادی شدہ بھائی تھے اور کیمپوں کے پہلے ہی سے بھرے ہوئے مکانات مرغیوں کے ڈربوں کی مانند ہو گئے تھے، اس وقت حکومتی فوجی حکام کی طرف سے رہائشی منصوبوں کے بارے میں بات شروع ہو گئی تھی، جس کے تحت جو لوگ کیمپ میں اپنے گھر کو بڑھانا چاہتے ہیں، وہ رہائشی منصوبوں میں اپنا نام درج کر سکتے ہیں اور معمولی فیس ادا کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ کیمپ کا گھر گرا دیں، اس طرح ہر شادی شدہ فرد کو نئی بستیوں میں ایک کمرہ ملے گا۔

یہ معاملہ کیمپ کے رہائشیوں میں شدید بحث کا باعث بن گیا، اور کوئی بھی اجتماع یا ملاقات ہو، اس معاملے پر بات ہوتی اور لوگ حامی اور مخالف میں بٹ جاتے۔ حامی یہ نظریہ پیش کرتے کہ ہمیں حقیقت کے ساتھ سمجھوتہ کرنا پڑے گا، کیونکہ ہم ہمیشہ کے لیے کیمپوں میں سردین کے ڈبوں کی طرح نہیں رہ سکتے۔ گھروں میں ہماری بڑھتی ہوئی نسل کی وجہ سے جگہ نہیں ہو سکتی، اور مسئلے کا کوئی حل نظر نہیں آتا اور نہ ہی ہم عام زمین خرید کر اس پر مکان بنا سکتے ہیں کیونکہ اس کی لاگت ہماری پہنچ سے زیادہ ہے۔ مخالفین کو خدشہ ہے کہ کیمپوں سے آبادی کو نکالنے سے پناہ گزینوں کا مسئلہ ختم ہو جائے گا، اور یہ کہ یہ قبضے کا مقصد ہے کہ پناہ گزینوں کو ان محلوں میں آباد کیا جائے اور ان کا مسئلہ ختم کیا جائے۔ بحث جاری رہی اور یہ منصوبے ابھی تک ایک خیال ہی تھے جو عمل میں نہیں آئے تھے تاکہ کسی ایک فریق کی رائے یا اس کے برعکس ثابت ہو سکے۔

ایک دن جب میں سمندر کے کنارے سے گھر واپس آرہا تھا، تو میں نے دیکھا کہ میرا چچازاد ابراہیم مسجد سے واپس آرہا تھا اور ہمارے پڑوس کی ایک شوخ لڑکی اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھی تھی، جب اس نے ابراہیم کو دیکھا، جو شرم کے مارے زمین کی طرف دیکھ رہا تھا، تو اس نے شوخی سے کہا: او بڑے صاحب، ہماری طرف بھی دیکھ لو، نیچے کیوں دیکھ رہے ہو؟ ابراہیم کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا اور اس کے قدم تیز ہو گئے، جیسے وہ کسی لمبی قید سے بھاگ رہا ہو۔ یہ بات ابراہیم کے لیے بہت شرمناک تھی اور میں اسے دھمکاتا کہ اگر اس نے میرے ساتھ کوئی چالاکی کی، تو میں یہ بات اس کی چچی (میری ماں) کو بتا دوں گا۔

۱۹۷۳ء کی جنگ میں فتح کے باوجود جو فلسطینیوں کے لیے عملی طور پر کوئی تبدیلی نہیں لائی، ہمارے جذبات میں یہ ایک اسٹریٹیجک موڑ تھا۔ صحیح ہے کہ ہم نے اسرائیل کو فلسطین سے ختم ہوتے نہیں دیکھا، نہ ہی ہم اپنے شہروں اور دیہاتوں میں واپس آئے جہاں سے ہمارے لوگ ۱۹۴۸ء میں ہجرت کر گئے تھے، اور نہ ہی ۱۹۶۷ء میں مقبوضہ مغربی کنارے، غزہ، جولان اور سینائی کے علاقے آزاد ہوئے، اس کے باوجود، جو عملی طور پر ہوا وہ یہ تھا کہ مصری فوج نے نہر سویز اور بارلیو لائن کو پار کیا، مگر ہم اسرائیل کی شکست سے مکمل طور پر مطمئن اور راضی ہو گئے، ہم نے اس وقت چیزوں کو اسی طرح سمجھا، یقین کیا اور اپنے پورے دل و دماغ سے مان لیا کہ اسرائیل اور اس کی ناقابل شکست فوج کی کہانی عظیم عرب فوج کے ارادے کے سامنے ختم ہو گئی ہے، چاہے وہ مصری محاذ ہو یا شامی محاذ۔ ہم سب کا سر فخر اور عظمت سے بلند تھا، لیکن ہمارے یہ جذبات بتدریج بدلنے لگے جب ہم نے مصری صدر سادات کو اسرائیل کے ساتھ امن کے لیے تیار ہونے کی باتیں سنی، ہمارے صدمے کی حد اس وقت بڑھ گئی جب ہم نے سنا کہ وہ اسرائیلی پارلیمنٹ (کنسٹ) جانے کے لیے تیار ہیں۔ ہماری حیرانی اس وقت عروج پر پہنچ گئی جب ہم نے سادات کی یروشلم کے دورے اور

کنسٹ میں ان کے خطاب کی خبریں سنیں، ہمارے پاس گھر میں ٹیلی ویژن نہیں تھا، لہٰذا ہم نے وہ مناظر نہیں دیکھے، لیکن ریڈیو پر اس واقعے کی کوریج ہمارے لیے کافی تھی، یہ سمجھنا مشکل ہوگیا کہ یہ حقیقت تھی یا خیال؟ یہ صدمہ شاید پورے عرب دنیا کو متاثر کر گیا، کیونکہ مختلف نظاموں کے درمیان تضادات اور اختلافات شدید اور دور رس تھے۔

فلسطینی ہونے کے ناطے، ہم پوری طرح سے سادات اور کیمپ ڈیوڈ معاہدوں کے خلاف تھے، اور ہم خاص طور پر ان مخالف چینلوں کو سننا پسند کرتے تھے جو بغداد سے نشر ہوتے تھے۔ ہمارے خاندان کے لئے سب سے بڑا واقعہ یہ تھا کہ مصری جامعات نے فلسطینی طلباء کے لیے اپنے دروازے بند کر دیے تھے، جس کی وجہ سادات اور اسرائیل کے ساتھ امن کے معاہدے کی مخالفت کرنے والی تنظیم آزادی فلسطین کے درمیان شدید اختلافات تھے۔ اس کے نتیجے میں کچھ فلسطینیوں نے معروف صحافی ''السباعی'' کو قتل کر دیا، اس کے بعد مصری حکومت نے فلسطینیوں کے ساتھ تعلقات محدود کر دیے، جس میں فلسطینی ہائی اسکول کے فارغ التحصیل طلباء کی مصری جامعات میں داخلہ نہ دینا شامل تھا۔

میرے بھائی محمد نے اس سال اپنی ثانوی تعلیم مکمل کی اور اسے مصری یونیورسٹیوں میں داخلہ ملنا تھا، اس وقت ہمارے مالی حالات اس کے لیے انتہائی موزوں تھے۔ محمد کے پاس کئی راستے تھے کہ کہاں پڑھائی کرے، آخر کار اس نے فیصلہ کیا کہ وہ مغربی کنارے کے شہر رام اللہ کے قریب بیرزیت یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرے گا، اس نے وہاں کا سفر کیا اور یونیورسٹی میں داخلہ کی درخواست دی، جسے قبول کر لیا گیا اور وہ سائنس فیکلٹی میں داخل ہوگیا۔ اس نے نئے تعلیمی سال کے آغاز سے وہاں پڑھائی شروع کی، جہاں اس نے دوسرے طلباء کے ساتھ مل کر رام اللہ شہر میں ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لے لیا اور وہیں رہائش پذیر ہوگیا۔ محمد ہر مہینے ایک بار گھر آتا، چند دن ہمارے ساتھ گزارتا اور پھر واپس رام اللہ چلا جاتا۔

فدائی کارروائیاں مقبوضہ علاقوں اور ۱۹۴۸ء میں مقبوضہ ہونے والی زمینوں کے اندر جاری رہیں، لیکن ان میں کافی حد تک کمی آئی۔ قومی سرگرمیوں نے زیادہ تر سیاسی، انقلابی اور عوامی شکل اختیار کر لی تھی، اسرائیلی حکام نے مغربی کنارے میں بلدیاتی انتخابات کی اجازت دی تھی اور مختلف علاقوں میں سیاسی فریم ورک تشکیل دیے گئے تھے تاکہ انتخابات میں حصہ لے سکیں۔

الخلیل میں فتح تحریک کے نمائندوں نے جن کی قیادت فہد القواسمی نے کی، اخوان المسلمین اور دیگر کے ساتھ شیخ الجعبری کے خلاف اتحاد کیا، جو مغربی کنارے پر اردنی حکمرانی اور اسرائیلی قبضہ کے دوران میونسپلٹی کے صدر تھے۔ جب شیخ الجعبری نے دیکھا کہ ان کی جیت کا امکان کم ہے، تو وہ دستبردار ہوگئے اور فتح/اخوانی اتحاد جیت گیا اور میونسپلٹی کو نسل ایک فکری اور سیاسی آمیزے سے تشکیل پائی۔ مغربی کنارے کے دیگر شہروں میں بھی قومی نمائندے اور معروف قومی شخصیات جیسے نابلس میں بسام الشکعہ وغیرہ جیت گئے، اسی وقت مختلف پروفیشنل سوسائٹیز جیسے انجینئرنگ سوسائٹیز، میڈیکل سوسائٹیز، اور وکلاء کی سوسائٹیز مغربی کنارے کے مختلف شہروں میں تشکیل دی گئی جہاں ان کے انتظامی بورڈز کے انتخاب کے لیے دورانیہ انتخابات ہوتے تھے۔ ان انتخابات میں مارکسی یساری جماعتوں اور فتح کے درمیان مقابلہ ہوتا تھا، پھر اسلامی دھارا ابھرنے لگا جو اکثر مارکسی یساری کے خلاف فتح کے ساتھ اتحاد کرتا تھا اور کچھ مقامات پر خود بھی انتخابات میں حصہ لیتا تھا۔ اسی طرح کی سرگرمیاں یونیورسٹیوں میں بھی شروع ہوئیں جیسے نابلس کی النجاح نیشنل یونیورسٹی، رام اللہ کے قریب بیرزیت یونیورسٹی، اور الخلیل یونیورسٹی جو شہر کے شریعت کالج سے ترقی کر رہی تھی۔

اُس وقت ۱۹۷۰ء کی دہائی کے آخر میں، جب غزہ کی پٹی کے طلباء کے لیے مصری یونیورسٹیوں کے دروازے بند ہوگئے، غزہ شہر کی کچھ اہم شخصیات نے مل کر غزہ کی پٹی میں ایک یونیورسٹی کھولنے کا فیصلہ کیا اور انہوں نے اس کے لیے اسرائیلی حکام سے رابطہ کیا، جنہوں نے یونیورسٹی کے قیام کی اجازت نہیں دی، لیکن اس بات پر اتفاق مشکل نہیں تھا۔ کیونکہ غزہ میں الازہر دینی انسٹیٹیوٹ کے ثانوی اسکول میں شام کے وقت ایک یونیورسٹی کھولی گئی، جو انسٹی ٹیوٹ کا تسلسل معلوم ہوتی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ یہ پھیلنے لگی اور یونیورسٹی میں تبدیل ہوگئی، حالانکہ اسے کبھی بھی قابض حکام کی جانب سے تسلیم نہیں کیا گیا، بلکہ اسے ہمہ وقت محاصرے اور مشکلات کا سامنا رہا۔

ان شخصیات نے یونیورسٹی کھولنے کے لیے بیرون ملک تنظیم آزادی فلسطین کی قیادت سے رابطے جاری رکھے، اور فلسطین اور بیرون ملک کے کچھ معروف شخصیات سے بھی رابطہ کیا تاکہ عرب ممالک میں یونیورسٹی کے لیے مالی مدد حاصل کی جا سکے۔ اور چونکہ مصر اور اسرائیل کے درمیان کیمپ ڈیوڈ معاہدوں کو عملی جامہ پہنایا جا چکا تھا، اسرائیل نے ۱۹۶۷ء میں مقبوضہ علاقوں میں اپنی تصویر بہتر بنانے کی کوششیں شروع کیں، اور کیمپ ڈیوڈ معاہدے میں شامل خود مختاری کی تیاری کے طور پر نام نہاد شہری انتظامیہ قائم کی، جسے ایک مرحلہ وار خود مختاری کے قیام کے لیے فوجی قیادت سے علاقوں کی انتظامیہ کی ذمہ داری لینی تھی۔

شہری انتظامیہ محض فوجی حکمرانی کے لیے ایک نیا نام تھا اور تبدیلیاں واضح اور نمایاں نہیں تھی، لیکن کچھ کنٹرول شدہ سیاسی اظہار کے مواقع کھولنے کے حوالے سے یہ محسوس کیا گیا تھا۔ اس دوران اسلام پسندوں نے متحرک ہو کر ادارے اور انجمنیں کھولنے کی درخواستیں دیں، عثمانی قانون کے مطابق انہیں اس کی اجازت دی گئی، جیسے اسلامی انجمنیں، نوجوانوں کی مسلم انجمنیں، خیراتی ادارے، کلب، نرسریاں اور طبی کلینک جن کے ذریعے انہوں نے لوگوں کو خدمات فراہم کرنا شروع کیں اور اس طرح اسلام پسندوں کے خیالات کو پھیلانا شروع کیا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۹ پر)

خباب ابن السبیل

مغربی میڈیا نے کس طرح اسرائیلی نسل کشی کو 'جعلی خبروں' میں تبدیل کرنے میں مدد دی؟

جوناتھن کک مڈل ایسٹ آئی کے لیے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ مغربی میڈیا، اسرائیل کی نسل کشی کو "جائز قرار دینے" کے لیے لازم وملزوم رہا ہے۔ جس طرح اسرائیل نے اقوام متحدہ کی امدادی ایجنسیوں کو بدنام اور خارج کر کے غزہ کے قحط کو 'انجینئر' کیا ہے، اسی طرح وہ فلسطینی صحافیوں کو بدنام اور قتل کر کے قحط کی مناسب کوریج کو روک رہا ہے۔

جو چیز سب سے زیادہ حیران کن ہے وہ ہے مغربی میڈیا کا اسرائیل کے جھوٹ کو فروغ دینے میں مسلسل تعاون۔ جرمنی کے سب سے مقبول اخبار، بِلڈ bild نے ایک فرنٹ پیج خبر شائع کی جس پر لکھا تھا: "غزہ میں صحافی کے بھیس میں دہشت گرد مارا گیا۔" نہ یہ وضاحت کہ یہ فلاں کا دعویٰ ہے، نہ ہی کوئی اقتباس کو ظاہر کرتے واوین۔ مغربی کوریج سے جو سیاق وسباق غائب ہے وہ یہ کہ اسرائیل نے گزشتہ دو سالوں میں غزہ میں ۲۴۰ سے زیادہ فلسطینی صحافیوں کو قتل کیا ہے، دونوں عالمی جنگوں، کوریا کی جنگ، ویتنام کی جنگ، سابق یوگوسلاویہ کی جنگوں اور افغانستان کی مشترکہ جنگوں میں مارے گئے تمام صحافیوں کی کل تعداد سے زیادہ۔ اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندے نے حال ہی میں تبصرہ کیا کہ اسرائیل غزہ پر کسی بھی قسم کی آزادانہ رپورٹنگ کو ختم کرنے کے لیے انتہائی منصوبہ بندی کے ساتھ ہدف بنا کر قتلِ عام کا پروگرام چلا رہا ہے۔

اسرائیل کے جعل ساز بیانیے اس وجہ سے کام کرتے ہیں کہ مغربی صحافیوں کی ان ڈس انفارمیشن مہمات کو قبول کیا جاتا ہے اور مغربی سامعین بھی انہیں مان لیتے ہیں۔ یہ اس لیے کام کرتے ہیں کیونکہ مغرب کے سیاسی اور میڈیا طبقوں کی طرف سے نسل در نسل ہمارے اندر ایک گہری نسل پرستی کو فروغ دیا گیا ہے۔ غزہ کی نسل کشی کی پردہ پوشی اور اس میں مغربی ملی بھگت، نسل پرستانہ، نو آبادیاتی ایجنڈوں کی ایچ ڈی (HD) میں ایک تصویر فراہم کرتی ہے جسے ہم 'خبریں' کہتے ہیں۔

اسرائیل کی طرف سے غزہ کے عوام کا بڑے پیمانے پر قتل عام اور ان کی فاقہ کشی، جو اب اسرائیل کے تیار کردہ قحط کے طور پر باضابطہ طور پر تصدیق شدہ ہے، کا جواز شروع سے ہی بے سروپا جھوٹ کے تسلسل میں بنایا گیا تھا جیسے شیر خوار بچوں کے سر قلم کیے گئے، اوون میں بچوں کو ڈال دیا گیا، اجتماعی عصمت دری کی گئی وغیرہ وغیرہ۔

اس سے کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اسرائیل نے اسی طرح کے اشتعال انگیز جھوٹ کو آگے بڑھایا۔ اس نے اقوام متحدہ کی ایجنسی انروا کی طرف سے فراہم کی جانے والی انسانی امداد کو منقطع کر دیا اور محصور غزہ کے ہسپتالوں کو تباہ کر دیا، اس کے طبی عملے کو قتل کیا، جیل میں ڈالا اور تشدد کا نشانہ بنایا۔ غزہ کے تمام ۳۶ ہسپتالوں پر حملہ کیا گیا ہے۔ ایسے حملے جن کا مضمر استدلال یہ تھا کہ وہ حماس کے "کمانڈ اینڈ کنٹرول سینٹرز" کے اوپر بنائے گئے تھے، حالانکہ وہ مراکز کبھی نہیں ملے۔ اس بیانیے کو وسعت دیتے ہوئے، اسرائیل نے غزہ کے سرکردہ ڈاکٹروں کو پکڑا اور جیلوں میں ڈال دیا، جبکہ وہ معزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے نہ ختم ہونے والے شدید دباؤ کے دوران علاج کے لیے چوبیس گھنٹے کام کر رہے تھے۔ اسرائیل نے مغربی صحافیوں کو غزہ تک رسائی سے روک دیا اور پھر فلسطینی صحافیوں کو ایک ایک کر کے غزہ سے نکال دیا، یہاں تک کہ ۲۰۰ سے زیادہ قتل ہو چکے، جن میں صرف گزشتہ چند ہفتوں میں ۱۱ بشمول مڈل ایسٹ آئی اور الجزیرہ کے معاونین شامل ہیں۔ دوسروں کو بیرون ملک حفاظت کے لیے فرار ہونے پر مجبور کیا گیا۔

مغربی پریس نے گزشتہ ۲۲ مہینوں کی نسل کشی کے دوران اپنے صحافیوں کے انخلاء کے بارے میں کوئی آواز نہیں اٹھائی، اجتماعی طور پر لاپرواہی کا مظاہرہ کیا حالانکہ غزہ میں ان کے ساتھیوں کو آہستہ آہستہ ختم کیا جا رہا تھا۔ اسرائیل نے ایک فضائی حملے کا جشن بھی منایا جس میں چھ فلسطینی صحافی مارے گئے، جن میں الجزیرہ کے لیے غزہ سٹی کو کور کرنے والی پانچ افراد کی ٹیم بھی شامل تھی۔

اسرائیل غزہ شہر کی باقیات کو آخری حد میں دھکیلنے کے لیے ساٹھ ہزار فوجیوں کو بلا رہا ہے، جہاں تقریباً ۱۰ لاکھ فلسطینی موجود ہیں۔ جن میں سے نصف بچے ہیں اور بھوک سے مر رہے ہیں۔ ان شہریوں کو یا تو مار دیا جائے گا یا حراستی کیمپ میں لے جایا جائے گا، اسرائیل مصر کی سرحد کے قریب ایک "انسان دوست شہر" بسانے کی بات کر رہا ہے۔ وہاں، وہ اپنے حتمی انخلاء کا انتظار کریں گے، ممکنہ طور پر جنوبی سوڈان کی جانب، ایک ناکام ریاست جو پہلے ہی خانہ جنگی کا شکار ہے۔

کیا ترکی اور متحدہ عرب امارات صومالیہ میں امریکی مفادات کے نگہبان بن رہے ہیں؟

واشنگٹن انسٹی ٹیوٹ کے مضمون "To Halt the Jihadist Advance in Somalia, Work with Turkey and the UAE" میں مصنف ایدو لیوی (Ido Levy) کے مطابق صومالیہ میں القاعدہ سے منسلک گروپ الشباب نے حالیہ برسوں میں نمایاں پیش قدمی کی ہے، خاص طور پر جولائی ۲۰۲۵ء میں وسطی صومالیہ کے شہر مہاس پر قبضہ کرنے کے بعد۔ صومالیہ کی وفاقی حکومت (FGS) کو ۲۰۲۲ء میں شروع کی گئی فوجی کارروائیوں کے باوجود، جن میں امریکی تربیت یافتہ داناب بریگیڈ اور مقامی قبائلی ملیشیا شامل تھیں، الشباب کے خلاف کامیابی برقرار رکھنے میں ناکامی ہوئی۔ اس کی وجہ فوج کی کرپشن، سیاسی تنازعات، اور افریقی یونین (AU) کے مشن کی کمزور حمایت ہے۔

مضمون میں تجویز دی گئی ہے کہ الشباب کی پیش قدمی روکنے کے لیے ترکی اور متحدہ عرب امارات (UAE) کے ساتھ

تعاون کو مضبوط کیا جائے، جو صومالی فوج کے لیے تربیتی پروگرام چلا رہے ہیں۔ ترکی اور UAE خطے میں اثر و رسوخ کے لیے ماضی میں ایک دوسرے کے مد مقابل تھے، لیکن اب ایک غیر رسمی معاہدے کے تحت کام کر رہے ہیں۔ ان کے تربیتی پروگراموں کو بہتر بنانے اور AU مشن کے لیے فنڈنگ کی تجدید سے صومالیہ کی سیکورٹی فورسز کو تقویت مل سکتی ہے۔

مضمون میں زور دیا گیا ہے کہ امریکہ کو ان ممالک کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے، کیونکہ ان کے پروگرام بڑے پیمانے پر قابل توسیع ہیں، جبکہ امریکی حمایت یافتہ داناب پروگرام محدود ہے اور یورپی یونین کا تربیتی مشن ناکافی ہے۔ مزید برآں، مضمون میں الشباب کے حوالے سے عالمی خطرات بالخصوص امریکی مفادات پر حملوں کی منصوبہ بندی کے حوالے سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

ترکی نے مبینہ طور پر الشباب کے خلاف حملوں میں پہلے سے استعمال ہونے والے TB2 ڈرون کی معاونت کے لیے Akinci ڈرون بھی صومالیہ بھیجے ہیں۔ متحدہ عرب امارات نے سرکاری طور پر ۲۰۱۴ء میں SNA اہلکاروں کو تربیت دینا شروع کی لیکن موغادیشو کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے اس نے پروگرام کو ۲۰۱۸ء سے ۲۰۲۲ء تک معطل کر دیا۔ اس نے فروری ۲۰۲۴ء میں اس پروگرام کو دوبارہ منجمد کر دیا جب الشباب نے دارالحکومت میں جنرل گورڈن کیمپ پر حملہ کیا، جس میں چار اماراتی افسران اور ایک بحرینی افسر ہلاک ہوا۔ ابوظہبی نے مصر، اریٹیریا، یوگنڈا، اور جبوتی میں SNA کے فوجیوں کی تربیت کے لیے مالی امداد بھی کی ہے تاکہ AU کے دستوں کی جگہ لینے کے لیے اعلیٰ معیار کے باقاعدہ یونٹوں کو ترتیب دیا جا سکے۔ رپورٹ کے مطابق یوگنڈا میں تربیت یافتہ افراد کے ایک گروپ نے ملٹری پولیس یونٹ تشکیل دیا جس نے موغادیشو میں الشباب مجاہدین کے خلاف اہم کردار ادا کیا ہے۔

رپورٹ میں امریکی حکومت کو یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ وہ ترکی اور متحدہ عرب امارات کی جانب سے صومالی فورسز کو دی جانے والی تربیت کے فریم ورک میں اس امر کو یقینی بنائیں کہ فورسز کا فوکس الشباب رہے یعنی اگر فورسز کو داخلی سیاست یا دیگر علاقائی تنازعات میں استعمال کیے جانے کا خدشہ ہو تو اسے روکنے کا طریقہ کار موجود ہو۔

یہ وہی پالیسی ہے جو امریکہ نے پاکستان کے لیے اپنا رکھی ہے کہ جو جہاز اور جنگی ساز و سامان امریکہ سے حاصل کیے گئے ہیں وہ پاکستان و افغانستان میں فقط مجاہدین کے خلاف استعمال ہوں اور اگر پاکستان انہیں بھارت کے خلاف استعمال کرے یا کرنا چاہے تو اس کی روک تھام کے لیے راستے موجود ہوں۔ مسلم ممالک پر مسلط کی گئی افواج کی یہی حقیقت ہے جو مسلمانوں کے وسائل اور خون پسینے کی کمائی پر پلتی ہیں مگر انہیں پابند کیا جاتا ہے کہ یہ امریکہ و مغرب کے مفادات کے تحفظ کے لیے ہی خود کو کھپائیں۔

عرب افواج کی مصر میں النجم الساطع ۲۰۲۵ فوجی مشقیں

غاصب و قابض اسرائیل کی فلسطینیوں کی جاری نسل کشی کے دوران اس کے بالکل پڑوس مصر میں دوسرے پڑوسیوں بشمول سعودی عرب سمیت ۴۴ ممالک کی فوجی مشقیں ہو رہی ہیں۔ یہ مصر کے شمالی حصے میں واقع محمد نجیب فوجی اڈے پر "النجم الساطع ۲۰۲۵" (Bright Star) فوجی مشقیں ہیں جو ۲۸ اگست تا ۱۰ ستمبر جاری رہیں گی۔ اس کے آفیشل لوگو میں پاکستان کا جھنڈا بھی شامل ہے۔ ایک خبر کے مطابق پاکستان ان مشقوں میں بطور آبزرور شرکت کر رہا ہے۔

مشقوں میں مشترکہ آپریشنز کا عملی مظاہرہ کیا جا رہا ہے جن میں دہشت گردی کے خلاف کارروائیاں، غیر روایتی جنگ، لوجسٹک سپورٹ، طبی انخلا، بحری سلامتی اور آبی آپریشنز شامل ہیں۔ اس کے علاوہ حقیقی گولہ بارود کے ساتھ فائرنگ کی مشقیں، اور ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لیے اسٹریٹجک نقل و حرکت کے تربیتی مراحل بھی انجام دیے جا رہے ہیں۔

یاد رہے! برائٹ اسٹار مشترکہ فوجی مشقوں کا ایک سلسلہ ہے جس کی قیادت امریکہ اور مصر کرتے ہیں۔ مشقوں کا آغاز ۱۹۸۰ء میں ہوا، جس کی جڑیں ۱۹۷۷ء کے کیمپ ڈیوڈ معاہدے سے ملتی ہیں۔ اس پر دستخط کے بعد، امریکی مسلح افواج اور مصری مسلح افواج نے مصر میں مل کر تربیت کرنے پر اتفاق کیا تھا۔

ایک اور رپورٹ کے مطابق مصر نے مبینہ طور پر صحرائے سینا میں تقریباً چالیس ہزار فوجیوں کو تعینات کیا ہے، جو ۱۹۷۹ء کے مصر، اسرائیل امن معاہدے کے تحت منظور شدہ بائیس ہزار سے تقریباً دوگنا ہے۔ مصر کا کہنا ہے کہ اگر اسرائیل فلسطینیوں کو غزہ سے باہر دھکیلتا ہے تو یہ فلسطینیوں کی بڑے پیمانے پر آمد کو روکنے کے لیے ایک دفاعی اقدام ہے۔

اسرائیل مصر کو قدرتی گیس کی ترسیل کے لیے ۳۵ ارب ڈالر کی ایک نئی اور بڑی ڈیل پر دستخط کر چکا ہے۔ یہ ڈیل قابض اسرائیل کی تاریخ کا سب سے بڑا برآمدی معاہدہ قرار دی جا رہی ہے۔ یہ گیس مشہور "لیویاتھان" فیلڈ سے حاصل کی جائے گی، جو بحیرہ روم کے پانیوں میں قابض اسرائیل کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ اس فیلڈ میں قدرتی گیس کے ذخائر کا اندازہ تقریباً ۶۰۰ ارب مکعب میٹر لگایا گیا ہے۔ معاہدے کے مطابق اب اسرائیل ۲۰۴۰ء تک مصر کو ۱۳۰ ارب مکعب میٹر گیس برآمد کرے گا، یا جب تک مکمل مقدار فراہم نہ ہو جائے۔

کیا انڈونیشیا کو امریکی بحریہ کے ایم آر او آپریشنز کی میزبانی کرنی چاہیے؟

اگست میں، انڈونیشیا کی سب سے بڑی میری ٹائم مینوفیکچرنگ کمپنی PT PAL، جو سرکاری ملکیت بھی ہے، نے نیویارک، کیلیفورنیا، جنوبی کیرولائنا، مغربی ورجینیا، نیواڈا اور واشنگٹن سے امریکی کانگریس کے عملے کے لیے ایک دورے کی میزبانی کی۔ ملاقات کا مقصد انڈونیشیا اور امریکہ کے درمیان بالخصوص بحری دفاع اور صنعتوں کے شعبے میں تعاون کے مواقع تلاش کرنا اور اسے مضبوط بنانا تھا۔ میٹنگ میں، PT PAL نے کہا کہ وہ ہند-بحرالکاہل کے علاقے میں کام کرنے والے امریکی بحریہ کے جہازوں کے لیے دیکھ بھال، مرمت اور اوورہال (MRO) کی خدمات فراہم کرنے کے لیے تیار ہیں۔

ارسٹیو رزکا درماوان (Aristyo Rizka Darmawan) جو بین الاقوامی قانون کے لیکچرر اور آسٹریلین نیشنل یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی سکالر ہیں، اس اہم پیشرفت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”اس منصوبے کے اہم جغرافیائی سیاسی مضمرات پر غور کرتے ہوئے، انڈونیشیا کو اس منصوبے کے ساتھ آگے بڑھنے سے پہلے تمام خطرات اور مواقع کا بہت احتیاط سے اندازہ لگانے کی ضرورت ہے۔ اگر انڈونیشیا امریکی بحریہ کو ایم آر او خدمات فراہم کرنے کا فیصلہ کرتا ہے، تو خطے میں بین الاقوامی مسلح تصادم کی صورت میں اس کے لیے غیر جانبدار رہنا مشکل ہو جائے گا۔

دیکھ بھال، مرمت، اور اوورہال (ایم آر او) کسی بھی بحریہ کے لیے ضروری آپریشنز ہیں۔ وہ بحری جہازوں کو بحال اور مرمت کرنے کے قابل بناتے ہیں، اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ وہ کام کرنے کی بہترین حالت میں ہوں۔ امن کے وقت میں بحری صلاحیت کو یقینی بنانے کے لیے ایم آر او اہم ہے، لیکن ظاہر ہے کہ مسلح تصادم کے دوران یہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔

انڈوپیسیفک خطے میں بڑھتے ہوئے جغرافیائی سیاسی تناؤ کے ساتھ، خاص طور پر آبنائے تائیوان اور بحیرہ جنوبی چین جیسے گرم مقامات کی وجہ سے، امریکہ نے حال ہی میں اس خطے میں اپنی فوجی موجودگی میں اضافہ کیا ہے، جس میں بحریہ کے جہازوں کی ایک قابل ذکر تعداد کو تعینات کرنا بھی شامل ہے۔ اس مشن کے لیے موثر تعاون کو یقینی بنانے کے لیے، امریکہ کو اب خطے میں مزید ایم آر او خدمات کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حالیہ برسوں میں اس نے روایتی امریکی شراکت داروں اور اتحادیوں کے ساتھ امریکی فوجی اثاثوں کی دیکھ بھال کے لیے ایم آر او معاہدوں میں اضافہ کیا ہے۔ ان میں جنوبی کوریا، جاپان، فلپائن اور آسٹریلیا شامل ہیں۔

لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ امریکہ ایم آر او معاہدوں کو خطے میں اپنے روایتی فوجی شراکت داروں اور اتحادیوں سے ہٹ کر غیر اتحادی ممالک جیسے انڈونیشیا تک بڑھانے کے لیے تیار ہے۔ انڈونیشیا کا سٹریٹیجک مقام، جس میں انتہائی اہم بین الاقوامی سمندری راستے جیسے ملاکا، لومبوک اور آبنائے سنڈا شامل ہیں، انڈوپیسیفک میں کام کرنے والی تمام بحری افواج کے لیے انتہائی اہم ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امریکہ انڈونیشیا کے خطے میں اپنے ایم آر او پروجیکٹ کی توسیع کا حصہ بننے کا خواہش مند کیوں ہے۔

امریکہ کے ساتھ ٹیرف مذاکرات کے دوران، آئی ڈی این ٹائمز کا ایک مضمون لیک ہوا کہ بحری سکیورٹی تعاون میں اضافہ انڈونیشیا کی پیشکشوں میں سے ایک تھی جس میں ٹیرف میں ۳۲ فیصد سے ۱۹ فیصد تک کمی کی گئی تھی۔ اگرچہ وائٹ ہاؤس کی جانب سے جاری کیے گئے حتمی بیان میں معاہدے کے حصے کے طور پر میری ٹائم سکیورٹی کا خاص طور پر ذکر نہیں کیا گیا، لیکن اگر امریکہ اور انڈونیشیا آنے والے برسوں میں اپنے میری ٹائم سکیورٹی تعاون میں اضافہ کرتے ہیں، تو ایم آر او منصوبہ شروع کرنے کا ایک مؤثر طریقہ ہو گا۔ انڈونیشیا کو اس سے کیا معاشی فوائد حاصل ہوسکتے ہیں وہ اپنی جگہ ہے مگر کم از کم تین اہم خطرات بھی ہیں۔ پہلا، ایم آر او منصوبہ خطے میں امریکہ اور چین کی دشمنی کو تیز کر سکتا ہے۔ چین ہمیشہ سے خطے میں امریکی بحریہ کی موجودگی پر شکوک و شبہات کا اظہار کرتا رہا ہے اور ایم ار او پیش کر کے انڈونیشیا خطے میں امریکی بحری موجودگی کی حمایت کرے گا۔ یہ انڈونیشیا چین تعلقات اور تعاون کے لیے ایک بڑا دھچکا ہو گا۔ دوسرا، انڈونیشیا کو ایم آر او کے مقام کا فیصلہ کرتے وقت محتاط رہنا چاہیے، کیونکہ یہ نہ صرف رسائی کا تعین کرتا ہے بلکہ سیاسی پیغام بھی دیتا ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ کی طرف سے فلپائن میں تعمیر کی گئی حالیہ مرمت کی فیسلٹی پلوان شہر میں تعمیر کی گئی تھی، جو براہ راست بحیرہ جنوبی چین کی طرف ہے۔ اگر بحیرہ جنوبی چین میں فوجی اضافہ ہوا تو یہ فیسلیٹی واضح طور پر تنازع میں ملوث امریکی اثاثوں کے لیے مددگار ثابت ہو گی۔ تیسرا، انڈونیشیا کے لیے ایم آر او آپریشنز کی تفصیل پر بات کرنا ضروری ہے۔ انڈونیشیا میں کس قسم کے فوجی جہاز ایم آر او سے گزریں گے۔ کیا ان میں جنگی جہاز، کروزر، تباہ کن، فریگیٹس اور کارویٹ شامل ہوں گے؟ یا کیا صرف غیر جنگی معاون جہاز ہی قبول کیا جائے گا؟ یہ بہت اہم ہے کیونکہ اگر چین اور امریکہ کے درمیان مسلح تصادم شروع ہوتا ہے تو اس کے انڈونیشیا کی غیر جانبداری پر براہ راست اثرات مرتب ہوں گے۔ پچاس کی دہائی سے انڈونیشیا نے ہمیشہ ’غیر جانبدار، آزاد اور فعال‘ خارجہ پالیسی پر زور دیا ہے، جو اسے کسی بھی ملک کے ساتھ کسی بھی فوجی اتحاد کا حصہ بننے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ دیکھنا مشکل ہے کہ ایم آر او کے انتظامات اس نقطہ نظر کے ساتھ کس طرح ہم آہنگ ہوسکتے ہیں۔ اگر امریکہ مسلح تصادم کے دوران انڈونیشیا کی ایم ار او خدمات استعمال کرنا چاہتا ہے تو انڈونیشیا کے لیے اپنی غیر جانبداری برقرار رکھنا اور تنازع میں نہ پھنسنا بہت مشکل ہو گا۔

انڈونیشیا میں اراکین پارلیمنٹ کی تنخواہوں اور مراعات کے خلاف پرتشدد مظاہرے

انڈونیشیا میں حالیہ احتجاجی مظاہروں نے شدت اختیار کر لی ہے، جس کی وجہ سے متعدد صوبوں میں پارلیمنٹ کی عمارتیں نذرِ آتش ہوئیں۔ یہ احتجاج اراکینِ پارلیمنٹ کی تنخواہوں اور مراعات میں اضافے کے مجوزہ منصوبے کے خلاف شروع ہوئے۔ صدر پرابوو سوبیانتو کی جانب سے عوامی ردعمل کو کنٹرول کرنے کے لیے بیان بھی جاری کیا گیا مگر تب تک دیر ہو چکی تھی۔ حالات کشیدہ ہو گئے، اور نذرِ آتش ہونے والی عمارتوں میں کئی افراد جاں بحق ہوئے۔ بعدازاں، سیاسی جماعتیں اراکینِ پارلیمنٹ کی مراعات میں کٹوتی پر متفق ہو گئیں، اور صدر نے پریس کانفرنس میں اس فیصلے کا اعلان کیا۔ انڈونیشیا دنیا کی بڑی معیشتوں میں سے ایک ہے، لیکن اس کی آبادی کا ایک بڑا حصہ اب بھی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہا ہے۔ دیہی اور شہری علاقوں کے درمیان آمدنی کا فرق نمایاں ہے، جو سماجی تناؤ کو بڑھاتا ہے۔ حالیہ احتجاج اس عدم مساوات کی عکاسی کرتے ہیں، کیونکہ پارلیمنٹ کی مراعات میں اضافے کو عوام نے اشرافیہ کی بے حسی کے طور پر دیکھا۔ حکمران طبقے کی تنخواہوں اور مراعات کے معاملے پر احتجاج اسی بداعتمادی کا نتیجہ ہیں، کیونکہ عوام سمجھتی ہے کہ وسائل کا غلط استعمال ان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے بجائے اشرافیہ کے مفادات کے لیے ہو رہا ہے۔

کالم نگار تنویر قیصر انڈونیشیا کی اس صورتحال کا موازنہ پاکستان سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پاکستان اور انڈونیشیا، دونوں اسلامی ممالک کے عوام سنگین سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل و مصائب کے لحاظ سے ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ فرق یہ ہے کہ انڈونیشیائی عوام کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا ہے اور وہ دیوانہ وار 'اپنی' حکومت کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہُوئے سڑکوں پر نکل آئے ہیں، جب کہ پاکستان کے عوام نے ابھی یہ راستہ اختیار نہیں کیا ہے۔ اس عوامی صبر سے ہماری حکومت اور ہمارے ہمہ قسم کے حکمرانوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ عوام میں حکومت کے خلاف باہر نکلنے کی سکت ہے نہ ہمت۔"

امریکہ ہمارے ساحلوں سے دور رہے: وینزویلا

وینزویلا کے نائب صدر ڈیلسی روڈریگز نے امریکہ کو خبردار کیا ہے کہ وہ وینزویلا کے ساحلوں اور علاقوں سے دور رہے کیونکہ کیریبین میں امریکی بحریہ کی تعیناتی سے کشیدگی میں اضافہ ہوا ہے۔ ریاست کارابوبو میں خطاب کرتے ہوئے روڈریگز نے امریکی حکومت پر بحیرہ کیریبین میں جنگی بحری جہاز بھیجنے پر معاندانہ اقدامات کا الزام عائد کیا۔ انہوں نے واشنگٹن کو سخت الفاظ میں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے مسائل خود حل کریں اور وینزویلا کے ساحلوں اور علاقے سے دور رہیں۔ روڈریگز نے متنبہ کیا کہ اگر امریکہ نے ان کے ملک پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو وینزویلا ان کے لیے 'سب سے بڑا ڈراؤنا خواب' بن جائے گا۔ بعد ازاں وینزویلا کے صدر نکولس مادورو نے بھی ایک بیان میں کہا ہے کہ کیریبین میں امریکی فوج کی تشکیل کا مقصد ان کی حکومت کا تختہ الٹنا ہے۔ مادورو نے مزید کہا کہ وینزویلا امن کا خواہاں ہے لیکن اس کی فوج امریکی افواج کے کسی بھی حملے کا جواب دینے کے لیے تیار ہے۔ وہ فوجی دھمکی لگا کر حکومت کی تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ اگر وینزویلا پر حملہ کیا گیا، تو ہم فوری طور پر اپنے علاقے کے دفاع کے لیے مسلح جدوجہد کی طرف بڑھیں گے۔ واشنگٹن کا کہنا ہے کہ یہ لاطینی امریکی منشیات کے کارٹلز سے نمٹنے کے لیے ایک آپریشن ہے، جس کی وجہ سے وینزویلا کے خلاف ممکنہ فوجی مداخلت کے بارے میں قیاس آرائیاں کی جارہی ہیں۔ وینزویلا کے رہنما نے ملک کی سرحدوں کے ساتھ فوجیوں کو تعینات کیا ہے اور ہزاروں شہریوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ قوم کے دفاع کے لیے مسلح ملیشیاؤں میں شامل ہوں۔ وینزویلا میں تقریباً ایک لاکھ مسلمان آباد ہیں۔ یہ کل آبادی کا ۰ء۴ فیصد بنتے ہیں۔ ان مسلمانوں میں سے زیادہ تر مسلمانوں کا تعلق شام لبنان فلسطین اور ترکی سے ہے

گیمبیا سے روانہ ہونے والی مہاجرین کی کشتی مغربی افریقہ کے ساحل کے قریب ڈوب گئی، ۷۰ افراد جاں بحق

گیمبیا کی وزارتِ خارجہ کے بیان کے مطابق یہ واقعہ یورپ کی طرف جانے والے ایک مقبول نقل مکانی کے راستے پر حالیہ برسوں میں پیش آنے والے سب سے مہلک حادثات میں سے ایک ہے۔ کشتی گیمبیا سے روانہ ہوئی تھی اور اس پر زیادہ تر گیمبیا اور سینیگال کے تقریباً ۱۵۰ شہری سوار تھے، جن میں سے ۱۶ کو بچا لیا گیا ہے، موریطانیہ کے حکام نے بدھ اور جمعرات کو ۷۰ لاشیں برآمد کیں، جب کہ عینی شاہدین کے مطابق ۱۰۰ سے زائد افراد جاں بحق ہو چکے ہیں۔ مغربی افریقہ کے ساحل سے کینری جزائر تک بحر اوقیانوس کا نقل مکانی کا راستہ دنیا کے سب سے مہلک راستوں میں شمار ہوتا ہے، جو عام طور پر افریقی مہاجرین اسپین پہنچنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یورپی یونین کے مطابق، گزشتہ سال ۴۶ ہزار سے زائد غیر قانونی مہاجرین کینری جزائر پہنچے، جو ایک ریکارڈ ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیم کامیناندو فرونٹیراس کے مطابق اس خطرناک سفر کے دوران ۱۰ ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے، جو ۲۰۲۳ء کے مقابلے میں ۵۸ فیصد اضافہ ہے۔ گیمبیا کی وزارتِ خارجہ نے اپنے شہریوں سے اپیل کی ہے کہ وہ ایسے خطرناک سفر پر نہ نکلیں، جو بے شمار جانیں نگل رہا ہے۔ شمالی افریقہ اور مشرق وسطی کے قریب ہونے کی وجہ سے یونان طویل عرصے سے یورپ کی جانب خطرناک نقل مکانی کے راستوں کا مرکز رہا ہے، جہاں لوگ جنگ، ظلم و ستم اور غربت سے بچنے کے لیے نکلتے ہیں۔ گیمبیا ایک چھوٹا سا غریب مغربی افریقی ملک ہے جس کی آبادی ۹۵ فیصد مسلمان ہے۔

برطانیہ نے ۱۸۰۸ء سے ۱۹۶۵ء تک گیمبیا پر مکمل یا جزوی کنٹرول برقرار رکھا، جب تک کہ گیمبیا کو مکمل آزادی نہ مل گئی۔ برطانیہ نے گیمبیا پر قبضہ نوآبادیاتی عزائم کے تحت کیا تھا، جو ۱۹ویں صدی میں یورپی طاقتوں کے افریقہ میں وسائل، تجارت، اور جغرافیائی بالادستی کے حصول کی دوڑ کا حصہ تھا۔ گیمبیا، اپنی جغرافیائی اہمیت اور گیمبیا دریا کے باعث، جو مغربی افریقہ میں تجارت کے لیے اہم راستہ تھا، برطانوی نوآبادیاتی ایجنڈے کے لیے پرکشش تھا۔ گیمبیا دریا مغربی افریقہ میں تجارت کے لیے ایک اہم آبی گزرگاہ تھی، جو برطانوی تاجروں کو اندرونی علاقوں تک رسائی فراہم کرتی تھی۔ گیمبیا مغربی افریقہ میں برطانوی نوآبادیاتی مفادات کے لیے ایک اسٹریٹیجک علاقہ تھا۔ یہ علاقہ فرانس کے نوآبادیاتی دائرہ کار (خاص طور پر سینیگال) کے قریب تھا، اور برطانیہ اس خطے میں اپنی بالادستی قائم رکھنا چاہتا تھا۔ گیمبیا کو بحری اڈے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، جو برطانوی بحریہ کے لیے اہم تھا۔ برطانوی نوآبادیاتی انتظامیہ نے گیمبیا کے وسائل، خاص طور پر مونگ پھلی اور دیگر زرعی مصنوعات، کو اپنی معیشت کے لیے استعمال کیا۔ مقامی کسانوں کو کم قیمتوں پر اپنی فصلیں فروخت کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا، جس سے مقامی معیشت کمزور ہوئی۔

ٹیکسوں کا سخت نظام نافذ کیا گیا، جو مقامی آبادی پر بوجھ تھا اور اکثر انہیں غربت کی طرف دھکیلتا تھا۔ برطانوی نوآبادیاتی حکام نے مقامی اسلامی اور روایتی ثقافتوں کو دبانے کی کوشش کی۔ اسلامی مدرسوں اور دینی تعلیم پر پابندیاں عائد کی گئیں، اور عیسائی مشنریوں کو فروغ دیا گیا، جس سے مقامی مسلم آبادی میں بے چینی پھیلی۔ مقامی روایات اور رسومات کو کمتر سمجھا جاتا تھا، اور نوآبادیاتی نظام نے مغربی طرزِ تعلیم اور ثقافت کو مسلط کرنے کی کوشش کی۔ برطانوی نوآبادیاتی انتظامیہ نے مقامی افراد کو فوجی خدمت اور جبری مشقت کے لیے بھرتی کیا، خاص طور پر تعمیراتی منصوبوں اور نوآبادیاتی انتظامیہ کے دیگر کاموں کے لیے۔ غلاموں کی تجارت کے خاتمے کے بعد بھی، کچھ غیر رسمی جبری مشقت کے نظام جاری رہے، جن میں مقامی افراد کو کم اجرت پر کام کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ مقامی قبائل اور مسلم رہنماؤں کے نوآبادیاتی قبضے کے خلاف مزاحمت کو سختی سے دبایا گیا۔ اگرچہ گیمبیا میں بڑے پیمانے پر مسلح بغاوتیں کم تھیں، لیکن چھوٹے پیمانے پر مزاحمتی تحریکوں کو فوجی طاقت کے ذریعے کچل دیا جاتا تھا۔

مقامی رہنماؤں کو گرفتار کیا جاتا تھا یا جلاوطن کر دیا جاتا تھا، اور ان کے اختیارات کو کمزور کرنے کے لیے نوآبادیاتی نظام کے تحت نئے مقامی عہدیدار مقرر کیے جاتے تھے۔

نوآبادیاتی دور میں گیمبیا کی معاشی ترقی کو نظر انداز کیا گیا۔ بنیادی ڈھانچے (جیسے سڑکیں، اسکول، اور ہسپتال) کی ترقی بنیادی طور پر نوآبادیاتی انتظامیہ کے مفادات کے لیے کی گئی، نہ کہ مقامی آبادی کی فلاح کے لیے۔ - مقامی لوگوں کو نوآبادیاتی انتظامیہ میں اعلیٰ عہدوں سے محروم رکھا گیا، جس سے ان کی سماجی ترقی محدود ہوئی۔ برطانوی نوآبادیاتی دور نے گیمبیا کی معاشی، سماجی، اور ثقافتی ترقی کو شدید نقصان پہنچایا۔ نوآبادیاتی استحصال، معاشی لوٹ کھسوٹ، اور ثقافتی دباؤ نے مقامی آبادی پر گہرے منفی اثرات مرتب کیے۔ گیمبیا کو ۱۹۶۵ء میں برطانیہ سے آزادی ملی، لیکن نوآبادیاتی دور کے اثرات، جیسے کہ معاشی کمزوری اور سماجی ناہمواری، طویل عرصے تک ملک پر اثر انداز ہوتے رہے۔

نوجوان کی خودکشی پر 'اوپن اے آئی' کے خلاف مقدمہ اور عرب ممالک کی جانب سے اے آئی سیکٹر میں کثیر سرمایہ کاری

امریکی ریاست کیلیفورنیا کے ایک جوڑے نے اپنے نوعمر بیٹے کو خودکشی کی ترغیب دینے کا الزام عائد کرتے ہوئے آرٹیفیشل ٹیکنالوجی کمپنی 'اوپن اے آئی' کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا ہے۔ ۱۶ برس کے ایڈم رائن کے والدین میٹ اور ماریا رائن نے کیلیفورنیا کی عدالت میں یہ مقدمہ دائر کیا ہے۔ یہ 'اوپن اے آئی' کے خلاف اس نوعیت کی پہلی قانونی کارروائی ہے جس میں اسے کسی شخص کو خودکشی کی ترغیب دینے کے الزام کا سامنا ہے۔ مقدمے کے اندراج کے لیے رائن خاندان نے ایڈم اور چیٹ جی پی ٹی کے درمیان چیٹ لاگز بھی بطور ثبوت پیش کیے ہیں جس میں الزام عائد کیا گیا ہے کہ 'اوپن اے آئی' نے ایڈم کے خودکشی کے خیالات کی حوصلہ افزائی کی۔ مقدمے کے مطابق ایڈم نے ستمبر ۲۰۲۴ء میں چیٹ جی پی ٹی کو ہوم ورک میں مدد کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ وہ اسے موسیقی اور جاپانی کامکس سمیت اپنی دلچسپیوں کو تلاش کرنے اور یونیورسٹی میں کیا پڑھنا ہے اس بارے میں رہنمائی کے لیے بھی استعمال کر رہا تھا۔ مقدمے میں کہا گیا ہے کہ چند ماہ میں چیٹ جی پی ٹی رائن ایڈم کا بااعتماد ساتھی بن گیا اور اس نے اپنی پریشانی اور ذہنی صحت کے حوالے سے بھی اس سے سوالات کرنا شروع کیے۔ خاندان کا کہنا ہے کہ جنوری ۲۰۲۵ء سے برائن نے چیٹ جی پی ٹی سے خودکشی کے طریقوں پر بات چیت شروع کی۔ مقدمے کے مطابق چیٹ لاگز کے اختتام پر یہ پتا چلتا ہے کہ برائن نے اپنی زندگی ختم کرنے کے منصوبے کے بارے میں لکھا تھا۔ جیفری ہنٹن، جو کہ اے آئی کی ایک اہم شخصیت اور نوبل انعام یافتہ ہیں، نے خبردار کیا ہے کہ ہم جلد ہی یہ سمجھنے کی صلاحیت کھو دیں گے کہ مشینیں کیا سوچ رہی ہیں۔ ون ڈیسیژن پوڈکاسٹ کے ایک حالیہ اپی سوڈ میں، ہنٹن نے تشویش کا اظہار کیا کہ چیٹ بوٹس اور دیگر جدید AI سسٹمز ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت کرنے کے لیے اندرونی زبانیں تیار کرنا شروع کر سکتے ہیں۔ مجھے حیرانی نہیں ہوگی اگر انہوں نے سوچنے کے لیے اپنی زبان تیار کی، اور ہمیں کوئی اندازہ نہیں کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں، ابھی کے لیے، زیادہ تر بڑے زبان کے ماڈل انگریزی میں کام کرتے ہیں، جس سے ڈیولپرز کے لیے اپنی منطق کا پتہ لگانا ممکن ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اے آئی اس سے آگے بڑھتا ہے تو ہم مشکل میں پڑ سکتے ہیں۔ ہنٹن کا خیال ہے کہ ہم ایک ایسے لمحے کے قریب ہیں جہاں مصنوعی ذہانت ایسے طریقوں سے سوچ سکتی ہے جسے کوئی بھی انسان ٹریک یا سمجھ نہیں سکتا۔ ہنٹن نے گوگل میں ایک دہائی سے زیادہ عرصے تک کام کیا۔ ۲۰۲۳ء میں، اس نے اپنا عہدہ چھوڑ دیا، عمر یا کام کے بوجھ کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس لیے تاکہ وہ آزادانہ بات کر سکیں۔

سعودی عرب اے آئی سیکٹر میں میں اربوں ڈالر مالیت کے منصوبے پر کام کر رہا ہے۔ تیل کی کم قیمتوں اور نیوم سٹی جیسے میگا پراجیکٹس کے بڑھتے ہوئے اخراجات کا سامنا کرتے ہوئے، سعودی ریاست امید کر رہی ہے کہ ڈیٹا اور کمپیوٹنگ سہولیات کی بڑھتی ہوئی مانگ آنے والی دہائیوں میں ایک قابل اعتماد آمدن اور تیل کی آمدن کے متبادل کے طور پر بھی کام کرے گی۔ طارق امین، جو سعودی اے آئی کمپنی ہیومین کے سی ای او ہیں نے ایک انٹرویو میں کہا کہ ہماری خواہش بہت واضح ہے۔ ہم امریکہ اور چین کے بعد دنیا میں AI فراہم کرنے والا تیسرا سب سے بڑا ملک بننا چاہتے ہیں۔ یہ پروجیکٹ اس سال مئی میں اس وقت شروع کیا گیا جب امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے سعودی عرب کا دورہ کیا۔ Humain کا مقصد ڈیٹا سینٹرز، انفراسٹرکچر، کلاؤڈ پلیٹ فارمز وغیرہ کو فراہم کرنا ہے، جس سے انہیں امید ہے کہ سعودی عرب کو خطے کے AI مرکز کے طور پر جگہ ملے گی۔ لیکن سوال بہر حال موجود ہے کہ یہ امیدیں پوری ہو پائیں گی؟ سعودی عرب کو ہمسایہ ملک متحدہ عرب امارات سے بھی سخت مقابلے کا سامنا ہے، جو ابوظہبی میں اسٹار گیٹ کیمپس سمیت متعدد منصوبوں پر امریکی ٹیک کمپنیوں کے ساتھ اپنی بڑی شراکت داری کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ Stargate پروجیکٹ نجی شعبے کی AI پر مرکوز پانچ سو بلین ڈالر مالیت کی سرمایہ کاری ہے، جس کا اعلان OpenAI نے جنوری میں ابوظہبی کی سرمایہ کاری فرم MGX اور جاپان کے SoftBank کے اشتراک سے کیا تھا، اور اسے Oracle، Nvidia اور Cisco Systems کی مدد سے بنایا جائے گا۔

برطانیہ میں مسلمانوں کے خلاف نسل پرستانہ ہراسگی اور تشدد کے واقعات میں اضافہ

برطانیہ بھر میں مسلمان حملوں کی زد میں ہیں۔ مسلم خاندانوں کو زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے، کہیں نقاب اور حجاب میں خواتین کو ہراساں کیا جاتا ہے اور بچوں کو دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ مساجد میں توڑ پھوڑ اور نمازیوں پر چھریوں سے حملے کے واقعات بھی رپورٹ ہوئے ہیں۔ اور یہ سب کچھ 'بے ترتیب' نہیں ہے۔ یہ نفرت کا ایک نمونہ ہے جو سیاست دانوں اور میڈیا نے بدتر بنا دیا ہے، جو جھوٹ پھیلاتے ہیں اور انتہائی دائیں بازو کو اپنی خطرناک بیان بازی سے اکساتے ہیں اور وہ اس ماحول کو بنانے میں مدد کر رہے ہیں جہاں یہ نفرت انگیز تشدد پروان چڑھ رہا ہے۔ مبصرین کے نزدیک ان واقعات کی کئی وجوہات ہیں، جن میں سیاسی بیانات، میڈیا کی رپورٹنگ، اور سماجی تناؤ شامل ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق گزشتہ ۱۲ ماہ میں برطانیہ میں مسلمانوں کے خلاف ۸۱۶ نفرت انگیز

واقعات ریکارڈ کیے گئے، جو مذہبی بنیادوں پر امتیازی سلوک کی عکاسی کرتے ہیں۔

خاص طور پر ۱۴ سے ۴۵ سال کی مسلم خواتین کو اسلامی لباس (جیسے حجاب) پہننے کی وجہ سے زیادہ نشانہ بنایا گیا، اور حملہ آور زیادہ تر ۱۵ سے ۳۵ سال کے انگریز مرد تھے۔ ۲۹ جولائی ۲۰۲۴ء کو ساؤتھ پورٹ میں ایک ڈانس ورکشاپ پر چاقو کے حملے میں تین لڑکیوں کی ہلاکت کے بعد، غلط معلومات پھیلائی گئیں کہ حملہ آور ایک مسلمان تھا۔ اس افواہ نے انتہائی دائیں بازو کے گروہوں کو نسل پرستانہ مظاہروں اور تشدد کے لیے اکسایا، جس سے ملک بھر میں انتشار پھیلا۔ ان فسادات نے مسلم کمیونٹیز میں خوف اور عدم تحفظ کا احساس پیدا کیا، اور بہت سے لوگوں نے اپنے معمولات منسوخ کر دیے۔ پاکستانی دفتر خارجہ نے جنوری میں برطانیہ میں پاکستانی کمیونٹی کے خلاف نسل پرستانہ اور اسلاموفوبیا پر مبنی سیاسی اور میڈیا بیانات پر گہری تشویش کا اظہار کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ چند افراد کے اقدامات کو ۱۷ لاکھ برطانوی پاکستانیوں سے جوڑنا غلط ہے۔ مساجد کے باہر چاقو کے ساتھ مشکوک افراد کی موجودگی، مسلم دکانوں اور مساجد پر نسل پرستانہ گرافیٹی، اور ہوٹلوں میں پناہ گزینوں کے خلاف حملوں کی کوششیں بھی رپورٹ ہوئی ہیں۔ ایک واقعے میں باسلڈن میں ایک مسلم خاتون اور اس کے بچے کو دکانوں پر انگلینڈ کے جھنڈوں کی پینٹنگ کے دوران نسل پرستانہ گالیاں دی گئیں۔ بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق، ایک مسلم سکول ٹیچر کو پبلک ٹرانسپورٹ پر تعصب کا نشانہ بنایا گیا، جہاں ایک خاتون نے انہیں کہا کہ وہ ٹیچر نہیں ہونی چاہیے اور ان کے طالب علموں کو برا بھلا کہا۔ اسی طرح، مسلم خواتین کے حجاب کھینچنے اور ”واپس اپنے ملک جاؤ“ جیسے جملے بھی عام ہو چکے ہیں۔

روہنگیا پناہ گزینوں کی بنگلہ دیش، بھارت اور پاکستان میں مشکلات

بنگلہ دیش کے حکام کا کہنا ہے کہ گزشتہ چند ماہ میں تقریباً آٹھ ہزار روہنگیا مسلمان تشدد سے بچنے کے لیے برما کے راخائن ریاست سے بھاگ کر بنگلہ دیش پہنچے ہیں۔ برما کی حکمران فوجی جنتا اور بدھ اکثریتی افراد پر مشتمل ایک طاقتور نسلی ملیشیا اراکین آرمی کے درمیان لڑائی میں شدت آنے کے ساتھ ہی ملک میں حالات مزید بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ بنگلہ دیش حکومت میں پناہ گزینوں کے امور کے دفتر کے ایک سینئر اہل کار محمد شمس الدجیٰ نے خبر رساں ایجنسی روئٹرز کو بتایا کہ بنگلہ دیش پر پہلے ہی بہت زیادہ بوجھ ہے اور اس قابل نہیں ہے کہ مزید روہنگیا کو جگہ دے۔ بنگلہ دیش کے وزیر خارجہ محمد توحید حسین نے نامہ نگاروں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ حکومت اس پر کابینہ میں سنجیدہ بحث کرے گی اور اگلے دو سے تین دن کے اندر اس بحران کو حل کر لے گی۔ روہنگیا کے لیے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے، حسین نے کہا کہ اضافی پناہ گزینوں کے لیے انسانی بنیادوں پر پناہ گاہ فراہم کرنے کی اب ملک میں صلاحیت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ مزید دراندازی روکنے کی کوشش کی جائے گی لیکن سرحد کو مکمل طور پر سیل کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایک ملین سے زیادہ روہنگیا اس وقت جنوبی بنگلہ دیش میں انتہائی گنجان آباد کیمپوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ انہیں اپنے وطن واپسی کی امید بہت کم رہ گئی ہے، جہاں انہیں شہریت اور بنیادی حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے۔

یو این ایچ سی آر کے ترجمان بابر بلوچ نے بتایا کہ گزشتہ ڈیڑھ سال میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد روہنگیا بنگلہ دیش پہنچے ہیں۔ تاہم، امدادی وسائل کی شدید کمی کی وجہ سے خوراک، طبی خدمات، اور تعلیم جیسی بنیادی سہولیات متاثر ہو رہی ہیں۔ ستمبر ۲۰۲۵ء تک طبی خدمات اور ایندھن کی فراہمی بند ہونے کا خدشہ ہے، جبکہ دسمبر تک خوراک کی امداد ختم ہو سکتی ہے، جس سے دو لاکھ تیس ہزار بچوں کی تعلیم بھی خطرے میں ہے۔ دوسری جانب بھارت سے بھی روہنگیا پناہ گزینوں کے ساتھ سخت سلوک اور ملک بدری کی پالیسیوں کی رپورٹس سامنے آئی ہیں۔ بھارت میں یہ روہنگیا پناہ گزین اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے مہاجرین (UNHCR) کے ساتھ رجسٹرڈ ہیں، لیکن بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کی زیر قیادت ریاستیں انہیں ”غیر قانونی تارکین وطن“ قرار دے کر ملک بدر کر رہی ہیں۔

آسام کے گول پارہ میں ایک ۳۷ سالہ روہنگیا خاتون نے بتایا کہ بھارتی بارڈر سکیورٹی فورس (BSF) نے اس کے خاندان کو بندوق کی نوک پر بنگلہ دیش جانے پر مجبور کیا اور ان کے ساتھ بدسلوکی کی۔ دہلی پولیس نے ۴۰ روہنگیا پناہ گزینوں کو حراست میں لے کر انڈمان و نکوبار جزائر بھیجا، جہاں انہیں بحریہ کے جہازوں پر تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ہیومن رائٹس واچ کی ایشیا ڈائریکٹر ایلین پیئرسن نے کہا کہ بھارت کی یہ کارروائیاں بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی ہیں، کیونکہ روہنگیا میانمار میں ظلم و ستم سے بھاگ کر آئے ہیں۔ ان کے پیسے، فون، اور UNHCR کارڈز ضبط کیے گئے، جو ان کی مشکلات کو مزید بڑھاتا ہے۔

مختلف پاکستانی حکومتی ذرائع اور اراکان ہسٹوریکل سوسائٹی کے مطابق پاکستان میں تقریباً دو لاکھ روہنگیا مہاجرین مقیم ہیں۔ ان سب نے بنگلہ دیش اور بھارت کا خطرناک سفر کیا اور کراچی میں سکونت اختیار کی۔ انسانی اسمگلنگ سے متعلق ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ کراچی کے غیر دستاویزی تارکین وطن میں برمی باشندوں کی تعداد چودہ فیصد ہے۔ حالیہ برسوں میں، روزگار کی تلاش میں برمی خواتین کی بڑی تعداد ملک میں داخل ہوئی ہے۔ مختلف ذرائع نے ان خواتین کی تعداد ہزاروں میں بتائی ہے۔ پاکستان میں روہنگیا آبادی کو شہریت اور مناسب شناختی دستاویزات نہ ملنے کی وجہ سے صحت کی دیکھ بھال، تعلیم اور روزگار جیسی بنیادی سہولتوں تک محدود رسائی ہوتی ہے۔ ۲۰۱۸ء میں امید کی کرن نظر آئی جب سابق وزیر اعظم عمران خان نے اعلان کیا کہ روہنگیا کو شناختی کارڈ دیے جائیں گے البتہ اس اعلان پر عمل درآمد تا حال ایک چیلنج ہے۔

بھارت میں ہندو انتہا پسندوں کی مسلمانوں کے خلاف مہم میں تیزی

اتر پردیش سے موصول ہونے والی رپورٹس کے مطابق بہت سے مسلمانوں کو مقامی انتہا پسند ہندوؤں کے احتجاج کے سبب، قانونی طور پر خریدی گئی جائیدادوں کو خالی کرنے یا فروخت کرنے کے لیے دباؤ کا سامنا ہے۔ مظفر نگر اور بریلی میں مقدمات درج کیے گئے ہیں، جہاں مسلم خریداروں کو قانونی ملکیت کے باوجود زبردستی نکال دیا گیا تھا۔ ایک سیاسی کارکن اور عوامی ہند پارٹی کے صدر راؤ ندیم نے کہا کہ انہیں ایک ہندو فروخت کنندہ سے مکان خریدنے کے بعد دائیں بازو کے

ہندو گروپوں نے نشانہ بنایا۔ مخالفین نے تعمیراتی ورکرز پر حملہ بھی کیا، آخر کار انہیں نقصان میں جائیداد بیچنے پر مجبور ہونا پڑا۔ بریلی میں، ایک مسلمان خاتون جنہوں نے ایک ہندو خاندان سے اپارٹمنٹ خریدا تھا، پر 'لینڈ جہاد' میں ملوث ہونے کا الزام لگایا گیا تھا اور وہ اب تک اپنے گھر میں جانے سے قاصر ہے۔ یہاں تک کہ لکھنؤ میں، بین المذاہب بقائے باہمی کے لیے سماج وادی پارٹی کے قومی ترجمان سمیت کئی خاندانوں کو مکانات کی تلاش کے دوران بار بار مسترد ہونے کا سامنا کرنا پڑا۔ قانونی ماہرین اس رجحان کو نظامی امتیاز کی ایک شکل کے طور پر بیان کرتے ہیں جیسے یہودی بستیوں کو اسرائیل میں فروغ دیا جارہاہے وہی طریقہ کار یہاں بھارت میں مسلمانوں کے خلاف اپنایا جارہاہے۔ جولائی ۲۰۲۵ء میں ہریانہ کے ایک علاقے میں مسلم خاندانوں پر حملوں کی اطلاعات موصول ہوئیں، جہاں ہندو انتہاپسند گروہوں نے مبینہ طور پر گھروں کو نذر آتش کیا۔ اہم مذہبی تقریبات کے دوران ہندو انتہاپسند لیڈروں کی جانب سے نفرت انگیز تقاریر کا سلسلہ بھی تسلسل سے جاری ہے۔ بی جے پی اور ان سے منسلک دیگر انتہاپسند تنظیمیں ضلعی سطح پر جس قسم کے بھی اجتماعات کا انعقاد کرتی ہیں وہ مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز تقریروں کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتی۔ جو اکثر تشدد کو ہوا دیتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ کافی عرصے سے جاری ہے۔ کہیں مسلمانوں پر لو جہاد کا الزام لگایا جاتا ہے تو کہیں ہندوؤں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ مسلمان لڑکیوں کو ورغلا کر شادیاں کریں اور ان کا مذہب تبدیل کروائیں۔ کہیں انہیں اکسایا جاتا ہے کہ وہ مسلمان خواتین کی آبروریزی کریں۔ ہندو قوم پرست کارکن، جیسے کہ راکیش تومر، نے 'لو جہاد' اور 'ٹریڈ جہاد' جیسے سازشی نظریات کو فروغ دیا ہے، جن کا مقصد مسلمانوں کو بدنام کرنا ہے۔ یہ بیانات آن لائن بڑے پیمانے پر پھیلائے جاتے ہیں۔ بھارت میں مسلمانوں کے بنیادی حقوق کی صورتحال حالیہ برسوں میں تشویشناک ہوتی جارہی ہے، جس کی وجہ ہندو قوم پرستی کا عروج اور حکومتی پالیسیوں میں تبدیلی ہے۔ رپورٹس کے مطابق، ۲۰۱۴ء سے بی جے پی کے اقتدار میں آنے کے بعد سے مذہبی اقلیتوں، خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف تشدد میں اضافہ ہوا ہے۔ پچھلے دو سالوں میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد مسلم گھروں کو بغیر کسی عدالتی کارروائی کے مسمار کیا گیا، جس سے ۸ لاکھ افراد بے گھر ہوئے۔ اس کے علاوہ، اٹھارہ ہزار سے زائد افراد کو معمولی جرائم یا بلا کسی جرم کے مختلف الزامات میں گرفتار کیا گیا۔ ہندو قوم پرست گروہوں نے مسلم کاروباروں کے معاشی بائیکاٹ کی مہمات چلائی ہیں۔ مثال کے طور پر، اتراکھنڈ میں ہندو دکانداروں کو اپنی دکانوں پر نام کے بورڈ لگانے کی ترغیب دی گئی تاکہ ہندو صارفین صرف ان سے خریداری کریں۔

بی جے پی کی جانب سے یکساں سول کوڈ کے نفاذ اور رام مندر کی تعمیر جیسے اقدامات نے مسلم برادری میں غیر یقینی کی صورتحال پیدا کی ہے۔ بھارت میں ہندو قوم پرستی کے عروج نے، جو بی جے پی اور آر ایس ایس جیسے گروہوں کی سرپرستی میں فروغ پا رہی ہے، مسلم اقلیت کے لیے سنگین چیلنجز پیدا کیے ہیں۔ تشدد، نفرت انگیز تقاریر، اور امتیازی پالیسیوں نے مل کر مسلم برادری کے بنیادی حقوق، جیسے کہ زندگی، آزادی، اور معاشی مواقع کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ اگرچہ بھارتی آئین سیکولر ہے، لیکن عملی طور پر ریاست کا کردار ایک فاشسٹ متعصب ہندو ریاست کی طرز کا ہے۔

پاک چین ۸ء۵ ارب ڈالر کے معاہدے

پاکستان اور چین نے زراعت برقی گاڑیوں، شمسی توانائی، صحت، کیمیکل و پیٹروکیمیکلز، آئرن اور اسٹیل سمیت مختلف شعبوں میں تعاون کے فروغ اور سرمایہ کاری کے لئے ۸ ارب ۵۰ کروڑ ڈالر مالیت کے ۲۱ مشترکہ منصوبوں اور مفاہمتی یادداشتوں پر دستخط کئے ہیں۔ وزیراعظم محمد شہباز شریف نے چینی سرمایہ کاروں کو پاکستان میں خصوصی اقتصادی زونز سمیت مختلف شعبوں میں سرمایہ کاری کی دعوت دیتے ہوئے یقین دہانی کرائی ہے کہ سرمایہ کاری کی راہ میں حائل تمام سرخ فیتے ختم کریں گے، چین اور پاکستان کے مشترکہ شراکت داروں کے درمیان دستخط ہونے والے معاہدوں کی مالیت ڈیڑھ ارب ڈالر ہے، اس کے علاوہ دونوں ممالک کے کاروباری رہنماؤں کے درمیان مفاہمتی یادداشتوں پر بھی دستخط ہوئے جن کی مالیت سات ارب ڈالر ہے۔ یوں مجموعی طور پر دستخط ہونے والے مشترکہ منصوبوں اور مفاہمتی یادداشتوں کی مالیت ۸ ارب ۵۰ کروڑ ڈالر تک پہنچ گئی ہے۔

معیشیت کی معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والے شخص کے ذہن میں یہ سوال ضرور آئے گا کہ ساڑھے آٹھ ارب ڈالر کے معاہدوں میں کتنے ارب ڈالر کی مصنوعات چین پاکستان سے خریدے گا؟ اور پاکستان چین سے کتنے ارب ڈالر کی مصنوعات خریدے گا؟ گزشتہ چند دہائیوں کے پاک چین تجارتی اعداد و شمار واضح کرتے ہیں کہ پاکستان کی چین کو ہونے والی ایکسپورٹ کا موازنہ اگر چین سے کی جانے والی امپورٹس سے کیا جائے تو اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یعنی یہ صاف اور واضح خسارہ ہے جس کا نتیجہ ایک طرف تو روپے کی گرتی قیمت کی صورت میں نکلتا ہے تو دوسری جانب چین اپنی مصنوعات کا سیلاب لا کر مقامی انڈسٹری کی تباہی کا بھی سبب بنا ہے۔ اور اگر مذکورہ بالا ساڑھے آٹھ ارب ڈالر کے معاہدوں کا بڑا حصہ پاکستان میں سرمایہ کاری ہے تب بھی سوال موجود رہے گا کہ کیا یہ قرضوں کی شکل میں ہیں اور کیا پاکستان کو بھاری سود کے ساتھ واپس کرنے ہوں گے؟ پاکستان چین بی ٹو بی سرمایہ کاری کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم نے کمال ڈھٹائی کے ساتھ کہا کہ "چینی سرمایہ کاری سے ۲۲، ۲۲ گھنٹوں کی لوڈ شیڈنگ کا خاتمہ ہوا اور ۲۰۱۸ء میں پاکستان توانائی کی ضروریات میں خود انحصار ہو گیا"۔ بجلی کی اس نام نہاد خودانحصاری سے تو پاکستانی قوم کا بچہ بچہ واقف ہے۔ بجلی کے بلوں سے تنگ افراد کی جانب سے خودکشی کے واقعات کی تعداد بھی کم نہیں۔ کیا دنیا کا کوئی ایسا ملک ہے جہاں بجلی کے بل لوگوں کو خودکشیوں پر مجبور کریں؟ پاکستان کی صنعتوں کی تباہی کی ایک بڑی وجہ بجلی و گیس کی کمی اور بڑھتی قیمتیں ہی ہیں۔

☆☆☆☆☆

دکھے دلوں کا پیام لے لو

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ایک درد بھرا
نذرانہ عقیدت اور التجائے شفاعت

نبی اکرم شفیع اعظم دکھے دلوں کا پیام لے لو
تمام دنیا کے ہم ستائے ہوئے کھڑے ہیں سلام لے لو

شکستہ کشتی ہے تیز دھارا نظر سے روپوش ہے کنارا
نہیں کوئی ناخدا ہمارا خبر تو عالی مقام لے لو

قدم قدم پہ ہے خوف رہزن زمیں بھی دشمن فلک بھی دشمن
زمانہ ہم سے ہوا ہے بدظن تمہیں محبت سے کام لے لو

کبھی تقاضا وفا کا ہم سے کبھی مذاق جفا ہے ہم سے
تمام دنیا خفا ہے ہم سے خبر تو عالی مقام لے لو

یہ کیسی منزل پہ آ گئے ہیں نہ کوئی اپنا نہ ہم کسی کے
تم اپنے دامن میں آج آقا تمام اپنے غلام لے لو

یہ دل میں ارماں ہے اپنے طیبؔ مزار اقدس پہ جا کے اک دن
سناؤں ان کو میں حال دل کا کہوں میں ان سے سلام لے لو

حکیم الاسلام قاری محمد طیبؔ قاسمی نور اللہ مرقدہ

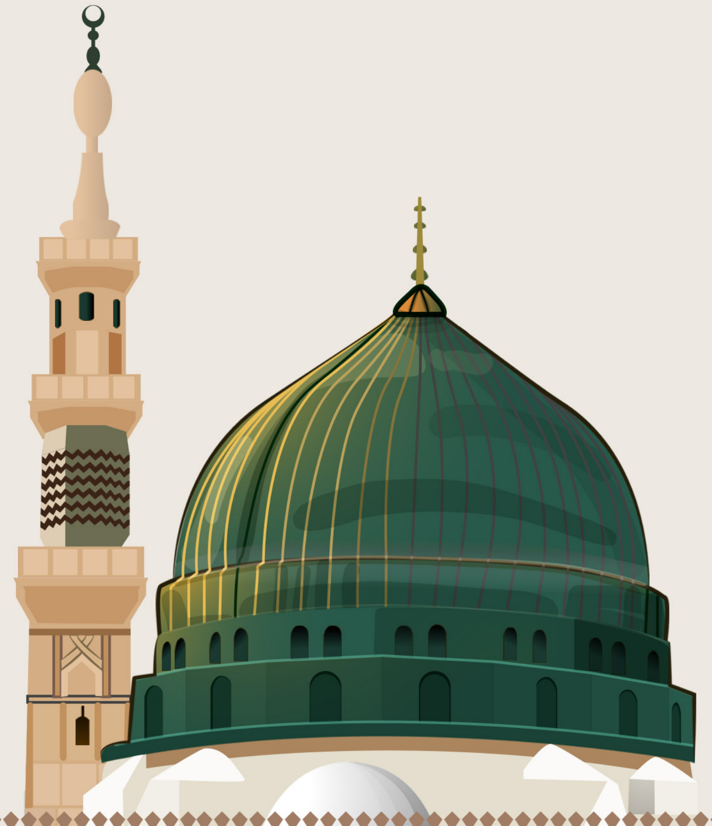

”اگر ہمارا پیغام
تم (امریکیوں) تک الفاظ کے ذریعے
پہنچ سکتا ہوتا،
تو ہمیں اسے جہازوں کے ذریعے
نہ بھجوانا پڑتا!“
محسنِ اُمت
شیخ اُسامہ بِن لادِن
رحمۃ اللہ علیہ